نام کتاب ——————— آدابِ اہلِ منبر

تالیف ——————— آیت اللہ العظمیٰ میرزا حسین نوری طبرسی

ترجمہ ——————— سید سعید حیدر زیدی

کمپوزنگ ——————— مظفر حسین شاداب (فینوی)

ناشر ——————— دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

نام کتاب ــــــــــــــــــــ آدابِ اہلِ منبر

تالیف ــــــــــــــــ آیت اللہ العظمٰی میرزا حسین نوری طبرسی

ترجمہ ــــــــــــــــــــ سید سعید حیدر زیدی

کمپوزنگ ــــــــــــــ مظفر حسین شاداب (فینوی)

ناشر ــــــــــــــ دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول ــــــــــــ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ ـ جنوری ۱۹۹۸ء

فہرست

عرضِ ناشر

"قال الصادق علیہ السلام : ان فینا اھل البیت فی کل خلف عدولا ینفون عنه تحریف الغالین، و انتحال المبطلین، و تاویل الجاهلین"

"امام صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے : ہمارے خاندان میں ہر نسل اور ہر زمانے میں ایسے عادل افراد ہوں گے جو دین کے چہرے سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطلوں کے دروغ اور نادانوں کی تاویل کو صاف کریں گے۔" (اصولِ کافی۔ ج ا۔ ص ۳۲)

سابقہ آسمانی مذاہب کو لاحق ہونے والے بڑے خطرات میں سے ایک خطرہ تحریف ہے، جس نے ان مذاہب کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ تحریف کی بھڑکتی آگ کے شعلوں کی تپش سے اسلام بھی محفوظ نہیں رہا اور یہ گاہے بگاہے اس کے پَر و بال کو بھی مجروح کرنے کا سبب بنے۔

مذکورہ بالا حدیث بھی گواہ ہے کہ اسلام اور امتِ اسلامی کو بھی تحریف کے خطرے سے پناہ نہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ اس دینِ خاتم میں ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں اور رہیں گے جنھوں نے اس کے چہرے سے تحریف کے غبار کو صاف

کیا اور اس کی اصلیت کی حفاظت کی۔

تحریف کبھی تو لفظی ہوتی ہے، یعنی کسی عبارت کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیا جاتا ہے، یا عبارتوں اور جملوں میں کمی بیشی کردی جاتی ہے اور کبھی تحریف معنوی ہوتی ہے، یعنی کسی چیز کی روح بدل دی جاتی ہے اور اس کا حقیقی چہرہ مسخ کردیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے تحریف یوں ہی واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے عوامل و محرکات ہوتے ہیں جو بعض مرتبہ کینہ توز دشمنوں کی جانب سے اور بسا اوقات مخلص لیکن نادان دوستوں کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔

اسلام میں جو چیزیں تحریف کی زد پر رہیں ان میں سے ایک واقعاتِ عاشوراء اور حسینی انقلاب ہے۔ ان دونوں میں لفظی تحریف بھی واقع ہوئی ہے اور معنوی بھی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ دین کا درد رکھنے والوں کو امام حسینؑ پر پڑنے والے تیر وسنان، خنجر و تلوار کے زخموں پر ہی نہیں بلکہ ان سے منسوب کی جانے والی جعلیات، کذب بیانیوں اور تحریفات پر بھی آنسو بہانے چاہئیں۔

لیکن خوش قسمتی سے (جیسا کہ امام صادقؑ کی حدیث میں آیا ہے) ان تحریفات کا مسلسل مقابلہ کیا گیا اور حقیقت کو ابرِ تار میں مکمل طور پر چھپنے سے محفوظ رکھنے کی مسلسل کوششیں جاری رہیں۔ کتابِ حاضر انہی کوششوں کا ایک نمایاں نمونہ ہے۔

یہ کتاب تقریباً ایک صدی قبل ۱۳۱۹ھ-ق میں لکھی گئی۔ اس کتاب کی تالیف کے پس منظر کے بارے میں اس کے مؤلف آیت اللہ میرزا حسین نوری طبرسیؒ فرماتے ہیں کہ :

"ہندوستان سے تعلق رکھنے والے مولوی سید محمد مرتضیٰ جونپوری (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے بارہا مجھ سے وہاں کے ذاکروں اور خطیبوں کی شکایت کی تھی کہ وہ دروغ کہنے میں حریص اور بے باک ہیں، جھوٹی اور جعلی روایات نشر کرنے پر مصر ہیں، بلکہ تقریباً اسے جائز اور مباح سمجھتے ہیں اور کیونکہ یہ باتیں مومنین کو رلانے کا ذریعہ ہوتی ہیں اس لئے انہیں دائرۂ عصیان سے باہر خیال کرتے ہیں۔"

لہٰذا ان کا فرمان ہے کہ میں (مصنف) اس بارے میں وعظ اور مجادلۂ احسن کے طور پر چند کلمات تحریر کروں، شاید یہ چیز ان کی تنبیہ اور اس فعلِ قبیح سے دستبردار ہونے کا موجب ہوجائے۔

ظاہراً مولانائے مذکور کو یہ گمان ہے کہ عتباتِ عالیات اور ایران وغیرہ میں یہ گروہ (ذاکرین اور خطیب حضرات) اس خرابی سے پاک ہے، اور ان کا دامن کذب و افتراء کی آلائشوں سے آلودہ نہیں ہوتا ہے، اور یہ خرابی محض ہندوستان ہی میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ خرابی دراصل سرچشمہ ہی سے ہے، کیونکہ اگر اہلِ علم تساہل سے کام نہ لیتے اور اس گروہ کی گفتار کے صحیح و سقیم اور صدق و کذب پر نظر رکھتے اور جھوٹ کہنے پر انہیں منع کرتے تو خرابی یہاں تک نہ پہنچتی اور وہ اس حد تک جسارت نہ کرتے، اس قسم کے معلوم اور مشہور جھوٹ نشر نہ کرتے اور مذہبِ حقہ امامیہ اور اس کے ماننے والے اس درجہ طنز و استہزاء کا نشانہ نہ بنتے۔

بہرحال حقیر اس وقت کتاب "مستدرک الوسائل" کے سلسلے میں مصروفیات کی باعث اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے عاجز تھا۔ اب جب کہ "الحمدللہ تعالیٰ" اپنی اس خدمت سے فارغ ہوا ہوں تو حسب الامر اس گروہ

(ذاکرین اور خطباء) کے طرزِ عمل اور اس شغل میں ان کے دخول کے بارے میں تحریر کررہا ہوں۔"

کتابِ حاضر کے بارے میں اس صدی کے عظیم اسلامی مفکر اور اسلامی انقلاب کے عظیم رہنما حضرت امام خمینیؒ کے شاگردِ رشید آیت اللہ استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ فرماتے ہیں کہ :

"یہ کتاب چھوٹی ہونے کے باوجود غیر معمولی طور پر عمدہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں اہلِ منبر کے فریضے کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ یہ پوری کتاب دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ ایک فصل اخلاص، یعنی خلوصِ نیت کے بارے میں ہے کہ خطیب، واعظ اور ذاکر کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ نیتِ خالص کا مالک ہو، جب منبر پر جائے، جب مجلس پڑھے تو روپے پیسے کے لالچ میں نہ ہو۔ مصنف نے اس موضوع پر بہت ہی خوبصورت گفتگو کی ہے----- دوسری شرط صدق اور راستی ہے، اور یہاں پر سچ اور جھوٹ کہنے کے موضوع کی وضاحت کی گئی ہے۔ دروغ کی اقسام پر ایسی گفتگو کی ہے کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کسی اور کتاب میں دروغ اور اس کی اقسام کے بارے میں اس کتاب جیسی بحث کی گئی ہو۔ شاید دنیا میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہ مل سکے، اس شخص (مصنف) نے عجیب انداز میں اپنے تبحر کا مظاہرہ کیا ہے۔" (حماسہ حسینی۔ ج ا۔ ص ۱۹)

اس کتاب میں اہلِ منبر کے لئے دو بنیادی شرائط یعنی صدق اور اخلاص کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور جھوٹ کی حرمت اور اس کی اقسام کے ضمن میں مجالس میں پڑھے جانے والے دروغ کی چند مثالیں دی گئی ہیں۔

مئولف نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ اہلِ بیتؑ کے مصائب پر رونے اور رلانے کا ثواب اپنی جگہ پر ثابت ہے اور اس بارے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس مقصد کو صحیح اور جائز راستے سے حاصل ہونا چاہئے نہ کہ ہر راہ سے، خواہ اس کے لئے جھوٹ ہی کیوں نہ گھڑنا پڑے۔ اور سچ یہ ہے کہ مصنف نے بہت عمدہ طریقے سے اس مطلب کی وضاحت فرمائی ہے۔

دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان نے ہمیشہ ایسی کتب شائع کرنے کو ترجیح دی ہے جو اپنے قاری کے سامنے دین کے حقیقی چہرے کو اجاگر کریں، اہلِ بیتؑ کی عظمت کی ترجمان ہوں، معاشرے میں موجود مسائل کے بارے میں دینی رہنمائی فراہم کریں۔ کتابِ حاضر بھی ایسی ہی کتب میں سے ہے، جس میں ہماری تبلیغ کے سب سے بڑے ذریعے منبر کی اصلاح اور اس کے تقدس کے احترام کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ گو یہ کتاب لگ بھگ ایک صدی پہلے لکھی گئی لیکن قارئین کو اس کے مطالعہ کے دوران بارہا یہ احساس ہوگا کہ جیسے یہ آج ہی کے دور میں تحریر کی گئی ہے اور مصنف عصرِ حاضر کے اہلِ منبر کا شاہد اور ان سے مخاطب ہے۔

اس کتاب کے قدیم ہونے کی وجہ سے ترجمہ کا مرحلہ انتہائی کٹھن اور دشوار تھا، کیونکہ اس میں آج سے سو سال پہلے کی فارسی زبان استعمال ہوئی ہے کہ جس کے بہت سے الفاظ آج جدید فارسی میں متروک ہوچکے ہیں۔ نیز طول طویل جملے، بغیر علامات اور بغیر پیراگراف کے کئی کئی صفحات مشکل میں اور اضافہ کرتے تھے۔ لیکن ترجمہ کے دوران ہی میں اس کتاب کا نیا طبع شدہ فارسی ایڈیشن

موصول ہوا جس کی جناب حسین استادولی نے نئے سرے سے ترتیب و آرائش کی تھی، اس میں پیراگراف بنائے تھے، جہاں ضروری تھا وہاں سرخیاں قائم کی تھیں للذا کتابِ حاضر میں جہاں بریکٹ کے درمیان سرخیاں موجود ہیں وہ انہی کی قائم کردہ ہیں، مؤلف کی نہیں۔ نیز ایک انتہائی اہم کام یہ ہوا ہے کہ کتاب کے مؤلف نے اخبار و روایات کا حوالہ دیتے ہوئے صرف اس کتاب کا نام تحریر کیا تھا جہاں سے وہ حوالہ لیا گیا ہے لیکن جناب حسین استادولی نے انتہائی عرق ریزی کے بعد کتاب کی جلد اور صفحہ نمبر بھی درج کئے ہیں جو ہمارے لئے بھی مفید ثابت ہوں گے۔ ہم نے کتاب کے اردو ترجمہ کے دوران "جناب مولانا نذر حسین ظفر مولوی فاضل" کے اردو ترجمہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ہمارے اندازے کے مطابق یہ ترجمہ بھی تقریباً بیس پچیس سال پہلے ہوا ہوگا۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو زبان کو سلیس اور عام فہم بنایا جائے لیکن ایسے مقامات جہاں مضمون ہی مشکل ہے وہاں ممکن ہے قارئین کو کچھ دقت پیش آئے۔

قارئین سے نقد و تبصرہ کی استدعا کے ساتھ بارگاہِ رب العزت میں دعاگو ہیں کہ ہمیں سید الشہداءؑ کی تحریک اور عزاداریِ حسینؑ کے خدمت گزاروں میں شامل فرمائے۔

مؤلف کے حالاتِ زندگی

عالمِ ربانی صاحبِ فیضِ قدوسی، علامہ میرزا حسین نوری طبرسی ملقب بہ خاتم المحدثین فرزند علامہ میرزا محمد تقی نوری طبرسی (جو چودہویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانے کے ثقات، اعیان اور اکابر علمائے امامیہ میں سے تھے۔ آپ متعدد تالیفات کے حامل تھے جیسے دلائل العباد فی شرح الارشاد، جو علامہ حلّی کی کتاب "الارشاد الاذہان" کی شرح پر مشتمل ہے)۔ علامہ حسین نوری طبرسی ۱۸ر شوال سال ۱۲۵۴ھ ـ ق میں ایران میں پیدا ہوئے۔

مراحلِ تحصیل اور اساتید

علامہ نوری ۸ برس کی عمر میں اپنے والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے۔ سنِ بلوغ کو پہنچنے سے قبل فقیہِ بزرگ مولیٰ محمد علی محلاتی سے آپ کی آشنائی ہوئی۔ اس کے بعد آپ تہران تشریف لے گئے اور اپنی اہلیہ کے والد عالمِ جلیل شیخ عبدالرحیم بروجردی سے درس لینے لگے۔ اس کے بعد آپ عراق روانہ ہوگئے اور علامہ شیخ عبدالحسین طہرانی مشہور بہ شیخ العراقین، فقیہِ بے بدیل علامہ حاج شیخ مرتضیٰ انصاری، مجتہدِ کبیر میرزا شیرازی بزرگ اور شیخ مولیٰ فتح علی سلطان

آبادی، عالمِ بزرگوار حاج ملا علی کنی، سید مہدی قزوینی اور میرزا محمد ہاشم خوانساری جیسے اساتذہ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کئے۔ اس دوران آپ نے ایران کے کئی سفر کئے، دو مرتبہ حضرت امام رضاؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور چار مرتبہ خانۂ خدا کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

حیاتِ علمی

علامہ نوری علم و عمل میں سلفِ صالح کا ایک نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی مردانِ صالح اور دینی دانشوروں کی تاریخ کی کتاب کا ایک درخشاں صفحہ ہے۔ آپ نے اپنے بعد جو آثار چھوڑے ان کے ذریعے رہتی دنیا تک آپ کا نام زندہ رہے گا۔

آپ فقیہ، محدث، محقق، مفسر بلکہ حالیہ صدی میں علمِ حدیث اور رجال کے علمبردار تھے۔ محدثین رواۃ اور علمائے اسلام کے احوال کے بارے میں معلومات کے حوالے سے بے نظیر تھے اور اصولِ شریعت اور مذہبِ جعفری کے مبانی کی ترویج کے سلسلے میں مکمل اہتمام کرتے تھے۔ جو لوگ آپ سے ملتے تھے وہ آپ کو عالی ذہنی، حافظہ اور تحقیق کی ایک علامت قرار دیتے تھے۔ آپ ایک لحظہ کے لئے بھی بیکار نہ بیٹھتے تھے یا تو مسلسل مطالعہ اور تحقیق میں مشغول رہتے تھے، یا پھر عبادت و طاعت میں۔ گویا خدا نے آپ کو اسلام کے آثار کی حفاظت اور علوم و اخبارِ آلِ محمدؐ کی پاسداری کے لئے ذخیرہ کیا تھا۔

آپ کے عظیم الشان کتاب خانہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی گئی جس پر آپ نے مقدمہ، حواشی یا نوٹ نہ لکھا ہو، نفیس اور اصیل کتب کے حصول کے لئے انتہائی کوشاں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کتاب اصولِ اربعمائہ آپ کو ایک عورت کے پاس نظر آئی لیکن آپ کے پاس اس کو خریدنے کے پیسے نہ تھے، لہٰذا آپ نے اپنے کپڑوں کو فروخت کیا اور اس ذریعے سے ملنے والی رقم سے یہ کتاب خریدی۔

آپ سے یادگار کے طور پر چھوٹنے والے علمی آثار اور تالیفات سب کے سب آپ کی انتھک اور مسلسل مساعی اور تحقیق و تدقیق سے انتہائی عشق کے گواہ ہیں۔

کتاب مستدرک الوسائل جو آپ کا عظیم کارنامہ ہے، علمائے شیعہ کے نزدیک انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں تک کہ مجتہدین اور فقہاء احکامِ شرعی کے استنباط کے لئے مربوط احادیث کی تلاش کے لئے اس سے بے نیاز نہیں۔ مرحوم اخوند ملا محمد کاظم خراسانی اور شیخ الشریعہ اصفہانی اس سے رجوع کرنے کی بکثرت تاکید کیا کرتے تھے۔ اس کتاب کا اختتامیہ جو رجال و مشائخ کے تعارف اور حالاتِ زندگی کی شرح میں ہے آپ کے وسیع علم اور فعال ذہن کا عکاس ہے۔

نظم و ضبط

آپ تمام عمر اپنے شرعی وظائف کے پابند رہے۔ آپ نے اپنے شب و روز کے اوقات کو تقسیم کیا ہوا تھا اور ہر گھنٹے کے لئے آپ کا معین پروگرام ہوا کرتا تھا۔ عصر سے غروبِ آفتاب کے قریب تک تحریر کا کام کرتے اور تالیف و نگارش میں مصروف رہتے۔ نمازِ عشاء سے سونے کے وقت تک مطالعہ کرتے۔ پھر وضو

کے بعد سونے چلے جاتے، بہت کم سوتے، صبح کی نماز سے دو گھنٹے پہلے بیدار ہوجاتے اور آبِ کر سے وضو فرماتے، پھر گرمیاں ہوں یا سردیاں صبح صادق سے ایک گھنٹے پہلے امیرالمومنینؑ کے حرمِ مطہر میں جاتے اور درِ قبلہ کی پشت پر نوافل ادا کرتے، یہاں تک کہ خادم حرم کے دروازے کھولتا۔ اس وقت شیخ خادم کے ساتھ حرم میں داخل ہوتے اور شمعیں روشن کرنے میں اس کی مدد کرتے۔ پھر امامؑ کے سرِ مبارک کی سمت کھڑے ہوتے اور سپیدۂ صبح نمودار ہونے تک زیارت و نمازیں پڑھتے پھر آپ بعض بندگانِ صالح کی معیت میں نمازِ جماعت پڑھتے اور تعقیبات کو بیٹھ جاتے۔ پھر طلوعِ آفتاب سے پہلے گھر لوٹ آتے اور فوراً ہی اپنے کتاب خانہ میں چلے جاتے۔ آپ کا ذاتی کتاب خانہ انتہائی بڑا اور ہزاروں نفیس و کمیاب کتابوں پر مشتمل تھا۔ کتاب خانہ ہی میں رہتے اور ضرورت کے سوا باہر نہ نکلتے۔ اسی اثناء میں وہ افراد جو تصحیح و مقابلہ اور نقل کے کاموں میں آپ کے معاون تھے جیسے علامہ شیخ علی بن ابراہیم قمی اور حاج شیخ عباس قمی اور دیگر حضرات آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے اور اپنے کام میں مشغول ہوجاتے۔

اگر اس موقع پر کوئی آتا تو شیخ اس کا استقبال کرنے سے معذرت کرلیتے، یا انتہائی جلدی کے ساتھ اس کا کام نمٹا دیتے تھے تاکہ آپ کی علمی مصروفیات میں مزاحم نہ ہو۔ خاص کر عمر کے آخری برسوں میں جب آپ کتاب "مستدرک الوسائل" کی تکمیل میں مشغول تھے بطورِ کلی لوگوں سے کنارہ کش ہوگئے تھے۔ حتیٰ اگر کوئی آپ سے سوال کرتا اور کسی حدیث کی تشریح، یا کسی خبر کے ذکر یا کسی تاریخی واقعہ کی تفصیل، یا کسی راوی کے حالات یا فقہ و اصول کے مسائل یا دیگر

امور کے بارے میں مذاکرہ کرتا تو شیخ مفصل جواب نہ دیتے۔ بلکہ اگر کتاب خانہ کے باہر ہوتے تو مسئلہ کے بارے میں تحقیق کے منابع اسے بتا دیتے اور اگر کتاب خانہ میں ہوتے تو کسی ایک کتاب میں مسئلہ کے مقام پر نشان لگا کر سائل کے ہاتھ میں دے دیتے کہ وہ خود اس کا مطالعہ اور اس کی تحقیق کرے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ کو الہام ہوا ہے کہ دوسرے تمام کاموں کو معطل کرکے کتاب مستدرک مکمل کریں۔

تحریر کے کام کے بعد مخصوص غذا میں سے کچھ تناول فرماتے اور قدرے استراحت کرتے اور اول وقت میں ظہر کی نماز پڑھتے اور عصر کے بعد دوبارہ پہلے ہی کی طرح کام میں مشغول ہوجاتے۔

جمعہ کے روز آپ کا معمول بدل جاتا، اس دن حرم شریف سے واپس آنے کے بعد آپ کتاب خانہ میں تشریف لے جاتے اور خطاب کے لئے موضوع تیار کرنے کے لئے بعض مقاتل اور اس مناسبت سے کتب کے مطالعہ کے لئے بیٹھ جاتے۔ طلوع آفتاب کے ایک گھنٹے بعد کتاب خانہ سے باہر آتے، مجلسِ عمومی میں تشریف لاتے اور سلام اور شرکاء کی احوال پرسی کے بعد منبر پر جاتے اور جن باتوں کا اس روز مطالعہ کیا تھا انہیں نقل میں مکمل احتیاط سے کام لیتے ہوئے خوبصورت انداز میں لوگوں کے لئے بیان کرتے۔ ذکرِ مصیبت کے موقع پر خود اس قدر سخت گریہ کرتے کہ آپ کے اشک ریش پر جاری ہوجاتے۔ مجلس کے اختتام کے بعد روزِ جمعہ کے آداب جیسے ناخن کاٹنا، سر اور مونچھوں کے بال ترشوانا، غسلِ جمعہ، دعائیں اور مستحبی نمازیں پڑھتے اور روزِ جمعہ کے دوسرے آداب بجا لاتے۔ جمعہ کے دن عصر کے وقت دوسرے ایام کی مانند تحریر کا کام

نہیں کرتے بلکہ حرم شریف تشریف لے جاتے اور غروبِ آفتاب تک ماثورہ دعائیں پڑھنے میں مشغول رہتے۔

آپ کی زندگی کا یہ معمول دیدارِ حق کو سدھارنے تک اسی طرح برقرار رہا۔

وہ امور جن کی ان بزرگوار نے بنیاد ڈالی وہ حضرت سید الشہداءؑ کی زیارت کے لئے پاپیادہ جانا تھا۔ البتہ یہ روش مرحوم شیخ انصاری کے دور میں اس زمانے کے پرہیزگار لوگوں کا فریضہ اور بزرگ ترین دینی شعائر میں شمار ہوتی تھی۔ لیکن آخری برسوں میں متروک ہو چکی تھی اور اسے فقرو تنگ دستی کی علامت اور نچلے طبقے کے لوگوں کی خصوصیت شمار کیا جانے لگا تھا اور ایک گروہ نے دوسروں کی تحقیر کرنے کے خوف سے اسے ترک کردیا تھا، تا آنکہ شیخِ جلیل نے دوبارہ اس سنت کا احیاء کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض برسوں میں زیارت کے راستے میں تیس سے زیادہ خیمہ لگتے کہ جن میں سے ہر ایک میں بیس سے تیس افراد کی گنجائش ہوتی تھی۔

آثار و تالیفات

جب ہم اس بزرگ انسان کے علمی آثار و تالیفات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو تعجب میں پڑ جاتے ہیں اور یقین ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کی خاص عنایات سے بہرہ ور تھے، کیونکہ وہ یہ آثار ایسے زمانے میں وجود میں لائے جب دیگر علمی مصروفیات اور اجتماعی سرگرمیاں، معمولاً ان آثار کے وجود میں لانے میں مانع تھیں۔ محدث نوری اس زمانے میں عظیم الشان مرجع مرحوم میرزا شیرازی بزرگ کے ہمراہ تھے

اور ذاتی طور پر ان عظیم مرجع کے کاموں میں مشغول رہتے تھے اور وہ بھی اپنے اہم امور جیسے سوالات کے جوابات، خطوط تحریر کرنا، مہمانوں کا استقبال، علماء کی زیارت، بیماروں کی عیادت، طلاب کے امور کی انجام دہی، مجالسِ عزاء کا انعقاد وغیرہ، اس اعتمادِ کامل کی بنا پر جو انہیں آقائی نوری پر تھا ان کے ذمہ کئے ہوئے تھے۔

جی ہاں ! مرحوم حاجی نوری طبرسیؒ نے ان تمام مصروفیات کے باوجود انہی ایام میں تیس عدد کتب لکھیں۔ لیکن مرحوم میرزا کی وفات کے بعد آپ کی مادی صورت حال اچھی نہ رہی اور فرمایا کرتے تھے : میں مرجاؤں گا اور ایک حسرت میرے دل میں رہے گی، جسے میں قبر میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور وہ یہ کہ : میری تمام عمر میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ملا جس نے مجھ سے کہا ہو کہ فلانی، یہ رقم رکھئے اور اسے کاغذ و قلم پر صرف کیجئے یا کتاب کے لئے استعمال کیجئے، یا وہ لوگ جو آپ کے معاون ہیں اور لکھنے لکھانے میں آپ کے مددگار ہیں انہیں دے دیجئے۔"

لیکن اس کے باوجود آپ ناامید، سست یا بے کل نہیں ہوئے اور اپنی پُرثمر عمر کے آخری لمحات تک مصروفِ کار رہے۔ آپ کے چند علمی آثار درجِ ذیل ہیں۔

(۱) - البدر المشعشع فی ذریة موسی المبرقع۔

(۲) - جنة الماوی فیمن فاز بلقاء الحجة (علیه السلام) فی الغیبة الکبری۔

(۳) - دار السلام فیما یتعلق بالرؤیا والمنام۔

(۴) - سلامۃالمرصاد۔
(۵) - شاخۂطوبی۔
(۶) - الصحیفۃالثانیۃالعلویۃ۔
(۷) - الصحیفۃالرابعۃالسجادیۃ۔
(۸) - ظلمات الھاویۃفی مثالب معاویۃ۔
(۹) - فصل الخطاب فی مسالۃتحریف الکتاب۔
(۱۰) - الفیض القدسی فی احوال العلامۃ المجلسی رحمۃاللہ علیہ۔
(۱۱) - کشف الاستار عن وجہ الغائب عن الابصار۔
(۱۲) - کلمہ طیبہ۔
(۱۳) - لئولئو و مرجان درپلہ اول و دوم منبر روضہ خوانان۔(کتاب حاضر)
(۱۴) - مستدرک الوسائل (آپ کی اہم ترین اور عظیم الشان تالیف)
(۱۵) - مستدرک مزار بحار۔(ناکمل)
(۱۶) - معالم العبر فی استدراک(البحار)السابع عشر۔
(۱۷) - مواقع النجوم و مرسلۃالدر المنظوم۔
(۱۸) - میزان السماءفی تعیین مولدخاتم الانبیاءصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔
(۱۹) - النجم الثاقب فی احوال الامام الغائب علیہ السلام۔

(۲۰) - نفس الرحمٰن فی فضائل سیدنا سلمان۔
(۲۱) - اخبار حفظ القرآن' اربعونیات' امالی۔ (آپ کی تقریرات کا مجموعہ جو آپ کے ایک شاگرد نے جمع کیں)
(۲۲) - تحیۃالزائر۔(جو ناکمل رہ گئی تھی مرحوم شیخ عباسی قمی نے اسے مکمل کیا)
(۲۳) - تقریرات بحث استاد خود علامہ شیخ عبدالحسین طہرانی۔
(۲۴) - حواشی رجال ابو علی۔(ناکمل)
(۲۵) - حواشی توضیح المقال۔
(۲۶) - دیوان شعر فارسی۔
(۲۷) - رسالہ ای در ترجمۂ ابوالحسن شریف۔
(۲۸) - رسالہ ای در موالید ائمہ علیہم السلام۔
(۲۹) - فہرست کتابھای کتابخانہ خود۔
(۳۰) - پاسخ مسائل' و اوراق متفرقۂ دیگر۔

وفات

سن ۱۳۱۹ھ میں مکہ میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے ایک بڑی وبا پھیل گئی اور بکثرت لوگ زندگی سے محروم ہوئے۔ اسی سال شیخ بزرگوار پاپیادہ حضرت سید الشہداءؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور واپسی پر اپنی ہمیشہ کی عادت کے برخلاف کہ سواری پر واپس آتے تھے اپنے ایک عالم دوست کی فرمائش پر کہ

جنھوں نے نجفِ اشرف پاپیادہ جانے کی نذر مانی تھی آپ بھی پیادہ نجف واپس
ہوئے اور کوئی فاسد غذا تناول کرنے کی بنا پر بیمار ہوگئے اور دل میں درد اور شدید
بخار ہوگیا۔ مسلسل اس بیماری کا شکار رہے یہاں تک کہ چار شنبہ ۲۷؍ جمادی
الثانی ۱۳۲۰ھ رات کے کسی حصہ میں انتقال فرمایا اور اگلے دن جو حضرت امام
ہادیؑ کا روزِ شہادت بھی تھا، آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق امام امیرالمومنینؑ
کے حرم کے ایوان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

آپ کی تشییع جنازہ میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی اور ہر طبقہ
خصوصاً علماء دین کا انبوہ کثیر جمع تھا۔ بعض شعراء نے اس موقع پر مرثیہ بھی کہے۔

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام اور دوسرے اہلِ بیتِ علیہم السلام پر پڑنے والے مصائب پر مومنین کو رلانا، انہیں رونے پر ابھارنا، آہ و بکا کرنا، مرثیہ پڑھنا، نوحہ خوانی کرنا، ان کے مصائب کی کیفیت بیان کرنا اور اس سلسلے میں ان کے علاوہ دیگر ایسے امور بجا لانا جن کے متعلق شریعتِ مطہرہ میں ممانعت نہ کی گئی ہو اور نہ ہی ان میں شرعاً کوئی اشکال ہو، ممدوح و مستحسن عبادات میں سے ہے اور اس کے لئے ثوابِ جزیل اور اجرِ جمیل مقرر کیا گیا ہے جیسے کہ کتاب "کامل الزیارۃ" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے عبداللہ بن حماد بصری سے فرمایا۔

"بلغنی ان قوما یا تونه (یعنی الحسین علیه السلام) من نواحی الکوفة وناسا من غیرهم ونساء یندبنه، و ذالک فی النصف من شعبان، فمن بین قارء یقرأ، وقاص یقص، ونادب یندب، وقائل یقول المراثی، فقلت له : نعم جعلت فداک، قدشهدت

بعض ما تصف، فقال : الحمدللہ الذی جعل فی الناس من یفدالینا ویمدحنا ویرثی علینا، وجعل عدونا من یطعن علیھم من قرابتنا او من غیرھم یھد دونھم ویقبحون ما یصنعون"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ پندرہ شعبان کو اطرافِ کوفہ سے ایک گروہ اور ان کے علاوہ کچھ مرد اور عورتیں امام حسین علیہ السلام کی قبرِ مطہر پر آکر آہ وبکا کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو قرائت کرتے ہیں اور بعض قصے پڑھتے ہیں (یعنی شہادت کا حال اور دوسرے مصائب کا ذکر کرتے ہیں) بعض نوحہ خوانی کرتے ہیں اور بعض مرثیہ پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا : میں آپؑ پر قربان ! ہاں جو آپؑ فرماتے ہیں میں نے بھی اس میں سے کچھ دیکھا ہے۔ (امام علیہ السلام نے) فرمایا : حمد ہے اس خدا تعالیٰ کی جس نے لوگوں میں ایسے افراد بھی قرار دیئے ہیں جو ہمارے پاس آتے ہیں، ہماری مدح کرتے ہیں، ہمارے مرثیہ پڑھتے ہیں اور ہمارے قریبیوں میں سے اور دوسرے لوگوں میں سے ایسے دشمن قرار دیئے ہیں جو ان پر طعن کرتے ہیں اور انہیں ڈراتے دھمکاتے ہیں اور ان کے افعال کو برا سمجھتے ہیں۔"

(کامل الزیارات باب ۱۰۸۔ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴)

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب "عیون الاخبار" میں مروی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے حسن بن علی بن فضال سے فرمایا۔

"من ذکر مصابنا، فبکی و ابکی، لم تبک عینہ یوم

تبکی العیون"

"جو کوئی ہمارے مصائب یاد کرے۔ پس پھر خود روئے اور دوسروں کو رلائے تو اس کی آنکھ اس دن (قیامت) نہ روئے گی جس دن اور آنکھیں روئیں گی۔" (عیون اخبار الرضا۔ ج ۱۔ ص ۲۹۴)

کتاب کامل، ثواب الاعمال اور امالی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے ابی عمارہ منشد (یعنی شعر خوان) سے فرمایا :

"من انشد فی الحسین بن علی صلوات اللہ علیھما فابکی خمسین فلہ الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام شعرا فابکی ثلاثین فلہ الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی عشرین فلہ الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام (شعرا) فابکی عشرۃ فلہ الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی واحدا فلہ الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام فبکی فلہ الجنۃ، و من انشد فی الحسین علیہ السلام فتباکی فلہ الجنۃ"

"جس نے حسین بن علی صلوات اللہ علیہما کے مصائب میں شعر پڑھ کر پچاس آدمیوں کو رلایا پس اس کے لئے جنت (واجب) ہے اور جس کسی نے امام حسینؑ کی مصیبت پر ایک بیت پڑھی اور تیس آدمیوں کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جس نے امام حسینؑ کی مصیبت پر شعر پڑھا اور بیس آدمیوں کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جس نے دس

اشخاص کو رلایا پس اس کے لئے جنت ہے اور جس نے امام حسینؑ کی مصیبت پر شعر پڑھا اور ایک شخص کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جو کوئی امام حسینؑ کی مصیبت پر شعر پڑھے اور خود روئے اور جس نے مصائب حسین علیہ السلام میں شعر پڑھا اور رونے کی شکل بنائی اس کے لئے بھی جنت واجب ہے۔" (کامل الزیارات۔ باب ۳۳ ۔ص ۱۰۵، ثواب الاعمال ۔ص ۱۰۹، امالی صدوق ۔ مجلس ۲۹ ۔ص ۱۲۵)

اور کتاب "کامل الزیارۃ" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ابی ہارون مکفوف (یعنی نابینا) سے فرمایا :

"یابا ھارون، من انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی عشرۃ فلہ الجنۃ، ثم جعل ینقص و احداً واحداً حتی بلغ الواحد فقال : من انشد فی الحسین علیہ السلام فابکی واحداً فلہ الجنۃ"

"اے ابو ہارون ! جس نے حسین علیہ السلام کے مصائب میں شعر پڑھا اور دس آدمیوں کو رلایا۔ پھر امام علیہ السلام ایک ایک کم کرتے رہے یہاں تک کہ نوبت ایک تک پہنچی۔ پس فرمایا : جس نے مصائبِ حسین علیہ السلام میں شعر پڑھا اور ایک آدمی کو بھی رلایا تو اس کے لئے جنت (واجب) ہے۔" (کامل الزیارات ۔باب ۳۳ ۔ص ۱۰۶)

اور نیز اسی کتاب اور کتاب "ثواب الاعمال" میں مروی ہے کہ آپؑ نے ابی ہارون سے فرمایا :

"من انشد فی الحسین علیہ السلام (شعراً) فبکیٰ و ابکیٰ عشرۃ کتبت لھم الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام (شعراً) فبکیٰ و ابکیٰ خمسۃ کتبت لھم الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام (شعراً) فبکیٰ وابکیٰ واحداً فلھما الجنۃ"

"جس نے حسین علیہ السلام کے مصائب پر شعر پڑھا پس خود رویا اور دس آدمیوں کو رلایا تو اس کے لئے جنت لکھ دی گئی ہے اور جس نے حسینؑ کی مصیبت میں شعر پڑھا پس خود رویا اور پانچ آدمیوں کو رلایا تو اس کے لئے جنت لکھ دی گئی ہے اور جس نے حسینؑ کی مصیبت پر شعر پڑھا پس خود رویا اور ایک آدمی کو رلایا پس ان دونوں (رونے اور رلانے والے) کے لئے جنت ہے۔"

(کامل الزیارات ۔ص ۱۰۴، ثواب الاعمال ۔ص ۱۰۹)

اور نیز چند اسناد کے ساتھ اسی کتاب میں اور شیخ صدوق کی کتاب "ثواب الاعمال" میں مروی ہے کہ حضرتؑ نے صالح بن عقبہ سے فرمایا۔

"من انشد فی الحسین علیہ السلام بیتاً من شعر فبکیٰ و ابکیٰ عشرۃً فلہ و لھم الجنۃ، ومن انشد فی الحسین علیہ السلام بیتا من شعر فبکیٰ و ابکیٰ تسعۃ فلہ ولھم الجنۃ، فلم یزل حتیٰ قال : ومن انشد فی الحسین علیہ السلام بیتا فبکیٰ (و اظنہ قال : او تباکیٰ) فلہ الجنۃ"

"جس شخص نے امام حسینؑ کے مصائب پر شعر سے ایک بیت پڑھا اور خود رویا اور دس دوسروں کو رلایا تو اس کے لئے اور ان رونے والوں کے لئے جنت ہے اور جس نے شعر میں سے ایک بیت پڑھا اور خود رویا اور نو آدمیوں کو رلایا تو ان سب کے لئے جنت ہے۔ پس امامؑ اسی طرح برابر کم کرتے رہے یہاں تک کہ فرمایا : کہ جس شخص نے مصائبِ حسین علیہ السلام میں ایک بیت پڑھا پس وہ خود رویا (راوی کہتا ہے میرا گمان ہے کہ امامؑ نے فرمایا : اس نے رونے کی شکل بنائی) پس اس کے لئے جنت ہے۔"

(کامل الزیارات - ص ۱۰۵، ثواب الاعمال - ص ۱۱۰)

سیدِ جلیل علی بن طاؤس طاب ثراہ نے کتاب "لہوف" میں فرمایا ہے۔

"روی عن آل الرسول علیهم السلام انهم قالوا : من بکیٰ و ابکیٰ فینا مائة فله الجنة، و من بکیٰ و ابکیٰ فینا خمسین فله الجنة، و من بکیٰ و ابکیٰ ثلاثین فله الجنة، و من بکیٰ و ابکیٰ عشرةً فله الجنة، و من بکیٰ و ابکیٰ واحداً فله الجنة"

"آلِ رسول علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : جو ہمارے مصائب میں رویا اور سو آدمیوں کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جو رویا اور پچاس آدمیوں کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جو خود رویا اور تیس آدمیوں کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جو خود رویا اور دس آدمیوں کو رلایا اس کے لئے جنت ہے اور جو خود رویا اور ایک

آدمی کو رلایا اس کے لئے جنت واجب ہے۔"

(مقدمہ بر "لہوف" - ص ۵)

کتاب "رجالِ کشی" میں مروی ہے کہ صادقِ آلِ محمد علیہ السلام نے جعفر بن عفان سے فرمایا جب کہ اس نے آنجنابؑ کی خدمتِ عالیہ میں چند اشعارِ مصیبت پڑھے اور آنجنابؑ کو رلایا تھا۔

"ولقد اوجب اللّٰہ تعالیٰ لک یا جعفر، فی ساعته الجنة باسرها، و غفر اللّٰه لک، فقال : یا جعفر، الا ازیدک؟ قال : نعم یا سیدی، قال : ما من احدٍ قال فی الحسین علیه السلام شعراً فبکیٰ و ابکیٰ به الا اوجب اللّٰه له الجنة و غفر له"

"تحقیق اے جعفر ! اللہ تعالیٰ نے اسی وقت تیرے لئے جنت کو اس کی تمام نعمتوں سمیت واجب کردیا ہے اور تیرے گناہوں کو بخش دیا ہے۔ پھر فرمایا : اے جعفر کیا تجھے مزید بتاؤں؟ عرض کیا : جی ہاں میرے مولا۔ فرمایا : جس کسی نے حسین علیہ السلام کی مصیبت میں ایک شعر کہا پس خود رویا اور اس کے ذریعے کسی کو رلایا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے لئے جنت واجب کرے گا اور اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔" (رجالِ کشی - ص ۲۸۹)

مذکورہ دعویٰ کی صداقت کے لئے اس قدر احادیث کافی ہیں اور ان تمام احادیث سے پتا چلتا ہے کہ مصائبِ اہلِ بیت علیہم السلام میں اشعار وغیرہ پڑھ کر کسی کو رلانا تقربِ خداوندی، مغفرتِ الٰہی، قیامت میں سلامتی اور جنت

الفردوس میں عیشِ جاودانی کے اسباب میں سے ہے اور یہ چیز ائمہ معصومینؑ علیہم السلام اور ان کے بعد کے زمانے ہی سے عبادات میں شمار ہوتی چلی آرہی ہے اور اس کے قصص و حکایات کتبِ احادیث و مقاتل میں موجود ہیں۔

مومنین میں سے جو لوگ ان مصائب کو بیان کرنے والے تھے ان کا کوئی مخصوص نام نہ تھا۔ یہاں تک کہ ملا حسین کاشفی نے نو سو ہجری کے اریب قریب کتاب "روضۃ الشہداء" لکھی۔ لوگ ذوق و شوق سے اس کتاب کو مجالسِ مصیبت میں پڑھتے تھے۔ اس کتاب کی فصاحت اور خصوصیات کی وجہ سے ہر کوئی اس کتاب کو پڑھنے پر قادر نہ تھا' کچھ مخصوص لوگ ہی اس کتاب کو درست طور پر مجالسِ عزاء میں پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا نام روضہ خوان یعنی کتاب روضۃ الشہداء کے پڑھنے والے مشہور ہوگیا۔

پھر اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ پڑھنے والے دوسری کتابوں کے مضامین بھی پڑھنے لگے لیکن ان کا وہ پہلا نام (روضہ خوان) بدستور رہا۔ ان لوگوں کا یہ کام دن بدن آگے بڑھنے لگا اور اصل مقصد جو رلانا تھا اس میں کئی مقدمات جیسے قصص و حکایات و اشعار و فضائل و مواعظ اور مسائلِ فرعیہ وغیرہ شامل ہوگئے۔ اور یہ ایک مخصوص اور ممتاز فن بن گیا اور اس کام نے اس قدر پیشرفت کی کہ علمائے اعلام میں سے ایک صاحب نے مزاحاً فرمایا کہ آج کل روضہ خوانی علوم میں شامل ہوگئی ہے اور ایک مستقل علم بن گئی ہے جس کی تعریف میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ۔

"علم یبحث فیہ عن عوارض اجساد الشہداء وما یتعلق بھا"

"یہ ایک علم ہے جس میں شہداء کے اجسام پر بیتنے والی باتوں اور ان کے متعلقات سے بحث کی جاتی ہے۔"

اس فن میں علمائے اعلام کے علاوہ علم سے بے بہرہ لوگوں کی جانب سے بھی عربی' فارسی' ترکی اور اردو زبان میں نظم و نثر میں بہت سے رسائل اور کتب لکھی گئی ہیں۔ اور اکثر شیعہ حضرات مجالسِ مصیبت برپا کرنے اور امام حسینؑ کے ماتم کدہ کو ترتیب دینے کے سلسلے میں کہ جس کا سربراہ اور اصل یہی روضہ خواں (ذاکر) ہوتا ہے بے اختیار اپنے اموال خرچ کرتے اور جسم و جاں سے خدمت کرتے ہیں۔ یہ لوگ (اس عمل کی جزاء کے طور پر) ثوابِ آخرت کے علاوہ اس دنیا میں اپنی اولاد اور جان و مال میں بہت سی برکات اور خیرات دیکھتے ہیں۔ اسی واسطے اکثر لوگ صدقات اور انفاق کے باقی مقامات سے گریز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ واجبات کی ادائیگی میں اموال خرچ کرنے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اگر دیتے بھی ہیں تو شوق و رغبت سے نہیں۔ مگر یہی لوگ اس موقع پر نہایت رغبت و محبت اور میلان و شوق کے ساتھ مال و جان سے خدمت کرتے ہیں۔

لیکن جو لوگ ان مجالسِ مصیبت کو نہایت انہماک سے برپا کرتے ہیں ان تمام کی خدمات سے روضہ خوان (ذاکر) کی خدمت جو ان مجالس کا رکنِ اعظم ہے کہیں اعلیٰ و اشرف ہے کیونکہ روضہ خوان ان لوگوں میں شامل ہے جن سے ائمہ علیہم السلام نے گزشتہ احادیث و اقوال میں مغفرت و جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور ان لوگوں میں بھی اس کا شمار ہوتا ہے جو نیکی و پرہیزگاری اور اعمالِ خیر بجا لانے میں مومنین کی اعانت کرتے ہیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں

ان الفاظ کے ساتھ دیا ہے : "تعاونوا علی البر والتقوی" "نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی اعانت کرو۔" (سورہ مائدہ۵- آیت۲)

پس اقوالِ ائمہؑ کے مطابق روضہ خوان (ذاکر) مصائبِ سید الشہداء سننے والوں، گریہ کرنے والوں اور مجالس کے انعقاد میں خدمت کرنے والوں کے ساتھ ثواب میں بھی برابر کا شریک اور حصہ دار ہوتا ہے بلکہ اس کا شمار امامؑ کے مخصوص خادموں اور سرفراز غلاموں میں سے ہوگا۔ لہٰذا اس منصبِ عظیم پر فائز ہونے اور اس مقامِ جلیل کے ساتھ معزز و مکرم ہونے کی وجہ سے اس کا دوسرے تمام شیعوں پر فخر کرنا بجا ہے۔

لیکن اس رتبۂ جلیلہ تک پہنچنا اور امامؑ کے خادمانِ خاص کی صف میں شامل ہونا چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے، جن میں سے دو شرائط نہایت اہم اور ضروری ہیں۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں ہی نہ پائی گئیں تو اس کی تمام تکلیفیں، محنتیں اور مشقتیں بے فائدہ اور بے ثمر ہو کے رہ جائیں گی اور اس کا نام اس مخصوص گروہ کے دفتر سے خارج کردیا جائے گا، یا بالکل لکھا ہی نہ جائے گا۔ بلکہ اس مین ان دو شرطوں کے فقدان کی صورت میں اس کا نام العیاذ باللہ تاجروں، پیشہ وروں، جھوٹوں، دھوکا بازوں، خسارہ اٹھانے والوں اور مشرکوں کے دفتر میں لکھا جائے گا۔ اور اس بہترین عبادت کے ادا کرنے کے باوجود اس کو عبادتِ خدا و خدمتگاریٔ رسولِ اسلامؐ اور ائمہ ہدیٰ سے کوئی حصہ نہ ملے گا۔

پس جو روضہ خوان ان مخصوص خادموں کی صف میں داخل ہونا چاہتا ہے اور مقامات و درجاتِ عالیہ تک پہنچنا چاہتا ہے، وہ بے انتہا ثواب و اکرام حاصل کرنے کا خواہشمند ہے جس کا ائمہ معصومینؑ نے وعدہ فرمایا ہے تو اس کے لئے

ضروری ہے کہ اس فن کو شروع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو ان دو صفات سے متصف کرے۔ اور جو میزانِ عدل علماء راسخین اور امناء شرع مبین کے ہاتھوں میں ہے اس کے ساتھ اپنا پورا موازنہ کرلے کہ آیا اس میں یہ شرائط موجود ہیں یا نہیں۔ یعنی اپنے آپ کو دیکھ لے کہ کیا مجھ میں علماء راسخین جیسا صدق اور خلوص ہے یا نہیں، تاکہ شیطان کے مکر اور نفس کے فریب سے جو بہت ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے باطل حق نظر آئے اور خطا صواب معلوم ہو، محفوظ و مامون رہے اور اپنے آپ کو مہالکِ عظیمہ میں نہ ڈالے۔

یہ دو شرائط اخلاص اور صدق ہیں۔ یہ دونوں شرائط منبر کے دو زینوں کے قائم مقام ہیں جن پر روضہ خوان بلند ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے دونوں یا ایک بے عیب اور صحیح نہ ہو تو وہ منہ کے بل گر پڑے گا اور منبر کے فیوضات سے یکسر محروم رہے گا۔ ان دونوں شرطوں کی وضاحت انشاء اللہ دو فصلوں کے ضمن میں کریں گے۔ ☆

☆ - اصل فارسی کتاب میں مجلسِ عزاء کے خطیب کے لئے روضہ خواں کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی وضاحت بھی مصنف نے اس مقدمہ میں کردی ہے۔ ہم اردو خواں قارئین کی سہولت کے پیشِ نظر روضہ خواں کی جگہ ذاکر کا لفظ استعمال کریں گے۔ (مترجم)

فصلِ اول

اخلاص

یہ بات مخفی نہیں کہ پیغمبروں کے بھیجنے اور آسمانی صحیفوں کے نازل کرنے کا اصلی مقصد مخلوقات کو خداوندِ عالم کی طرف دعوت دینا ہے۔ نیز پیغمبروں کے ذریعے لوگوں کو آیاتِ باہرہ اور معجزاتِ قاہرہ کے ساتھ یہ بتانا مقصود ہے کہ پروردگارِ عالم' احد' حکیم' مطلق' قادر' بے نیاز' خالق' رازق' حفیظ' ہر ایک کا مارنے اور زندہ کرنے والا ہے اور ان تمام صفات میں اس کی ذاتِ مقدس کا کوئی شریک نہیں۔

چنانچہ انبیائے عظام اور اوصیائے کرام صلوات اللہ علیہم نے اپنی فیصلہ کن گفتار اور بھرپور دلائل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ان صفات اور مراتب کو ظاہر و واضح کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انبیاءؑ و اوصیاء نے ان لوگوں کو اپنے فرامین کا مطیع کیا۔ ان میں اپنی باتوں پر ایمان پیدا کیا۔ اپنی تصدیق کرائی اور اپنے احکام منوائے۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری رکھا اور جو احکام لوگوں سے منوانے تھے ان پر خود بھی عامل رہے' تکلیفیں اٹھائیں' ناشائستہ الفاظ سنے' مصیبتیں دیکھیں اور جان و مال کی قربانیاں صرف اس لئے دیں تاکہ لوگ اپنے پروردگار کی معرفت

حاصل کریں اور اپنے آپ کو اس کا عاجز' ذلیل اور محتاج بندہ سمجھیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خالق و رازق اور محافظ نہ جانیں' اپنی حاجتیں اسی سے طلب کریں' مصیبت کے ٹلنے کی دعا اسی سے مانگیں' اگر گناہ کریں تو معافی اور درگزر کے لئے اسی کے آگے زاری کریں۔

جن لوگوں نے ان کی باتوں پر یقین کیا اور ان کی پیروی کی ان کے لئے کچھ اعمال اور آداب مقرر کئے' ان میں سے بعض اعمال دل سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں۔ تاکہ لوگ ان اعمال و آداب کے ذریعے اظہارِ بندگی کریں' عجز و اضطرار اور اپنے فقر کا اعتراف کریں' اس سے اپنی حاجت طلب کریں اور اپنے پروردگار کا حقِ ربوبیت ادا کریں۔ اس عمل کو لسانِ شرع میں عبادت کہتے ہیں۔ اس کے حقیقی معنی پرستش اور بندگی کے ہیں۔ یہ عبادت اس وقت تک درست اور کامل نہیں ہوتی جب تک کہ عابد اپنے آپ کو بندہ نہ سمجھے اور اس عبادت میں اپنی عبودیت کو مدِ نظر نہ رکھے۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان عبادت کرتا ہے اور اللہ کی مشیت پر راضی رہتا ہے مگر عبودیت کے معنی اس کے دل میں جاگزیں نہیں ہوتے اور وہ خود کو صحیح طور پر خدا کا بندہ نہیں سمجھتا۔ لہٰذا گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا' سرکشی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے کہ خود کو خدا کا بندہ سمجھتا ہے لیکن عبادت میں غفلت کرتا ہے۔ اس بات کو ہم نے تفصیل کے ساتھ اپنے مقام پر عابد' عبد' عبادت اور عبودیت کی بحث میں بیان کیا ہے۔

پس عابد کے لئے ضروری ہے کہ ان دونوں مراحل میں کسی کو خداوندِ عالم کا شریک نہ بنائے۔ یعنی خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کرے اور اپنے آپ کو اللہ

تعالیٰ کے سوا کسی کا بندہ نہ سمجھے۔ اس کے سوا کسی کو اپنا معبود قرار نہ دے اور نہ ہی اس کے سوا کسی کو مالک جانے۔ اور آیہ مبارکہ "ایاک نعبد" کی تلاوت کے وقت ہر دو مقامات (عبادت اور عبودیت) کی طرف متوجہ رہے اور اس دعویٰ میں اپنے آپ کو کاذب نہ ٹھہرائے۔ جو اپنی زبان سے کہے وہی اس کے قلب کی گہرائیوں میں ثابت اور راسخ ہو' جو بات دل میں رکھتا ہے اور زبان سے کہتا ہے اس کا کردار اس کے مطابق ہو۔

پس اگر کوئی آدمی کسی مخلوق کی پرستش اس طرح کرے کہ اس پرستش میں اس کا داعی اور محرک وہی مخلوق ہو تاکہ اس کے دل میں اپنی جگہ بنائے اور وہ اس عابد سے راضی و خوشنود ہوجائے' یا وہ اسے کوئی مالی فائدہ پہنچائے تو گویا اس آدمی نے اسے اپنے پروردگار کی عبادت میں شریک کرلیا ہے اور مشرکین کی ایک قسم میں داخل ہوگیا ہے۔ اس مفہوم کی کتاب و سنت میں انتہائی وضاحت ہے' ساتھ ہی عقل سلیم بھی اس کی گواہی دیتی ہے۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے عمل کو جائز سمجھنا معقول نہیں ہے کیونکہ یہ چیز پیغمبروں کے بھیجنے' کتبِ مقدسہ کے نازل کرنے اور انبیاء علیہم السلام کے مقاصد کی اصلی غرض کے سراسر منافی ہے اور کسی دانا آدمی سے ایسا کام صادر نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسے عمل کو جائز سمجھ بھی لیا جائے تو معقول نہیں کہ اس عمل کے لئے کوئی ثواب ہو اور نہ ہی اس کا انجام دینے والا کسی اجر کا مستحق ہوسکتا ہے۔

(ذاکری عبادت ہے)

پس اس مقدمہ کی تمہید کے بعد ہم یہ کہیں گے کہ کسی دانا اور عقلمند آدمی پر

یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مصائبِ آلِ محمد علیہم السلام پر شیعوں کو رلانا اور مومنین سے گریہ کرانا بھی خود رونے کی طرح عباداتِ موکدہ اور پسندیدہ مستحبات میں سے ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس کا حکم بھی فرمایا ہے اور مومنین کو رلانے پر تحریص و ترغیب بھی دلائی ہے اور اس عمل کے لئے بہترین اجر اور ثواب بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا تمام صاحبانِ تکلیف اس حکم میں شامل ہیں اور ہر ایک کے لئے اپنی استعداد اور قوت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے' اور اس فرمان کے ماننے کے بعد وہ ثواب کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ ان مصائب پر رونا اعظم عبادات اور اجل مثوبات میں سے ہے اور تمام لوگ اس کے پابند ہیں۔ یعنی رلانا بھی رونے ہی کی مانند ہے اور ہر کوئی اس کا ثواب لے سکتا ہے۔

یہ دونوں چیزیں (مصائبِ اہلِ بیتؑ پر رونا اور رلانا) عبادت کی ایک ہی صنف میں سے ہیں اور ایک منبع سے نکلتی ہیں۔ البتہ رو ہر شخص سکتا ہے لیکن دوسروں کو رلانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور یہ عمل محنت و مشقت سے خالی نہیں۔ لہٰذا وہ مخصوص گروہ جو خطیب اور ذاکر کے نام سے موسوم ہے دامنِ ہمت کمر پر باندھ کر اس بہترین سنت کے علَم کو بلند کرتا ہے اور اس بہترین عبادت میں اپنی زندگی کھپاتا ہے۔

البتہ انہیں جاننا چاہئے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ یہ عبادت بھی دوسری عبادات کی طرح ہے۔ اور یہ عمل اس وقت عبادت محسوب ہوگا جب اس کے بجا لانے کے وقت رضائے خدا اور جناب رسالت مآبؐ و ائمۂ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی خوشنودی کے سوا ان کی اپنی کوئی غرض اور مقصد نہ ہو۔ اور

اگر کوئی مقصد ہو بھی تو وہ صرف اسی موعود ثواب کا حصول اور مہلک گناہوں سے پاک ہونا ہو' اور یہ بات اخلاصِ عمل کے منافی نہیں۔ چنانچہ یہ پورا عمل اطاعتِ باری تعالیٰ کے واسطے ہے۔ پس اس کے ذریعہ ثواب پائے گا اور گناہوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔

یہ منبر کے زینۂ اول کی مانند ہے۔ یعنی جب وہ منبر پر قدم رکھے تو اس کو چاہئے کہ ذاتِ پروردگار اور انبیاء کرام اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے سوا ہر کسی کو فراموش کردے' کسی کی طرف نہ دیکھے' کسی کی جستجو میں نہ ہو۔ چہ جائیکہ کسی کا دل جیتنے کے لئے' کسی سے مال کے حصول کے لئے منبر پر جائے اور گفتگو کرے' مصائب بیان کرے اور لوگوں کو رلائے۔

پس اگر نعوذ باللہ شیطان نے اس کے قدم لڑکھڑا دیئے اور خواہشِ نفس نے اسے دنیا کے آلودہ دامن کی طرف کھینچ لیا اور وہ منبر پر اس لئے آیا تاکہ مال بنا سکے' لوگوں کے دلوں کو جیت سکے اور اطرافِ عالم میں اس کے فضل و کمال کی شہرت ہوجائے' لوگوں میں اس کی گفتار و کلام کا چرچا ہو' خطیب اور ذاکر کہلائے وہ اگر ان مقاصد کو لے کر اٹھے گا تو اپنے آپ کو ایسی ہلاکت میں ڈالے گا جس سے کبھی نجات کی امید نہیں ہوسکتی۔ اور یہاں ہم ان میں سے بعض کی جانب اشارہ کریں گے۔

(ذاکری میں ریا کے خطرات)

اول : یہ کہ اس غرضِ فاسد کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو ان فیوضات اور ثواب سے محروم کرلیا ہے جو ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس گروہ (واعظین و

ذاکرین) کے لئے بیان فرمائے ہیں۔ نیز اس نے دنیا کے سڑے ہوئے مردار کے حصول اور لوگوں کی نگاہوں میں نیک نامی چاہنے اور ریا جیسی غرضِ فاسد کی وجہ سے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی بے نقص و بے عیب نعمتوں کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے۔ کیونکہ یہ بات واضحاتِ دینِ مبین میں سے ہے اور ہم اجمالاً بیان بھی کرچکے ہیں کہ ثواب اور آخرت کی نعمتیں خداوندِ عالم کی عبادت اور بندگی کے بدلہ میں ہیں اور عبادت بغیر خلوص کے عبادت ہی نہیں ہے بلکہ ایسی عبادت شرکِ خفی میں شمار ہوتی ہے۔

ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے جامع کافی کے باب "المستاكل بعلمه والمباهي به" میں امام ابو عبداللہ جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"من اراد الحديث لمنفعة الدنيا لم يكن له في الآخرة نصيب، ومن اراد به الآخرة اعطاه الله خير الدنيا والآخرة"

"جو شخص منفعتِ دنیا کے لئے حدیث کو یاد کرے اور اس غرض سے دوسروں کو سنائے کہ اس کے ذریعے اس کے ہاتھوں میں مال آئے، تو آخرت میں اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ اور جو کوئی حدیث کی تعلیم و تعلم سے خیرِ آخرت کا قصد کرے گا تو خداوندِ عالم اسے خیرِ دنیا و خیرِ آخرت دونوں عطا فرمائے گا۔" (کافی۔ج ۱۔ص ۴۶)

نیز انہوں نے اسی روایت کے پہلے فقرے کو اسی مقام پر ایک دوسری سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

شیخِ فقیہ محمد بن ادریس حلیؒ نے کتاب "السرائر" میں ابی القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے جناب ابی ذر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

"من تعلم علما من علم الآخرة يريد به عرضاً من عرض الدنيا لم يجد ريح الجنة"

"جو شخص علومِ آخرت میں سے کسی علم کو متاعِ دنیا کے حصول کے لئے حاصل کرے گا تو وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا۔"

(السرائر (مستطرفات)۔ج ۳۔ص ۶۳۶)

شیخ ابنِ جمہور احسائی نے کتاب "عوالی اللئالی" میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"من اخذ العلم من اهله و عمل به نجا، ومن اراد به الدنيا فهو حظه"

"جس شخص نے اہلِ علم سے علم حاصل کیا اور اس علم کے مطابق عمل کیا، اس نے نجات پائی اور جس نے (اس علم کے ذریعے) تحصیلِ دنیا کا قصد کیا تو اسے اس علم سے وہی ملے گا جس کا اس نے قصد کیا اور جسے حاصل کرلیا (یعنی اب آخرت میں اس کا کوئی حصہ اور نصیب نہ ہوگا۔)" (عوالی اللئالی۔ج ۴۔ص ۷۷)

سلیم بن قیس ہلالی نے جو کہ اصحابِ امیرالمومنین علیہ السلام میں سے ہیں اسی مضمون کو اپنی کتاب میں آنجنابؑ سے اس اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

"ومن ارادبه الدنیا هلک وهو حظه" (کتابِ سلیم۔ ص ۱۶۱)

اور اس اضافہ کا ماحصل یہ ہے کہ آخرت میں کوئی حصہ نہ پانے کے علاوہ اس معاملہ کی وجہ سے ہلاک بھی ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے علمِ دین دیا اور اس کے بدلہ میں مالِ دنیا لیا' جیساکہ آگے اس کی شرح آئے گی اور اس مضمون پر بہت سی اخبار و احادیث آئی ہیں۔

دوم : وہ اس جماعت میں داخل ہوجائے گا جنہوں نے آلِ محمد علیہم السلام کو اپنی تجارت کا سرمایہ بنایا ہوا ہے اور ان کے ذریعہ (مالِ دنیا) کماتے ہیں اور اپنی معاش کا بندوبست کرتے ہیں۔

شیخ معظم کلینیؒ نے کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اپنی وصیتوں کے ضمن میں ابی نعمان سے فرمایا :

"ولا تستاکل الناس بنا فتفتقر"

"ہمارے ذریعہ لوگوں کے مال نہ کھا' پس تو محتاج ہوجائے گا۔"

(کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۳۸)

ظاہراً یہاں فقر سے مراد دنیا و آخرت دونوں مقاموں میں محتاجی ہے جیساکہ آگے آنے والی "مفضل" کی روایت سے معلوم ہوجائے گا اور شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں اسی حدیث کو اس عبارت میں روایت کیا ہے۔

"یا ابا النعمان' لا تستاکل بنا الناس فلا یزیدک الله بذالک الا فقرا"

"اے ابونعمان تو ہمارے ذریعہ لوگوں کے اموال کو نہ کھا۔ اگر ایسا کرے گا تو اللہ اس کمائی کے ذریعہ تیرے فقر اور پریشانی کے سوا کسی چیز

میں اضافہ نہ کرے گا۔" (امالیٔ مفید۔ مجلس ۲۳۔ ص ۱۸۲)

شیخ کشی نے اپنی رجال میں قاسم بن عوف سے روایت کی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اس سے فرمایا :

"وایاک ان تستاکل بنا فیزیدک الله فقرا"

(رجالِ کشی۔ ص ۱۲۴)

اس روایت کا مضمون بھی پہلی روایت ہی کی مانند ہے۔

اور شیخ جلیل حسن بن علی بن شعبہ نے کتاب "تحف العقول" میں روایت کی ہے کہ مفضل بن عمر نے اپنے اصحاب سے وصیت کی اور کہا۔

"لا تاکلوا الناس بآل محمد علیهم السلام فانی سمعت ابا عبدالله علیه السلام یقول : افترق الناس فینا علی ثلاث فرق : فرقة احبونا انتظار قائمنا لیصیبوا من دنیانا' فقالوا وحفظوا کلامنا' و قصروا عن فعلنا فسیحشرهم الله الی النار۔ و فرقة احبونا' و سمعوا کلامنا ولم یقصروا عن فعلنا لیستاکلوا الناس بنا فیملاء الله بطونهم نارا' یسلط علیهم الجوع والعطش۔ و فرقة احبونا' و حفظوا قولنا' واطاعوا امرنا' ولم یخالفوا فعلنا' فاولئک منا ونحن منهم"

"آلِ محمد علیہم السلام کے ذریعہ لوگوں کے مال نہ کھاؤ کیونکہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپؑ فرماتے تھے : ہمارے

بارے میں لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہوں گے۔ ایک گروہ ہمیں ہمارے قائمؑ کے انتظار کی وجہ سے دوست رکھے گا تاکہ وہ ہماری دنیا سے بہرہ ور ہوں (یعنی ہماری محبت سے ان لوگوں کی غرض یہ ہوگی کہ وہ ہماری سلطنت کے زمانہ میں عیش پرستی اور خوشگوار زندگی بسر کریں گے۔) پس (یعنی وہ اپنے آپ کو شیعہ کہلائیں گے اور ہم سے محبت رکھیں گے۔) ہمارے اقوال کو حفظ کریں گے لیکن ہمارے افعال میں کوتاہی کریں گے (یعنی ہمارے کردار کی پیروی نہ کریں گے) پس خدا جلد ان کو دوزخ کی طرف محشور کرے گا۔ اور ایک فرقہ ہمیں دوست رکھے گا اور ہمارے اقوال کو سنے گا اور ہمارے کردار (کی پیروی) سے اس لئے کوتاہی نہ کرے گا کہ ہمارے ذریعہ لوگوں کے اموال کھائے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے شکموں کو نارِ جہنم سے پُر کرے گا اوران پر بھوک اور پیاس مسلط کرے گا۔ اور ایک فرقہ ہمیں دوست رکھے گا اور ہمارے اقوال کو یاد کرے گا اور ہمارے حکم کی اطاعت کرے گا اور ہمارے افعال کی مخالفت نہ کرے گا (یعنی ان کی رفتار و گفتار ہمارے جیسی ہوگی۔) پس یہ لوگ ہم سے ہوں گے اور ہم ان سے (یعنی یہ لوگ ہمارے حقیقی پیروکار اور محب ہوں گے اور ہم ان کے پیشوا اور امام ہوں گے۔)" (تحف العقول۔ص ۵۱۴)

مرحوم آخوند ملا محمد صالح مازندرانی وغیرہ نے شیخ کلینیؒ کے اس کلام کی شرح میں جس میں انہوں نے علم کو فروخت کرنے والوں کے باب میں ارشاد فرمایا ہے اور ان کی مذمت میں روایات نقل کی ہیں یوں فرمایا ہے کہ : اس سے مراد وہ

شخص ہے جو لوگوں کے اموال کھانے کے واسطے علم کو آلہ وذریعہ قرار دیتا ہے اور دنیا کمانے اور اپنی معاش کو وسعت دینے کے لئے اس علم کو سرمایہ بناتا ہے۔(شرح اصولِ کافی۔ ج ۲۔ ص ۱۸۴' وافی۔ جزء ۱۔ ص ۵۱۔ تعلیقہ میرداماد ۔ص ۹۹)

خصوصاً فرقۂ دوم کی آگ کے شعلوں نے بہت سے اہلِ علم کے دامن کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے اور ان کی واضح مثال اور معلوم مصداق خطیبوں اور ذاکروں کا وہ گروہ ہے جس کے اس فن کو سیکھنے' مواعظ' خطب' روایات' فضائل اور مصائب میں سے جو کچھ ذاکری سے متعلق ہے' بلکہ بعض ایسے دینی مسائل جن سے ان کی اصطلاح کے مطابق گریز کی گنجائش نہیں کو سیکھنے کی اصل غرض و غایت صرف اور صرف مال و دولت کا حصول اور بغیر کسی ستر اور تقیہ و توریہ کے مالِ دنیا حاصل کرنا ہے۔ بلکہ یہ لوگ پیشہ ورانہ انداز میں تاجروں کی طرح معاملہ کرتے ہیں۔ معاوضہ کی کمی بیشی کے مسئلہ پر بحث و گفتگو کرتے ہیں۔ مجالس میں جانے کی اجازت اور اپنی متاع گاہکوں کی خدمت میں پیش کرنے کی غرض سے دلالوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں' رقعہ لکھتے ہیں اور جانے کے بعد بے اجازت یا بااجازت پڑھنے کے بعد اگر حسبِ دلخواہ معاوضہ نہیں پاتے تو غصہ کرتے ہیں' صاحبِ مجلس کی بُرائیاں کرتے ہیں' اسے رسوا کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بلکہ بعض بدفطرت تو بالائے منبر سوال کرتے ہیں' بانی طلب کرتے ہیں اور جو کچھ پڑھتے ہیں اس کا سودا کرتے ہیں۔

اور عجیب مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اس کسب و تجارت اور آخرت کے بدلے دنیا کے حصول کے باوجود مجالس و محافل میں اور بالائے منبر فخریہ اپنے

آپ کو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے خادمانِ خاص میں سے شمار کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو تمام لوگوں پر حقوقِ عظیمہ کا حقدار اور ہر لحاظ سے توقیر و اکرام اور تعظیم و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کبھی منبر پر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ میرے آقا حسینؑ نے اس طرح کیا' اس طرح فرمایا اور تم سے یہ فرماتے ہیں۔

یہ بے چارہ اس بات سے لاعلم اور غافل ہوتا ہے کہ اس کے اور سرکار سید الشہداءؑ کے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اس کے اور ان کے درمیان زمین و آسمان کے فاصلہ سے بھی زیادہ دوری ہے۔ اس کی قدر و مرتبت تو حمال اور سبزی فروش جیسے پیشہ وروں سے بھی پست تر ہے۔ اور ان کا نام بھی کاسبین کی فہرست میں درج ہے اور انہیں چاہئے کہ ان کی طرح ہر سال اپنی تجارت کے منافع کا حساب کریں اور شرع کے مقرر طریقہ پر خمس نکالیں اور اس خمس کو اس کے مناسب مقام تک پہنچائیں تو اس کے باوجود بھی ان کا یہ کام دیگر تمام کاسبین کے کام اور کسب سے خراب تر ہے۔ کیونکہ ایسے کاسبین (حمال و سبزی فروش وغیرہ) کا کسب حلال ہے اور کسبِ حلال صنفِ عبادت میں سے نہیں ہے لہٰذا اس کی صحت اخلاص اور قصد قربت کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ پس اگر ان کاسبین (حمال و سبزی فروش وغیرہ) کا سرمایہ تمام محرماتِ شرعیہ سے پاک ہو اور اس کسب میں کوئی شرعی ممانعت بھی نہ ہو تو ایسے کاسب کا یہ کسب مباح ہو گا اور اس پر کوئی گناہ بھی نہ ہو گا بلکہ اگر یہ قصد ہو کہ اس کسب کے ذریعہ مال حاصل کر کے بیت اللہ الحرام اور ائمہ انامؑ کی زیارت کروں گا' سادات و علماء اور فقراء کی اعانت کروں گا' عیال کے معیارِ زندگی کو وسعت دوں گا' یا اسی قسم کے دیگر مستحباتِ مالیہ اور اعمالِ خیریہ کا قصد رکھتا ہو تو ماجور ہو گا' ثواب پائے گا۔

مگر خطباء و ذاکرین کا شغل علومِ دینی کے طالب علموں کی طرح عبادات میں شمار اور قرباتِ خداوندی میں مندرج ہے اور یہ شغل دو چیزوں پر منحصر ہے۔ اگر اس میں قربت اور اخلاص پایا گیا تو یہ کام خیرِ عظیم ہو گا اور اگر اس میں دنیاوی مال و جاہ کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہوا تو خسرانِ عظیم ہو گا۔ کیونکہ اسے یہ گرانقدر سرمایہ تجارت آخرت و رضائے خداوندی اور نعیمِ جنت پانے کے لئے مرحمت فرمایا گیا ہے' نہ کہ اس کے ذریعہ دنیا کا مال کمائے اور کھوٹا دنیاوی سامان حاصل کرے۔

پس اس بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے محض فضائل و مناقب اور حالات و مصائب ذکر کرنے سے کوئی شخص حضورؑ کی نوکری کا منصب اور خادمِ خاص ہونے کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ورنہ ہر وہ شخص جو تجارت کے لئے کتبِ فضائل و مقاتل طبع اور شائع کرتا ہے بلکہ کرایہ لینے والے جو کرایہ حاصل کرنے کے لئے ان کتب کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرتے ہیں اور وہ قلی جو روپیہ لینے کے لئے کتابوں کو دکان سے مکان تک اٹھالے جاتے ہیں یہ سب کے سب حضور سید الشہداءؑ کے خاص خادموں اور ان کے خدمت گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔

خطیب اور ذاکر اس وقت سید الشہداءؑ کے خادمانِ خاص کی صف میں شامل ہو گا جب اس کا بیان اللہ رب العزت کے لئے اور اس کے اولیاء (انبیاءؑ و ائمہ معصومینؑ) کے حق کو ادا کرنے کے واسطے ہو' ورنہ اس کی حیثیت ایسے تاجر کی سی ہو گی جو فضائل و مصائب کو سرمایہ بنا کے مشغولِ تجارت ہوا ہو۔ ایسی صورت میں خدا اور رسولؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام پر اس کا کوئی حق نہ

ہوگا اور نہ اس کی یہ خدمت ان ذواتِ مقدسہ میں سے کسی کے لئے ہوگی اور نہ اس کا یہ عمل ان بزرگوں کی تابعداری میں ہوگا۔ پس اس لحاظ سے اس کو خادمِ خاص ہونے کا رتبہ کیسے مل سکتا ہے؟ اور یہ افتخار کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے؟

چنانچہ متقی اور دیانت پیشہ خطیبوں اور ذاکروں کو چاہئے کہ اس قسم کی تجارت کے جواز اور اپنی تقریر پر معاوضہ کے حلال ہونے کے متعلق اپنے مقلد مجتہدین سے دریافت کریں۔ تاکہ اسے مندرجہ صورتوں میں سے جن کو اس زمانے میں اس کی طرح کے دیگر ذاکرین اور خطیب جائز اور مستحب سمجھتے ہیں کوئی جائز صورت مل جائے۔

(ذاکری کی اجرت لینے کے جواز کی راہیں)

آیا یہ معاملہ بھی ان امور کی طرح ہے جن میں "موجر" (اجرت دے کر نائب سے عبادت کرانے والا) کی نیابت کے بدلے اجرت ہوتی ہے؟ جیسے کہ دوسرے آدمی کی طرف سے زیارت یا حج اجارہ پر کئے جانے والے معاملے میں کہتے ہیں کہ زیارت یا حج میں اجرت نیابت کے بدلہ میں ہوتی ہے، نفسِ عمل (زیارت یا حج) کے بدلے میں نہیں۔ پس اس صورت میں اجیر کو چاہئے کہ ابتداء عمل میں ہی یہ قصد کرے کہ میں اپنے اس موجر کا نائب ہوں جس نے اس لئے مجھے اجرت دی ہے کہ میں اس کی طرف سے بہ قصدِ نیابت زیارت یا حج کروں، یا مجلس پڑھوں۔

پس درحقیقت اس لحاظ سے وہ جو کچھ لے رہا ہے وہ اس عمل میں نیابت کے بدلہ میں ہوگا جس کی ادائیگی کے لئے اس نے اپنے آپ کو دوسرے آدمی کا

نائب بنایا ہے۔ للذا اس کے قصدِ نیابت کی وجہ سے اس طرح ہو جائے گا کہ گویا اجرت دینے والا اپنے نائب کے توسط سے خود زیارت و حج بجا لا رہا ہے یا مجلس پڑھ رہا ہے۔

بنا بر ایں عملِ زیارت و حج یا ابکاء (مومنین کا رلانا) جو کہ خطیب اور ذاکر کا عمل ہے اجیر اور نائب کی طرف سے قصدِ قربت کی نیت سے ہونا چاہئے تاکہ وہ عمل جسے غیر کی طرف سے کر رہا ہے وہ اس سے بطورِ عبادت واقع ہو اور اجرت کا بھی مستحق ہو سکے۔ اور اگر کبھی وہ عمل اجیر سے بطورِ عبادت اور بہ قصدِ قربت واقع نہ ہو تو وہ کسی صورت میں بھی اجرت کا مستحق نہ ہو سکے گا۔

یا یہ کہ خطیب اور ذاکر کی اجرت اس نفسِ عمل کے مقابلہ میں ہوگی جس میں شارع مقدس کے حکم کی اطاعت میں ابکاء کو بجا لا رہا ہے۔ چاہے اس میں کسی موجر کی طرف سے قصدِ نیابت ہو یا نہ ہو۔

یا یہ کہ اس عمل پر اجرت کا لینا مطلقاً اور پہلی صورتوں سے عام ہو اور وہ اس طرح کہ قصدِ قربت کے بغیر پڑھے اور اس میں شرع کے حکم ابکاء کی تابعداری مقصود نہ ہو۔ پس انہی چند مخصوص فقرات کا پڑھنا اس کی اجرت کے لئے کافی ہے اور یہ اجرت اس کے نفسِ عمل کے مقابلہ میں ہے کہ کبھی اس کا پڑھنا دوسروں کے گریہ کا سبب بن جائے بغیر یہ لحاظ کئے ہوئے کہ اس کا یہ پڑھنا عبادت میں شمار ہو۔

خلاصہ یہ کہ ان تمام صورتوں میں بہت سی باتیں اور طولانی بحثیں ہیں اور اس قسم کی چیزیں فقہاء اعلام کی گفتگو کا مقام ہیں۔

چنانچہ اپنی اس گفتگو کا ایک حصہ اذان کہنے پر اجرت لینے کے مسئلہ کے

بارے میں مخصوص کرتے ہیں۔ جو کہ مستحبات میں سے خطابت اور ذاکری کی مثل و نظیر ہے۔

اگرچہ بعض علماء نے بعض صورتوں میں اذان پر اجرت لینے کے جواز کی تصریح بھی فرمائی ہے لیکن علمائے اعلام کے درمیان مشہور قول یہ ہے کہ اذان پر اجرت لینا حرام ہے اور اس بارے میں بہت سے اخبار و احادیث بھی پائی جاتی ہیں۔

ثقۃ الاسلام کلینی علیہ الرحمہ نے کافی میں اور شیخ طوسی طاب ثراہ نے تہذیب میں بہت سی معتبر اسناد کے ساتھ حضرت ابو جعفر (یعنی امام محمد باقر علیہ السلام) سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"اجرت پر اذان کہنے اور نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی شہادت مقبول ہے۔"

(کافی۔ج۷۔ص۳۹۶، تہذیب۔ج۶۔ص۲۴۳)

اور شیخ صدوق نوراللہ مرقدہ نے اسی روایت کو صحیح سند کے ساتھ کتاب "فقیہ" میں نقل کیا ہے۔ لیکن اس جگہ مذکور ہے کہ "ایسوں کے ساتھ نماز پڑھنے" سے مراد ان لوگوں کا نماز کی امامت کرنا ہے۔ (من لا یحضرالفقیہ۔ج۳۔ص۴۳)

نیز شیخ صدوق قدس اللہ سرہ نے کتاب فقیہ میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ :

"ایک شخص آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی : اے امیرالمومنینؑ ! خدا کی قسم میں آپؑ کو خداوندِ عالم کی خوشنودی کے لئے دوست رکھتا ہوں۔ پس حضرتؑ نے اس سے فرمایا : لیکن میں تجھے خدا کی خوشنودی کے لئے دشمن رکھتا ہوں۔ اس نے عرض کیا : کیوں؟ فرمایا : اس لئے کہ تو اذان میں اپنے لئے کسب طلب کرتا ہے۔ (یعنی تو طلبِ مال کے لئے اذان کہتا ہے۔)"

(من لا یحضرالفقیہ۔ج۳۔ص۱۷۸)

اور شیخ طوسی عطر اللہ مرقدہ نے اسی روایت کو کتاب "تہذیب" میں اس اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ فرمایا۔

"اور تو تعلیمِ قرآن پر اجرت لیتا ہے اور میں نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا : جس شخص نے تعلیمِ قرآن پر اجرت لی تو قیامت میں اس کا وہی حصہ ہوگا جو لے چکا ہے۔" (تہذیب۔ج۶۔ص۳۷۶)

نیز شیخ علیہ الرحمہ نے اسی کتاب میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"آخری چیز جس پر میں نے اپنے اس دلی دوست (یعنی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مفارقت کی یہ تھی کہ فرمایا : اے علیؑ ! جب تو نماز پڑھائے تو اپنے پیچھے کھڑے ہونے والے یعنی ماموین میں سے کمزور ترین شخص کی طرح نماز پڑھنا اور اس آدمی کو مؤذن نہ بنانا جو اذان کہنے پر اجرت لیتا ہو۔"

(تہذیب۔ج۲۔ص۲۸۳، من لا یحضرالفقیہ۔ج۱۔ص۲۸۳)

اور کتاب "جعفریات" میں شیخ صدوق علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ علماء

نے مؤذن کی اجرت کو اقسامِ مالِ حرام میں سے شمار کیا ہے۔ جیسے مردار وغیرہ کی قیمت (جعفریات - ص ۱۸۰) اور ان کے علاوہ بہت سی اخبار و احادیث اپنے مقام پر ثبت ہیں۔

خطیب اور ذاکر کی مؤذن کے ساتھ مشابہت بہت واضح ہے۔ کیونکہ مؤذن مومنین کو اس وقت کی خبر دیتا ہے جب انہیں خداوندِ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دینی ہے' مؤذن اس بہترین عمل یعنی نماز کا وقت ہوجانے کی اطلاع دیتا ہے جو رستگاری اور اس آتشِ جہنم کے خاموش کرنے کا سبب ہے جو لوگوں نے اپنے گناہوں کے ذریعے روشن کی ہوئی ہے۔ اور اس کے علاوہ نماز کے اور بھی دینی فضائل اور اُخروی آثار ہیں۔ یہاں تک کہ نماز مومن کی معراج ہے۔

اسی طرح خطیب اور ذاکر بھی مومنین کو ائمہ معصومینؑ کے فضائل و مناقب اور مصائب سے مطلع کرتا ہے اور اس عمل کا وقت (محرم الحرام و اربعین وغیرہ) آنے کی اطلاع دیتا ہے جو خداوندِ عالم کے تقرب اور رسول اللہؐ و ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی خوشنودی' دنیا و آخرت کے شدائد سے نجات اور آتشِ جہنم کے دریاؤں کے پانی ہونے کا ذریعہ اور سبب ہے۔ یعنی آلِ محمد علیہم السلام کے مصائب پر رونا۔

چنانچہ اذان تمام لوگوں پر مستحب ہے لیکن اکثر آدمیوں پر شاق ہے۔ جیسے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے کہ : "اما انہ لن یعدو وضعفائکم" (جعفریات - ص ۲۴۵) پس اس مستحب کو ادا کرنے کے لئے مومنین میں سے ایک جماعت آمادہ ہوگئی ہے اور دوسروں کو اس کی ادائیگی سے سبکدوش کردیا ہے۔ اسی طرح مومنین کو رلانا بھی ہے۔ جیسا کہ ہم

نے اس بات کی پہلے بھی وضاحت کی ہے۔

بہرحال ایک متدین کاسب ذاکر و خطیب کا فریضہ یہ ہے کہ اپنے اس عمل پر اجرت لینے کے بارے میں اس عالم مجتہد کی طرف رجوع کرے جس کی تقلید پر اس نے اپنے عمل کی بنا رکھی ہوئی ہے۔ اور اس قسم کے کسب کی حلال قسم کو اپنے مجتہد سے معلوم کرے۔ اور جس قسم کے متعلق وہ فرمائیں اس پر عمل کرے تاکہ کسبِ حرام اور مالِ حرام کے انجام سے محفوظ رہے۔ اور اب جب کہ اس نے اپنے آپ کو اس کسب کے ذریعے بہت سی فیوضاتِ اُخرویہ سے محروم کرلیا ہے' آخرت میں اس کے عذاب میں خود کو مبتلا نہ کرے۔

سوم : ان مہالک میں سے تیسرا یہ ہے کہ اس جماعت میں ایسے لوگ داخل ہوگئے ہیں جنہوں نے اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے فروخت کردیا ہے۔

شیخِ جلیل جعفر بن احمد قمی علیہ الرحمہ نے کتاب "غایات" میں روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

"شر الناس من باع آخرته بدنیاہ' و شر من ذالک من باع آخرته بدنیا غیرہ"

"لوگوں میں سے بدترین وہ شخص ہے جس نے اپنی دنیا کے بدلے اپنی آخرت کو فروخت کردیا اور اس سے بھی بدترین شخص وہ ہے جس نے دوسرے کی دنیا کے بدلے اپنی آخرت کو فروخت کردیا۔" (غایات' جامع الاحادیث کے مجموعہ کے ضمن میں - ص ۲۱۹)

کیونکہ اس طرح سے اس کا اپنا دین گیا اور دنیا دوسرے کے ہاتھ میں آئی۔

اور یہی مضمون متعدد اخبار و احادیث میں موجود ہے اور اس سے قریب وہ

روایت ہے جو شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کتاب "عقاب الاعمال" میں نقل کی ہے کہ آنحضورؐ نے اپنے آخری خطبہ میں فرمایا :

"ومن عرضت لہ دنیا و آخرۃ فاختار الدنیا و ترک الآخرۃ لقی اللہ ولیست لہ حسنۃ یتقی بھا النار"

"ایسا شخص جس پر دنیا و آخرت پیش کی جائے اور وہ دنیا کو منتخب کرلے اور آخرت کو چھوڑ دے۔ تو وہ دربارِ خداوندی میں ایسی حالت میں پیش ہوگا کہ اس کے پاس کوئی ایسی نیکی نہ ہوگی جس کے ذریعہ وہ آتشِ جہنم سے بچ سکے۔" (عقاب الاعمال۔ ص ۳۳۴)

اور "نہج البلاغہ" و "ارشاد" شیخ مفید اور "امالی" وغیرہ میں مروی ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے صحابی کمیل کو طالبانِ علم کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"بلی اصبت لہ لقنا غیر مامون یستعمل آلۃ الدین فی طلب الدنیا"

"ہاں ! کوئی تو ایسا ملا جو ذہین تو ہے مگر خائن ہے اور جو دنیا کے لئے دین کو آلۂ کار بنانے والا ہے۔" (نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار نمبر ۱۴۷، کتاب الارشاد۔ ص ۱۲۱، امالی مفید۔ مجلس ۲۹۔ ص ۲۴۹)

ان اخبارِ شریفہ اور ان جیسی دیگر روایات و احادیث کا مطلب ایک ہی ہے۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ کبھی تو آدمی مال حاصل کرنے کے لئے اپنی آخرت

کو دنیا کے بدلے فروخت کردیتا ہے اور کبھی منصب حاصل کرنے کے لئے اپنی آخرت کو فروخت کرکے اپنے دین و عقیدے سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جیسے بعض کمزور لوگ بڑے آدمیوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے یا ان سے مال لینے کے واسطے اپنے مذہب سے دستبردار ہو کر مذہبِ کفر اختیار کرلیتے ہیں۔ جس طرح عمر ابنِ عاص، جس نے مصر کی گورنری کے لئے امیرالمومنینؑ کی نصرت و دوستی سے ہاتھ کھینچا اور انہوں نے اس کے دنیا کے واسطے دین کو فروخت کرنے پر بارہا اس کی توبیخ و سرزنش فرمائی جو اس کے حالاتِ زندگی میں مذکور ہے۔ اور اس زمانے میں اس کی مانند بہت سے لوگ تھے جنہیں پسرِ ابوسفیان نے مال و منصب دے کر عمرِ عاص کی بیماری میں مبتلا کیا۔

شیخ ابوالفتوح رازی نے اپنی تفسیر میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے زہد کا مختصر سا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے : ان (مولا) سے اس قسم کی باتوں کے صادر ہونے میں کیا تعجب ہے؟ حضرت کے غلاموں میں سے ایک غلام تھا جسے ابوالاسود دئلی ☆ کہتے تھے۔ جب امیرالمومنین علیہ السلام جوارِ رحمتِ ایزدی سے پیوست ہوگئے تو معاویہ نے ابوالاسود کو حضرت علی علیہ السلام کی محبت سے منحرف کرکے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ معاویہ گاہے بگاہے اس کی طرف تحائف بھیجتا اور اس کے ساتھ نیکی اور مہربانی کا سلوک کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک ہدیہ بھیجا جس میں انواع و اقسام کے حلوے تھے۔ اس ہدیہ میں زعفران ملا ہوا شہد بھی تھا۔ ابوالاسود کی ایک چھوٹی سی بچی تھی جس کی عمر پانچ، چھ سال کی ہوگی،

☆ ۔ ان کا نام "ظالم بن عمرو" تھا، انہوں نے حضرت علیؑ کی رہنمائی میں علم نحو وضع کیا اور بنابر قولِ مشہور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن پر نقطہ لگائے۔ انہوں نے ۶۹ھ میں وفات پائی۔ (رجوع کیجئے اعلامِ زرکلی۔ ج ۳۔ ص ۲۳۶)

دوڑی اور اس زعفرانی شہد سے ایک ٹکڑا اٹھایا اور اپنے منہ میں رکھ لیا۔
ابوالاسود نے کہا : اے بیٹی اسے پھینک دے، یہ زہر ہے۔ وہ بولی کیوں؟
ابوالاسود نے کہا : تو نہیں جانتی کہ یہ پسرِ ہند نے اس لئے ہماری طرف بھیجا ہے تاکہ ہمیں اہلِ بیتؑ کی محبت سے منحرف کردے۔ بچی نے جو کچھ اس کے منہ میں تھا پھینک دیا اور کہا "اتخدعنا بالشهد المزعفر عن السيد المطهر؟!" کیا تو زعفرانی شہد کے ذریعے ہمیں سیدِ مطہر (حضرت علی علیہ السلام) سے جدا کرنا چاہتا ہے؟! اور اس موقع پر یہ اشعار پڑھے۔

ابالشهد المزعفر یابن هند
علیک نبیع اسلاما و دینا

"اے ہند کے بیٹے ! کیا تیرے زعفرانی شہد کے عوض ہم تجھے اپنا اسلام اور دین فروخت کردیں۔"

معاذ الله لیس یکون هذا
و مولانا امیرالمومنینا

"خدا کی پناہ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہمارے مولا امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔" (تفسیر ابوالفتوح رازی۔ ج ۱۰۔ ص ۱۶۴)

لیکن عمرِعاص اور اس جیسوں کے بارے میں دنیا کے عوض دین فروخت کرنے کی جو تعبیر استعمال کی گئی ہے اس کی عبارت میں مسامحہ ہوا ہے۔ کیونکہ اس نے دین سے ہاتھ اٹھا کر دنیا حاصل کرلی تھی، لیکن اپنا دین کسی کے حوالے نہ کیا تھا اور اس مال کے عوض اس کی آخرت میں سے کوئی خیر معاویہ کو حاصل نہ ہوا تھا۔ بلکہ معاویہ کو جو کچھ اس سے حاصل ہوا وہ بے دینی تھی۔ پس ایسے

مقام میں بیع و شراء کا معاملہ اور باہمی معاوضہ ثابت نہیں ہوا۔

اور کبھی اپنے دین کو فروخت کرکے دنیا کا حاصل کرنا آخرت کی کوئی چیز دینے کے ذریعے ہوتا ہے۔ یعنی کسی آدمی کا نجاتِ آخرت اور حصولِ جنتِ نعیم کے اسباب کو بیچ دینا اور ان کے بدلہ میں مال حاصل کرلینا۔ حالانکہ ایسے آدمی کے لئے ضروری تھا کہ ان اسباب اور وسائل کے ذریعہ خود اپنی آخرت حاصل کرتا لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور ان کے ذریعہ دنیا کو حاصل کرلیا۔ جیسے ایک آدمی جو دوسرے شخص کو قرآنِ کریم کی تعلیم دے کر یا مسائلِ دینی جو کہ عظیم اور مرغوب عبادات میں سے ہیں کسی کو سکھا کر ان کے ذریعہ خود بے انتہا ثواب حاصل کرسکتا تھا، جس سے اس کی آخرت سنور سکتی تھی۔ لیکن اس نے تحصیلِ آخرت سے اعراض کرکے اس تعلیم کے بدلہ میں مالِ دنیا حاصل کرلیا۔ اب اس مقام پر بیع و شراء کا معاملہ اور معاوضہ ثابت ہے اور ایسے آدمی کا گزشتہ اخبار و احادیث کے مصداق میں داخل ہونا واضح ہے۔

تفسیرِ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں مروی ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے قرآنِ مجید کی ایک آیت کے قاری اور اسے توجہ سے سننے والے کے لئے بڑا ثواب ذکر فرمایا اور کہا : کیا تم جانتے ہو کہ یہ ثواب قاری اور سننے والے کو کب ملتا ہے؟ پھر خود ہی فرمایا :

"اذالم یغل فی القران، انه کلام مجید، ولم یستاکل به، ولم یراءبه"

"جب کہ وہ قرآن میں غلو نہ کرے (یہ نہ کہے کہ قرآنِ مجید مخلوق نہیں ہے) جب کہ وہ ربِ مجید کا کلام ہے (جس میں خیر و برکت اور بہت سا

نفع ہے) اور وہ قرآن کے وسیلہ سے لوگوں کے اموال نہ کھائے۔ (یعنی اس کے پڑھنے کو تجارت بنا کے مالِ دنیا حاصل نہ کرے) اور اسے پڑھنے سننے میں ریا نہ کرے۔"

کسی بھی دانا اور بے غرض آدمی پر پوشیدہ نہیں کہ یہ بات صرف قرآنِ مجید کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو تحصیلِ آخرت کا وسیلہ اور آلۂ دین ہو اس حکم میں داخل اور اس معاملہ میں قرآن کی شریک ہے اور ایسے عمل سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

ائمہ معصومین علیہم السلام اس بلا میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لئے پورا پورا اہتمام کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جو لوگ ان کی امامت اور بزرگی کو جانتے تھے ان سے صرف اس خوف کی وجہ سے خرید و فروخت نہ کرتے تھے کہ کوئی بیچنے والا ان کی بزرگی کو مدِ نظر رکھ کر کچھ قیمت کم نہ کردے۔ پس گویا لوگ جس قیمت کے ذریعہ کچھ خریدتے ہیں وہ قیمت آخرت کے وسائل و اسباب سے ہوتی ہے (لہٰذا اگر قیمت میں کچھ کمی ہوئی تو اسبابِ آخرت میں کمی واقع ہوگی) حالانکہ ائمۂ معصومین علیہم السلام کے نفوسِ شریفہ اس قسم کی چیزوں کا قصد کرنے سے بھی منزہ تھے اور یہ بات حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ کی سیرت میں بارہا ذکر ہوئی ہے۔

ابنِ شہر آشوبؒ وغیرہ نے جناب امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے :

"ایک دن امیرالمومنین علیہ السلام بزازوں کی دکان پر تشریف لے گئے اور ایک دکاندار سے فرمایا : مجھے دو لباس چاہئیں۔ اس مرد نے کہا : اے امیرالمومنینؑ ! جس چیز کی آپؑ کو ضرورت ہو وہ میرے

پاس ہے۔ جب اس دکاندار نے حضرتؑ کو پہچان لیا تو آپؑ اسے چھوڑ کر ایک دوسری دکان پر تشریف لے گئے جہاں ایک جوان بیٹھا تھا اور اس سے دو کپڑے خریدے' ایک کپڑا دو درہم کا اور دوسرا تین درہم کا۔" (مناقب ابنِ شہر آشوب۔ ج۲۔ ص۹۷)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؑ نے دو دکانیں چھوڑیں کیونکہ دونوں کے مالک آپؑ کو پہچانتے تھے اور تیسری دکان پر جس پر بچہ یا کوئی غلام بیٹھا تھا تشریف لے گئے۔ اس بچے یا غلام نے حضرتؑ سے کہا : اے شیخ ! ۔ پس آپؑ نے اس سے کپڑے خریدے اور واپس تشریف لائے۔ جب اس لڑکے کا باپ یا آقا دکان پر آیا تو اسے پتہ چلا کہ گاہک آنجنابؑ تھے اور اس لڑکے نے نفع زیادہ لیا ہے۔ پس اس نے زائد رقم لی اور حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عذر پیش کیا۔ حضرتؑ نے وہ رقم واپس نہ لی اور فرمایا۔ خرید و فروخت کا معاملہ ہر دو کی رضامندی سے ہوا تھا اور وہ گزر گیا۔ (مناقب ابنِ شہر آشوب۔ ج۲۔ ص۹۷)

شیخ شہیدِ ثانی قدس سرہ نے کتاب "شرح لمعہ" میں گاہکوں کے درمیان تفاوت اور فرق کرنے کی کراہت کے ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے :

"ہاں ! البتہ جب گاہکوں کے درمیان فضیلت یا دین کے لحاظ سے واقعی فرق ہو تو ان میں تفاوت اور فرق کرنا کوئی عیب نہیں رکھتا۔ لیکن اس صاحبِ فضل و دیانت گاہک کے لئے اس کا قبول کرنا مکروہ ہے۔ اسلاف (یعنی علماء و اتقیاء) دوسرے لوگوں کو اپنا وکیل بنا لیتے تاکہ وہ اوروں سے ان کے لئے چیزیں خرید کریں اور دکانداروں کو موکل کا پتہ ہی نہ چلے تاکہ کوئی بیچنے والا ان کے فضل و دین کی وجہ سے قیمت میں کچھ کمی نہ کردے۔" (شرح لمعہ۔ ج۱۔ ص۳۲۸)

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ یہ چیزیں بھی جو عام رائج اور متعارف ہیں، قبیح اعمال میں شمار ہونی چاہئیں جیسے کہ کوئی سید یا طالب علم یا کوئی حاجی یا زائر کسی چیز کے خریدنے کے وقت اور اس چیز کی قیمت میں کمی کرانے کے لئے گفتگو کرنے میں اپنی سیادت، علم یا حج اور زیارت کو وسیلہ بنا کے کہتا ہے کہ آخر میں سید ہوں، یا طالب علم ہوں، یا حج بیت اللہ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یا ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی زیارت کا ارادہ رکھتا ہوں قیمت کچھ کم کرو۔ اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بیچنے والا اس کو دیکھ کر قیمت کچھ کم کر دیتا ہے۔ وہ تو قیمت میں اس کمی کرنے کے سبب فیوضاتِ عظیمہ کو پالیتا ہے، لیکن وہ خریدار جو دینی آداب سے جاہل ہے، اپنے اس معمولی نفع کی وجہ سے ان لوگوں کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے جو اپنے دین کو دنیا کے بدلہ میں بیچ دیتے ہیں اور اس معاملہ میں حصولِ دنیا کے لئے دین کو آلۂ کار بنا کے مکمل خسارہ اٹھاتے ہیں۔

یہ بات مخفی نہیں کہ وہ علم جو کسی چیز کی قیمت میں کوڑی یا اس سے بھی کم مقدار کی رعایت کا سبب ہو، اس علم میں سے ہے جس سے ائمہؑ نے بکثرت دعاؤں میں خداوندِ عالم سے پناہ طلب کی ہے۔

"اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع"

"اے اللہ میں غیر نافع علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

(مصباح المتہجد۔ ص٦٦)

پس جو کچھ ہم نے کہا ہے اس سے یہ بات واضح اور روشن ہو گئی ہے کہ خطیبوں اور ذاکرین کی یہ جماعت بھی طالبانِ علم کے گروہ کی طرح ان گزشتہ اخبار اور احادیث کی صنف میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جو کچھ فضائل و مناقب اور

مصائب میں سے پڑھتے ہیں وہ دین کے اسباب اور دارِ آخرت کے حصول کے عظیم وسائل میں سے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی مؤذن اور قرآن و دینی مسائل کے معلم کی طرح دائمی نعمات اور غیر متناہی ثواب خرید لیں اور اس کے ذریعہ حقیقی مقصد کو پالیں یا اس کے برعکس فطرت کی پستی، ہمت کی کوتاہی اور باطن میں مالِ دنیا کی حرص و رغبت کی آتش کے شعلہ زن ہونے اور فقر و فاقہ کے خوف کی وجہ سے آخرت میں نفع دینے والے اس مبارک معاملہ سے اعراض کر کے اس گرانقدر سرمایہ کا چند ٹکوں کے ساتھ معاوضہ کر لیں۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ جب اپنے اس خسرانِ مال کسب کو خریداروں کی کثرت اور اپنے چاہنے والوں کی زیادتی کی وجہ سے بارونق اور حد درجہ پر رائج دیکھتے ہیں تو زر و سیم اور قیمتی خلعتوں کے حصول کی ہوا و ہوس میں آکر نہایت ہی وجد و نشاط اور فرح و سرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس جب اپنی متاع (ذاکری) کی کساد بازاری، اس کے خریداروں (مومنین) کی قلت اور اپنے چاہنے والوں کی کمی کو دیکھتے ہیں تو نہایت ہی حزن و اندوہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور شکایت کرنے لگتے ہیں۔ اور مال اور خریداروں کے حصول کے لئے اپنے آپ کو ایسے مفاسد اور ممنوعاتِ شرعیہ میں گرفتار کر لیتے ہیں کہ جن میں کا ایک ایک مفسدہ ان کے دین کی تباہی اور ان کی جان کی ہلاکت کے لئے ایک مستقل سبب ہے۔

جیسے خود خریدار یا اس کے ساتھیوں بلکہ اس کے نوکروں سے مختلف قسم کی قبیح چاپلوسیوں کے ساتھ سوال کی ذلت اٹھانا اور دیگر خطیبوں اور ذاکرین کے معاملہ میں دخل دینا، ان کے معائب کو شہرت دینا، ان کے عیوب کی جستجو کرنا اور

اگر دیگر ذاکر اور خطیب کہیں اس میدان میں اس سے بڑھ جائیں تو دل میں ان کا بغض و حسد رکھنا، اگر کہیں ان کو شکست دے دے تو اس کا فخر و مباہات کرنا اور اگر کہیں دیگر کو میدان سے بھگا دے تو اس کا یہ سمجھنا کہ گویا اس نے دین میں فتح کا تمغہ حاصل کرلیا ہے اور اگر کہیں فیس کا معاملہ مجہول اور مجلس پڑھنے کی مقدارِ عوض معین نہ ہو تو مقدارِ مقصود کے نہ ملنے کی وجہ سے صاحبِ مجلس کو مختلف قسم کی اذیتیں دے کر اس کو آزردہ خاطر کرنا۔

ایک دلچسپ واقعہ جو علماء اعلام طاب ثراہ میں سے ایک نے حقیر (صاحبِ کتاب) سے بیان کیا ہے کہ ماہِ مبارک رمضان سے پہلے ایک شہر میں ایک مشہور واعظ آیا۔ وہاں کے بڑے لوگوں میں سے ایک نے اسے اپنی مسجد میں مدعو کیا، جو وہاں کی مشہور مسجد تھی۔ (واقعہ بیان کرنے والے نے تینوں یعنی واعظ، داعی اور مسجد کے نام بتائے ہیں لیکن میں ان ناموں کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتا) ان صاحب نے واعظ سے طے کیا کہ وہ اسے فیس کی معین مقدار ماہِ رمضان کے وسط میں دے گا، واعظ نے یہ بات قبول کرلی اور اس مسجد میں وعظ و خطابت میں مشغول ہوگیا۔ جب معینَ فیس کے ادا کرنے کا وقت آیا تو ان صاحب نے اس معین مقدار سے کچھ کم رقم واعظ کو دی۔ واعظ نے اس وقت تو رقم لے لی اور اس پر کچھ نہ کہا مگر جب اکیس ماہِ رمضان کا دن جسے بعض ظریف طبع لوگوں کی اصطلاح میں مساجد میں انتہائی ہجوم کا دن کہتے ہیں آیا تو واعظ بالائے منبر ذکرِ مصائب میں مشغول ہوا۔ جب منہ پر طمانچہ مارنے، کپڑے چاک کرنے، گریبان پھاڑنے، سر برہنہ کرنے، آہ و بکا کرنے اور شور و غوغا کے مقام پر پہنچا تو اپنے سر سے عمامہ اتارا اور منبر سے اتر کر محراب میں جہاں صاحبِ مجلس

بیٹھا تھا آیا اور اس کے سر سے عمامہ اٹھایا اور کہا کہ جناب آپ صاحبِ عزا ہیں، پس تمام اہلِ مسجد شور و شین میں مشغول ہوگئے اور سر برہنہ ہو کر رونے، سر پر طمانچہ مارنے اور سینہ کوبی کرنے لگے۔ ہر ایک پر اپنی حالت طاری تھی۔ واعظ نے فرصت کو غنیمت سمجھا اور مقررہ فیس کے باقی ماندہ کو لینے کے لئے اس کے ہاتھ میں خوب وسیلہ آیا۔ پس پوری قوت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے ان صاحب کے برہنہ سر کو کوٹنا پیٹنا شروع کردیا اور آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ باقی مبلغ تو مجھے دے گا یا جو کچھ میں کرتا ہوں کرتا جاؤں؟

اس بے چارے نے جب دیکھا کہ سر متورم ہونے کے قریب ہے اور اس کی حالت کی طرف کوئی متوجہ بھی نہیں، مجبوراً قبول کیا اور اس واعظ کو اطمینان دلایا۔ تب اس واعظ نے اس کی جان بخشی اور خوش و خرم دل کے ساتھ دعا کرنے کے لئے عرشۂ منبر پر آیا۔

بتایئے وہ اس قلبِ خراب اور عملِ سراب کے ساتھ لوگوں کو وعظ کرسکتا ہے اور ایسی حالت میں اسے امام حسین علیہ السلام کے خادمِ خاص ہونے پر فخر کرنے کا کوئی حق ہے۔

چہارم : یہ ہے کہ ان خطیبوں اور ذاکرین میں سے اکثر ایسی آیات و اخبار کی صنف میں داخل ہوجاتے ہیں جن میں ایسے لوگوں کے لئے زبردست تنبیہ ہے جو دوسروں کو مطالبِ حق جیسے اخلاقِ حسنہ اور قبیحہ، اعمالِ ممدوحہ اور مذمومہ اور ثواب و عقاب اور خاص کر وہ باتیں جو جناب ابو عبداللہ علیہ السلام سے مربوط ہیں بتاتے ہیں اور سننے والے ان اچھی باتوں کو سیکھ کر ان پر عمل کرتے ہیں اور پاداش پاتے ہیں لیکن کہنے والا واعظ اپنے قول کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ پس

وہ ابدی حسرت میں گرفتار ہو جاتا ہے' جیسا کہ خداوندِ عالم اپنے کلامِ مجید میں توبیخ و سرزنش کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم"

"کیا تم اور لوگوں کو تو نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟" (سورہ بقرہ ۲- آیت ۴۴)

تفسیرِ شیخ ابوالفتوح رازی میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا : جب مجھے شبِ معراج آسمان پر لے جایا گیا تو میں نے ایک ایسی جماعت کو دیکھا جس کے لب کاٹے جا رہے تھے اور پھر فوراً ہی ان کے لب دوبارہ درست اور مکمل ہو جاتے تھے۔ میں نے کہا : اے جبرئیل ! یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل نے کہا :

"ھٰؤلاء خطباء امتک' یقولون ما لایفعلون' و یامرون الناس بالبر و ینسون انفسھم"

"یہ لوگ آپ کی امت کے خطیب (مقرر) ہیں جو' جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے اور لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں (یعنی خود اس نیکی کے پابند نہیں ہوتے۔)"

(تفسیرِ ابوالفتوح رازی - ج ۱- ص ۱۶۵)

نیز آپؐ ہی سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"قیامت کے دن وہ عالم سخت تر عذاب میں ہو گا جس کو اس کے علم نے (آخرت کا) کوئی فائدہ نہیں دیا۔" (حوالہ سابق)

نیز آنجناب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے

فرمایا :

"جو لوگ دوسروں کو کارِ خیر بتاتے اور سکھاتے ہیں اور خود اس کے پابند نہیں ہوتے ان لوگوں کی مثال اس چراغ کی سی ہے جو خود جل کر دوسروں کو روشنی دیتا ہے۔" (حوالہ سابق)

نیز ان بزرگوار (رسول اللہؐ) سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"کل روزِ قیامت فرشتے کسی ایسے فرد کو نہ چھوڑیں گے کہ وہ قدم آگے بڑھائے جب تک وہ چند چیزوں سے عہدہ برآنہ ہو گا۔ اول : کہ اس نے جوانی کن چیزوں میں گزاری۔ دوم : کہ اس نے عمر کن کاموں میں صرف کی۔ سوم : اس نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ چہارم : اس کے علم کے بارے میں کہ اس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا یا نہیں۔" (حوالہ سابق)

اور امالیٔ شیخ صدوق و محاسنِ برقی میں مروی ہے کہ مفضل نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا :

"نجات یافتہ انسان کو کیسے پہچانیں گے؟

آپؑ نے فرمایا : ہر وہ شخص جس کی گفتار اس کے کردار کے موافق ہو پس وہ نجات یافتہ ہے اور جس کا کردار اس کی گفتار کے موافق نہ ہو وہ شخص مستودع ہے۔ (یعنی اس کا ایمان اس کے دل میں ثابت اور راسخ نہیں۔ بلکہ ایمان اس کے پاس بمنزلہ ودیعت ہے جو کبھی اس کے ساتھ ہوتا ہے اور معمولی سا امتحان بھی درپیش آجائے تو وہ اس کے ہاتھ سے چلا جاتا ہے۔)" (امالیٔ صدوق- مجلس ۵۷- ص ۳۲۰' محاسنِ

برقی۔ ج۱۔ ص۲۵۲)

عیاشی نے اپنی تفسیر میں یعقوب بن شعیب سے روایت کی ہے کہ اس نے حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے آیۂ شریفہ "اتامرون الناس----" کے متعلق سوال کیا۔ پس حضرت نے اپنا دستِ مبارک حلق پر رکھا اور فرمایا جیسے کوئی اپنے آپ کو ذبح کرتا ہے (یعنی وہ لوگ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے' وہ خود کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ہلاک ہوتے ہیں۔)(تفسیرِ عیاشی۔ ج۱۔ ص۴۳)

اور اس آیہ "فکبکبوا فیھا ھم والغاون" "مشرکین اور غاوین جہنم میں منہ کے بل گریں گے" (سورہ شعراء۲۶۔ آیت۹۴) کی تفسیر میں بہت سی روایات میں آیا ہے کہ غاوین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے لئے امورِ حقہ جیسے طاعات و اخلاقِ حسنہ اور عقائدِ حقہ یعنی جو چیزیں عدل و حکمت کے موافق ہیں بیان کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں خود اس کے برخلاف عمل کرتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔(تفسیرِ نور الثقلین۔ج۴۔ص۵۹)

نیز یہی مضمون بہت سی احادیث میں اس طریقہ سے آیا ہے کہ ائمہٴ معصومین علیہم السلام نے فرمایا :

"قیامت کے دن تمام لوگوں سے زیادہ سخت ترین حسرت و ندامت کا شکار وہ لوگ ہوں گے جو دوسروں کے لئے عدل کے اوصاف بتاتے ہیں اور خود اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔"(حوالہٴ سابق)

نیز ائمہٴ معصومین علیہم السلام نے آیۂ شریفہ "ان تقول نفس یا حسرتا علی ما فرطت فی جنب اللہ" (یہ شخص کہے گا اے میری

حسرت جو میں نے اللہ کے حقوق میں کوتاہی کی)(سورہ زمر۳۹۔ آیت۵۶) سے مراد وہی لوگ ہیں جو حسرت کھائیں گے اور یہ سخن کہیں گے (تفسیرِ نور الثقلین۔ ج۴۔ ص۴۹۵-۴۹۵- ۴۹۶) اور اس صنف کی بہت سی اخبار و احادیث ہیں اور ان میں بہت سی "آدابِ اہلِ علم" کے باب میں مذکور ہیں۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ ان لوگوں میں خطیبوں اور ذاکروں کا ایک ایسا مخصوص گروہ شامل ہے جو اس کسب و تجارت (ذاکری) میں کبھی تو مقدماتِ وعظ کو پیش کرتے ہیں اور کبھی امیرالمومنین علیہ السلام کے خطب و مواعظ اور آپؑ کی رفتار و کردار کا ذکر کرتے ہیں اور لوگوں کو دنیا کی محبت اور اس کی آفات و بلیات اور ہلاکتوں سے ڈراتے ہیں اور دنیا کے بغض اور اس سے پرہیز کی ترغیب و تحریص دلاتے ہیں۔

نیز بزرگانِ دین و خواصِ اصحاب اور علماء دین کی سیرت سے استشہاد کرتے ہیں۔ کبھی رذائلِ خبیثہ اور صفاتِ قبیحہ سے اجتناب کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور غزالی شافعی اور اس کے تابعین کی کتب سے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بغیر کسی توقف و لکنت کے حوالے بیان کرتے ہیں اور اس مجلس کے مناسب آیات و احادیث کو مرتب و منظم کرکے ذکر کرتے ہیں۔

لیکن خود اس بے وقعت دنیا پر اس قدر فریفتہ اور اس کے خبائث اور رذائل سے اس قدر آلودہ ہے کہ اگر صاحبِ مجلس اس کے مجلس میں آنے یا واپس جانے کے وقت کچھ غفلت برتے یا اس کے متوقع توقیر و تکریم کے لوازم نہ بجا لائے یا اس کو اس مجلس کا خاتم' (سب سے آخر میں پڑھنے والا) نہ قرار دے (جو ذاکرین) کی قبیح بدعتوں میں سے ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جس خطیب کا رتبہ

بالاتر ہے مجلس کا اختتام اس پر ہونا چاہئے) اور اگر صاحبِ مجلس اس کو اس کے دیگر ہم صنفوں (ذاکروں) سے معمولی سی کم فیس دے تو غمگین ہوتا ہے، بانیٔ مجلس سے گلہ کرتا ہے، اعتراض کرتا ہے، برائی کرتا ہے، فیس واپس کردیتا ہے، دوبارہ اس جگہ نہیں جاتا۔

اپنی متاع (خطابت) کو بڑا اور صاحبِ مجلس کی فیس کو بہت تھوڑا شمار کرتا ہے۔ اپنے ہم صنفوں کے نسب و حسب اور ان کے رفتار و کردار میں عیب نکالتا ہے اور ان کو اپنی صف میں شمار نہیں کرتا۔

اپنے اس قدر قابلِ مذمت حالات اور قبیح افعال کے باوجود اہلِ دنیا کو بُرا بھلا کہتا ہے اور اپنے آپ کو اہل اللہ اور اہلِ آخرت میں شمار کرتا ہے۔ گویا منبر پر بیان کرنے والی چند کتب کے حوالوں اور خطابی بیانات کی معمولی مقدار نے اس کے دل کی جملہ خرابیوں اور تمام برائیوں کو اس سے نکالا ہوا ہے۔

کسی دانا عقلمند آدمی پر مخفی نہیں کہ ایسا شخص اس قسم کی بری سیرت اور باطنی خباثت کی وجہ سے گزشتہ احادیث کا مصداق ہوکر آخرت میں سخت ندامت و حسرت کے ساتھ معذب ہوگا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب "عیون" میں مروی ہے کہ جس وقت امام رضا علیہ السلام کے برادر زید نے خروج کیا اور مامون نے اس کو گرفتار کرکے امام علیہ السلام کی طرف بھیجا۔ حضرتؑ نے اس کی توبیخ و سرزنش کی اور اس سے فرمایا :

"اگر تمہارا خیال یہ تھا کہ تم خداوندِ عالم کی معصیت کے باوجود بہشت میں داخل ہوگے اور موسیٰ بن جعفر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے

نتیجے میں بہشت میں داخل ہوں گے تو کیا تم خداوندِ عالم کے نزدیک موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے زیادہ مکرم و معزز ہو؟ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کے تقرب کو اس کی فرمانبرداری کے بغیر کوئی بھی نہیں پاسکتا۔ اور تمہارا گمان ہے کہ تم تقرب خداوندی کو معصیت کے ساتھ پالوگے۔ یہ تمہارا گمانِ بد ہے۔

پس زید نے عرض کیا : میں آپ کا برادر اور آپ کے پدر کا پسر ہوں۔

حضرتؑ نے فرمایا : تم اس وقت تک میرے بھائی ہو جب تک خداوندِ عالم کی اطاعت کرتے رہو۔"

پھر جنابؑ نے حضرت نوحؑ اور پسرِ نوحؑ کا قصہ بیان فرمایا اور کہا کہ خداوندِ عالم نے حضرت نوحؑ کے بیٹے کو محض عصیان کی وجہ سے ان کے اہل سے خارج کردیا۔ غرضیکہ تو بھی معصیت کی وجہ سے میری برادری سے خارج ہوگیا ہے۔

پس اگر معصیتِ خداوندی ایسے امام (امام رضا علیہ السلام) کی برادری اور ان جیسے امام (امام موسیٰ کاظم علیہ السلام) کی فرزندی کے اتصال کو قطع کردیتی ہے تو خدا کی نافرمانی بیگانے لوگوں کو ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ متصل ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دیتی اور نہ کبھی ایسی صورت میں ائمہ معصومینؑ کی نوکری اور ان کے خادمِ خاص ہونے کا رتبہ حاصل ہوسکتا ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ العیاذ باللہ اگر اہلِ علم میں سے کچھ لوگ اور علماء کرام اس گروہ (وہ خطباء و ذاکرین جن کی صفات مندرجہ بالا عبارت میں بیان کی گئی ہیں) کے مرض میں مبتلا ہوجائیں اور اس ورطۂ ہلاکت میں گر پڑیں اور مختلف قسم کے مکرو فریب اور حیلہ بہانوں کے

ذریعہ علمِ دین کو تحصیلِ مال کا ذریعہ بنالیں تو عذاب میں انہی کے ساتھ شامل اور اپنے اپنے علم کے اندازہ وقدر کے مطابق مستحقِ عذاب ہوں گے۔

اور جس قدر کسی نے اپنی تعلیم میں زیادہ اہتمام کیا ہوگا یا اس لئے تعلیم حاصل کی ہوگی کہ اس علمی شرافت کے ذریعے علمِ دین کو کمائی کا ذریعہ بنائے گا تو اسی قدر اس کا عذاب سخت تر اور اس کی حسرت بہت زیادہ ہوگی۔ اور اس کی وضاحت اخبارِ متواترہ میں کی گئی ہے۔ چونکہ یہ رسالہ اس جماعت کے حالات کے واسطے تحریر نہیں کیا گیا اس لئے ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اس مقام پر چند امور پر تنبیہ لازم ہے۔

(۱) – (کیا عبادت میں ریا جائز ہے؟)

پہلی بات یہ کہ سنا ہے کہ اس گروہ (ذاکرین) کے بعض حضرات نے اپنے بازار کے رواج کی وجہ سے اس عبادت میں اخلاص کی شرط کو ختم کردیا ہے اور اس میں ریا کو جائز جانا ہے، بلکہ اس چیز کو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مخصوص فضائل میں سے شمار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ریاء ہر طاعت و عبادت کی خرابی کا موجب ہوتی ہے سوائے اس اطاعت کے کیونکہ حضرت سید الشہداءؑ کو درگاہِ الٰہی میں خاص تقرب اور مقام حاصل ہے۔ اس لئے اس میں اخلاص کی شرط کو نظرانداز کرکے اس مخصوص اطاعت کو ریا کے باوجود مقبول سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے اس توہمِ بے جا اور خیالِ خام کی سند اس بات کو بناتے ہیں کہ بہت سی اخبار و احادیثِ منقولہ میں تباکی (رونے کی شکل بنانا) کی اجازت

ہے۔ جیسے کہ اس قسم کی احادیث مقدمہ میں گزری ہیں کہ جو شخص خود روئے یا دوسروں کو رلائے یا تباکی کرے (یعنی اپنی حالت رونے والوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی طرح بنائے اور اپنے آپ کو دوسروں کے لئے اس طرح ظاہر کرے کہ میں بھی مصیبت زدہ ہوں، رونے میں مشغول ہوں اور ناظرین پر بھی مشتبہ ہوجائے) تو اسے فلاں قسم کا ثواب پائے گا۔

خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افتراء باندھنے والے بے ادراک احمق کو معلوم نہیں کہ اگر صحیح، صریح اور مشہور اخبار و احادیث کسی طاعت اور عبادت میں ریا کو جائز کہتے ہوں تو چونکہ وہ صریح کتاب و سنت اور عقلِ قطعی و اجماع علماء کے مخالف ہیں لہٰذا ان کی تاویل کرنی چاہئے اور یہ مجمل کلمہ "تباکی" کسی بھی صورت میں ان لوگوں کے مقصود اور ان کی غرضِ فاسد (جواز ریاء) پر نہ ہی دلالت کرتا ہے اور نہ اس کلمہ کا اس کے ساتھ کوئی ربط ہے۔ کیونکہ اس کلمہ سے تو ایک بہت ہی اہم مطلب مراد ہے۔ اور تمام فرائض بجالانے والوں کے لئے از حد ضروری اور شریعتِ الٰہیہ کے قانون میں داخل ہے۔ اور اہلِ بیت علیہم السلام کے آثار سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ حضراتؑ نے اسے نفسانی صفات کی تکمیل کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ ایسی صفاتِ حمیدہ جیسے رضا و توکل اور زہد و حلم اور ان جیسی دیگر اور صفات جن پر آدمی کی انسانیت موقوف اور معلق ہے ان میں سے کسی ایک کے حاصل کرنے اور اس صفت کے دل میں مستقر اور ثابت ہونے کے بعد اس آدمی سے ایسے افعال صادر اور آثار ظاہر ہوتے ہیں جن سے اہلِ دانش اور صاحبانِ بصیرت جان لیتے ہیں کہ یہ صفت اس آدمی میں

پائی جاتی ہے۔ مثلاً زہد کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ آدمی صحیح قلب کے ساتھ دنیا سے اعراض کرے، دنیا سے کوئی علاقہ و تعلق نہ رکھے اور دنیا کو اس قابل ہی نہ سمجھے کہ اس سے دل بستگی یا محبت کی جاسکے، نہ ہی اس کے آنے سے خوش اور نہ اس کے جانے سے غمگین۔

جو شخص اس مقام پر فائز ہوجائے گا تو یقیناً وہ دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے جمع کرنے میں کسی قسم کی حرص و رغبت نہ کرے گا۔ اس کے آنے پر اظہارِ مسرت نہ کرے گا اور نہ ہی اس کے جانے سے مضطرب و پریشان اور غمگین ہوگا۔ اور فرمانِ الٰہی کی رو سے جس مال کی ادائیگی اس پر واجب ہے۔ جیسے زکوۃ و خمس اور اس جیسے دیگر واجباتِ مالیہ۔ یا جس مال کی ادائیگی اس پر مستحب ہے جیسے باقی صدقات اور مستحباتِ مالیہ۔ اس قسم کے اموال کا خداوندِ عالم کے حکم کی بجاآوری میں دینا اس پر سہل اور آسان ہوجائے گا۔ وہ خداوندِ عالم کی اطاعت کرتے ہوئے اس قسم کے اعمال کو نہایت خوشی و رغبت سے بجالائے گا۔ کیونکہ زہد کی صورت میں اس کے نزدیک سونا چاندی اور سنگ و خاک یکساں اور برابر ہیں۔

لہٰذا اس سے اس قسم کی علامات اور آثار کے صادر ہونے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ حقیقی زہد کا مالک ہے۔

البتہ متوجہ رہنے کی ضرورت ہے کہ اس شخص سے ایسے آثار کے ظاہر ہونے کے لئے اس کا سچے دل سے زاہد ہونا ضروری ہے۔ لیکن کبھی اس شخص سے بھی ایسے آثار و علامات ظاہر ہوتے ہیں جس میں زہدِ قلبی ہوتا ہی نہیں اور نہ ہی دل میں دنیا سے اعراض کئے ہوتا ہے بلکہ اس سے نہایت دل بستگی اور محبت

رکھتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

اول یہ کہ ایسے افعال انجام دینے سے ان کی غرض محض خودنمائی، ریا اور لوگوں کے دلوں میں مقام حاصل کرنا ہو، کہ میں اس مقام کا حامل اور خدا کا محبوب ہوں۔ اور وہ اس ظاہری ریائی زہد کو یہ ناچیز دنیا حاصل کرنے کے لئے ذریعہ بناتا ہو۔ یہ فعل وہی شرکِ خفی ہے۔ جس سے اجتناب و احتراز کرنا چاہئے۔ شریعت میں اس قسم کے فعل کی کوئی اجازت و رخصت نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اگرچہ وہ مذکورہ حیثیت، مقام اور خصلت کا حامل نہیں۔ لیکن ان طریقوں سے اس کے حصول کے لئے کوشاں اور اس کے اکتساب کا شائق ہے جو علماء علمِ اخلاق نے مقرر کئے اور بیان فرمائے ہیں۔ بلکہ اسے دنیا سے جو محبت اور دل بستگی ہے اس سے متنفر ہے اور جو میلان و علاقہ وہ دنیا سے رکھتا ہے وہ اسے برا معلوم ہوتا ہے۔ ائمہ معصومینؑ کے عطا کردہ دستور العمل کی روشنی میں اس خصلت کے حصول کی ایک راہ ان علامات و آثار کو بجالانا ہے، ہرچند ان اعمال کو بجالانا اس پر سخت گزرے کیونکہ اگر پسندیدہ صفت قلب میں ثابت و راسخ ہوجائے تو ایسے اعمال کو انجام دینا انسان پر سہل و آسان ہوجاتا ہے، بصورتِ دیگر اس پر ان اعمال کی انجامدہی سخت گزرتی ہے اور یہ اس سے زحمت کے ساتھ صادر ہوتے ہیں۔ لیکن ان افعال کی انجامدہی میں مشغول ہوجانے اور ان کا عادی ہوجانے کے بعد رفتہ رفتہ یہ اعمال اس حمیدہ صفت کو جذب کرلیتے ہیں اور دل میں سما کر ثابت و راسخ ہوجاتے ہیں اور یہ آثار اس سے آسانی کے ساتھ سرزد ہونے لگتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جو افعال اس نیک خصلت کے آثار و علائم ہیں کبھی تو وہ

آثار و علائم اس صفت کے قلب میں پائے جانے کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں، اور وہ نیک خصلت آدمی کو اس قسم کے افعال پر ابھارتی ہے اور کبھی یہ آثار و علائم اس خصلت سے خالی قلب میں جاگزیں ہونے کا سبب بن جاتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں حالتوں میں یہ افعال ممدوح و مستحسن اور عبادات و قرباتِ خداوندی میں محسوب و مشمول ہوں گے اور ریاء و سمعہ سے کوسوں دور ہیں۔ اور یہ بات وجدانی ہونے کے علاوہ صفاتِ مذکورہ کے اہل سے دیکھی اور سنی بھی جاتی ہے اور تجربہ و معائنہ میں بھی آتی ہے، نیز اخبارِ اہلِ بیت علیہم السلام میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ چنانچہ آمدی نے کتاب "غرر و درر" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا۔

"ان لم تکن حلیما فتحلم، فانہ قل من تشبہ بقوم الا اوشک ان یصیر منھم"

"اگر تم حلیم نہیں ہو تو حلم کا اظہار کرو (یعنی حلم کے آثار و علامات کے مطابق عمل کرو) کیونکہ قلیل ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو کسی قوم کے مشابہ بنائے، مگر قریب ہے کہ وہ اس قوم سے ہو جائے اور اس کا شمار ان میں ہونے لگے۔" (شرح غرر۔ ج ۳۔ ص ۱۱)

نیز اسی کتاب میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"من لم یتحلم لم یحلم"

"جو شخص اپنے آپ کو حلم کا پابند نہ کرے (تو جیسا کہ کہا گیا) حلیم نہ ہو سکے گا۔" (شرح غرر۔ ج ۵۔ ص ۲۴۴)

اور یہی مضمون زہد کے بارے میں بھی آیا ہے کہ حضور نے تزہد (یعنی اظہارِ زہد) کا حکم اس لئے فرمایا تاکہ حقیقی زہد حاصل ہو جائے۔

اب یہ مقدمہ معلوم ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کے مصائب پر رونا اگرچہ اعضاء و جوارح کے افعال سے ہے اور آنکھوں کا کام ہے لیکن اس رونے کا سبب قلبی محبت ہے، کیونکہ جو عظیم مصائب خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے ان محبوب (امام حسین علیہ السلام) پر وارد ہوئے ہیں ان کے تصور سے سوزشِ دل کی بنا پر قلب جلتا ہے اور یوں آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

"ان لقتل الحسین علیہ السلام حرارۃ فی قلوب المومنین لا تبرد ابدا"

"بہ تحقیق ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام کی شہادت کے لئے مومنین کے دلوں میں ایک سوزش اور حرارت ہے جو کبھی ٹھنڈی نہ ہوگی۔" (مستدرک الوسائل۔ ج ۱۰۔ ص ۳۱۸)

نیز فرمایا : "مومنین کے دلوں میں حسینؑ کی محبت پوشیدہ ہے۔"

اور یہ محبت ان مصائب کا علم ہونے پر اس حرارت کا سبب بن جاتی ہے جو رونے کی موجب اور باعث ہوتی ہے۔ اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ مومن اس حالت کو چاہتا ہے لیکن اصل محبت کی کمی کی وجہ سے یا اس لئے کہ پردۂ شہوات اس محبت کو ڈھانپے ہوئے ہوتا ہے یا ان مصائب کے صحیح طور پر تصور کرنے سے کوئی چیز مانع ہوتی ہے یا اس احتراقِ قلب اور دل کی سوزش جس کے بغیر آنسو نہیں نکلتے کے ان کے علاوہ کچھ اور موانع ہوتے ہیں، اس لئے وہ اس خیرِ عظیم

سے محروم رہتا ہے۔ حالانکہ اس کو یہ حالت پسند نہیں آتی اور وہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں (رونے والوں) کی طرح ہوجائے۔ پس ائمہ معصومین علیہم السلام نے اسے تباکی (رونے کی شکل بنانا) کا دستور العمل دیا ہے کہ اپنے اس قلبِ ویران کے ساتھ جس کی آبادی چاہتا ہے اپنے آپ کو گریہ کرنے والوں کی ہیئت و شکل میں ظاہر کرے۔ اور اس کا اس طرح کرنا اس سوزشِ قلب کے آثار و علائم میں سے ہوگا جو سوزشِ قلب مصائب سننے کے بعد محبتِ اہلِ بیتؑ کا نتیجہ ہے۔ اگر اس عمل (تباکی) کو مقصودِ اصلی تک پہنچنے کے قصد سے کرے گا تو مثاب و ماجور ہوگا اور اس کے علاوہ اسے دل کی آبادی اور ائمہ معصومینؑ کی محبت وولایت کے نور سے دل کے روشن ہونے کا ایک راستہ بھی مل جائے گا۔

ہماری اس گفتگو کی موید یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہؐ و ائمہ ہدیٰؑ نے یہی دستور العمل خوفِ خدا سے گریہ کرنے کے بارے میں بھی بیان فرمایا ہے۔ جیساکہ کتاب "امالی" شیخ طوسی اور "مکارم الاخلاق" طبرسی میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ کے ضمن میں مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"اے ابوذر ! جس شخص کو ایسا علم دیں جس سے اسے گریہ نہ آئے تو یہ ایسا علم ہوگا جس سے اسے کوئی نفع نہ ہوگا۔ کیونکہ خداوندِ عالم نے علماء کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے :

"ان الذین اوتوا العلم من قبلہ۔۔۔۔ (سورہ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۱۰۷ تا ۱۰۹)

یا اباذر من استطاع ان یبکی فلیبک، ومن لم

یستطع فلیشعر قلبہ الحزن ولیتباک، ان القلب القاسی بعید من اللہ ولکن لا یشعرون"

"اے ابوذر ! جو شخص خوفِ خدا سے رونے کی طاقت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ روئے اور جو طاقت نہیں رکھتا اسے چاہئے کہ وہ حزن و اندوہ کو اپنے دل کا شعار بنائے اور اپنی حالت کو گریہ کرنے والوں کی طرح بنائے کیونکہ سخت اور قسی دل خدا سے دور ہے لیکن سنگدل لوگ نہیں جانتے۔"

(امالی طوسی۔ ج ۲۔ ص ۱۴۳، مکارم الاخلاق۔ ص ۴۶۲)

یہ بات مخفی نہ رہے کہ اس کلمہ شریفہ تباکی کا نظیر اور اس کا ہم وزن لفظ "تعاون" یعنی لطیف بھی ہے اور شاید یہاں یہی مراد ہو اور وہ یہ ہے کہ مومنین اپنے کردار و گفتار اور رفتار سے ایک دوسرے کو رلائیں جس طرح بھائی اور بہنیں اپنے عزیز مہربان ماں باپ کی وفات کے موقع پر ایک جگہ جمع ہوکر اپنے بچھڑے ہوئے عزیز کو یاد کرتے ہیں اور اس کے محاسن وپسندیدہ خصائل اور اس کے احسان و نیک کردار، سخت مصائب اور اس کی تکلیف میں سے جو کچھ کسی کے علم میں ہوتا ہے دوسروں کے لئے بیان کرتے، روتے ہیں، آہ وزاری کرتے ہیں اور اپنے آپ کو طمانچے مارتے ہیں۔ حاصل یہ کہ اس طرح سب کے سب مومنین، مصیبت زدہ اور مصائب پڑھنے والے، گریہ کرنے والے بنے ہوئے ہوں اور دوسروں سے گریہ کرانے میں کوشاں ہوں۔

اس مذکورہ احتمال کی موید وہ روایتِ شریفہ ہے جو آدابِ روزِ عاشوراء میں عاشوراء کی زیارتِ معروفہ میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

نے فرمایا :

"پس امام حسینؑ پر مجلسِ نالہ و فغاں اور نوحہ میں مشغول ہو اور جو لوگ اس کے گھر میں ہوں ان کو نالہ و فغاں و نوحہ اور گریہ کا حکم کرے (امام حسین علیہ السلام پر گریہ کرنے میں لوگوں سے تقیہ نہ کرے)' اپنے گھر میں مصیبت برپا کرے اور حضرت سید الشہداءؑ پر اظہارِ جزع کرے اور مومنین اپنے گھروں میں ایک دوسرے سے گریہ کرتے ہوئے ملیں اور مومنین ایک دوسرے سے حضرت سید الشہداؑ کی مصیبت کے متعلق کلماتِ تعزیت کہیں۔ (یعنی سب مومنین ان مصائب کو بیان کریں اور یہ کام کریں۔ اور یہ شرح ہے مذکورہ معنی میں "تباکی" کی۔)" (مصباح المتہجد۔ ص ۷۱۴' کامل الزیارات۔ ص ۱۷۴)

بہرحال ممدوح اور محبوب "تباکی" جو طاعات و عبادات میں شمار ہوتی ہے اس میں ریاء کا کوئی شائبہ بھی نہیں جو شرکِ خفی کے اقسام میں سے ہے۔ سبحان اللہ !

حضرت سید الشہداءؑ نے تو ان تمام مصائب کو باری تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کی توحید کی اساس پر مبنی احکام کے رواج' اعلائے کلمہ حق اور دینِ مبین کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور ملحدین کی بدعتوں سے دین کی حفاظت کے لئے برداشت کیا تھا۔ کوئی ذی شعور اور عقلمند آدمی یہ کس طرح خیال کرسکتا ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام اس گناہِ عظیم یعنی ریاء جو کہ شرک ہے کے جواز کا سبب اور موجب ہوں؟ گویا ان لوگوں میں اس توہمِ فاسد اور شیطانی خیال کے پیدا ہونے کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے ریاء اور اس کی قباحت و بُرائی میں غور و تامل نہیں کیا' یا زرو

سیم کی حرص و رغبت میں زیادتی نے ان کی عقلوں سے اس کے قبائح کو پوشیدہ کیا ہوا ہے۔ واللہ العالم۔

(۲) - (دورانِ خطابت جھوٹ اور افسانہ تراشی کی حرمت)

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے' یہ ہے کہ ذاکر اور خطیب گفتگو کرنے اور آواز بلند کرنے کی تمام خامیوں سے محفوظ ہے اور اس کی خرابی محض شرطِ اخلاص کو ضروری نہ سمجھنا اور اس عبادت کو بجا لانے میں تحصیلِ مال و جاہ کی غرض رکھنا ہے۔ پس اگر وہ العیاذ باللہ اس مذکورہ خرابی کے علاوہ جھوٹ بولنے' خدا اور رسولؐ و ائمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین و علماء اعلام پر افتراء باندھنے' خود سے پہلے پیش خوانی اور مجمع کو تیار کرنے کے لئے ایسے بچے سے پڑھانے جو فسق کے آہنگ میں پڑھے' بانیٔ مجلس کی اجازت کے بغیر بلکہ اس کے واضح طور پر منع کرنے کے باوجود اس کے گھر جا کر منبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے' حاضرین کے گریہ نہ کرنے پر ان کو ایسے کلمات سے کوسنے کہ جن میں سے بعض کلمات ان کے حرام زادہ ہونے پر دلالت کرتے ہوں' بوقتِ دعا یا قبل از دعا باطل کو ترویج دینا' ان لوگوں کی مدح کرنا جو مدح کے مستحق نہیں ہیں' بزرگانِ دین کی اہانت کرنا' آلِ محمد علیہم السلام کے اسرار کو افشاء کرنا' فتنہ و فساد اٹھانا' اپنی گفتگو سے ظالمین کی اعانت کرنا' مجرمین کو مغرور بنانا' فاسقین کو جرات دلانا' لوگوں کی نظروں میں گناہوں کو معمولی اور حقیر دکھانا' ایک حدیث کو دوسری حدیث سے خلط ملط کرنا' اپنی فاسد رائے سے آیاتِ شریفہ کی تفسیر کرنا' اخبار و احادیث کو باطل و فاسد معانی کے ساتھ نقل کرنا' اہلیت نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دینا (اگرچہ وہ فتویٰ

درست ہو یا غلط ثابت ہو)' ائمہ علیہم السلام کے مقامات کو بلند و بالا دکھانے کے
واسطے انبیاء عظام اور اوصیائے کرام کی تنقیصِ شان کرنا' حدیث شریف کے
بعض فقرات جو اس کے فاسد اغراض کے منافی ہوں ان کو حذف کرنا' متناقض
باتیں بیان کرنا' مجلس کے خاتمہ پر ناجائز اور حرام دعائیں مانگنا' ایک قصہ کو
دوسرے قصہ میں داخل کرنا' اپنے کلام کو زینت دینے اور مجلس کو بارونق بنانے
کے لئے مضحکہ خیز حکایات اور کافرین کے اقوال کو بطورِ استشہاد بیان کرنا' مطالبِ
منکرہ کے اثبات میں فاسقین و فاجرین کے اشعار پیش کرنا' اصولِ دین میں شبہات
و اعتراضات ذکر کرکے ان کے جوابات نہ دینا یا ان کے دفع اور جواب کی طاقت
نہ رکھنا' کمزور اعتقاد مسلمان کے سامنے اصولِ دین کے مرتبہ کو پست اور خراب
کرنا' اہلِ بیتِ نبوت علیہم السلام کی عصمت و طہارت کے منافی چیزوں کو بیان
کرنا' فاسد اغراض کے لئے اپنے بیان کو طول دینا' حاضرین کو نماز کے اوقاتِ
فضیلت سے محروم کرنا اور ان جیسے اور مفاسد جن کا احصاء اور شمار حقیر (صاحبِ
کتاب) کی طاقت و قوت سے باہر ہے۔ اگر وہ اس قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو گیا
تو اس کاسب (ذاکر و خطیب) کا اصل سرمایہ (فیس) چند وجوہ کی بنا پر حرام اور
اس کے ساتھ کسب کرنا ایسے ہو جائے گا جیسے کوئی لحمِ خنزیر اور میتہ و مسکر یا غنا
کے ساتھ کسب و تجارت کرتا ہے۔ اور جب اس ذاکری و خطابت سے اس کا
قصد حرام ہوگا' یعنی مال و جاہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوگا اور بیان بھی حرام
ہوگا' یعنی مفاسدِ مذکورہ کو بیان کرتا ہوگا۔ لہٰذا اگر اس اعتبار سے مال و دولت جمع
کرے گا تو وہ سب کچھ خراب در خراب اور حرام در حرام ہوگا اور فیس دینے
والے بانیٔ مجلس کی طرف سے بھی مشغول الذمہ (مقروض) رہے گا۔

بلکہ اگر کوئی ذاکر و خطیب اس فن میں اتنی وجاہت و ریاست رکھنے لگے کہ
دوسرے (ذاکر) اس کی اقتداء کرنے لگیں اور اس سے غلط مضامین کو یاد کرکے
ان کو اسی کے طریقہ پر بیان کرنے لگیں تو ان تمام خطیبوں اور ذاکروں کے مفاسد
اور خرابیوں میں اور جن لوگوں نے ان سے مضامین کو یاد کیا ہے یومِ محشر تک ان
تمام کی خرابیوں میں بھی ان کا شریکِ سہیم اور حصہ دار ہوتا رہے گا۔ اور جو کچھ
وہ لوگ اس سے سیکھ کر یاد کرتے رہیں گے وہ سب کچھ فرشتے اس کے نامۂ اعمال
میں لکھتے رہیں گے اور متعدد روایات کے مطابق اس ذاکر و خطیب سے سیکھ کر
بیان کرنے والے لوگوں کے گناہوں سے بھی کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ جیسے کہ ائمہ
معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے۔

"من استن بسنة سیئة فعلیه وزرها و وزر من عمل
بها من غیر ان ینقص من اوزارهم شئی ء۔"

"جو شخص کسی برُے طریقہ کی داغ بیل ڈالے۔ پس جو لوگ اس پر عمل
کریں گے بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے
ان تمام کا گناہ اس (داغ بیل ڈالنے والے) پر بھی ہوگا۔"

(اختصاصِ مفید۔ ص ۲۵۱' نیز بحار الانوار۔ ج ۱۷۔ ص ۲۵۸)

پس بے چارہ جاہل خطیب و ذاکر اگر اپنی حالت اور اہلِ بیت علیہم السلام
سے پہنچنے والے آثار میں تھوڑا سا بھی تامل کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان
مصائب پر مشتمل کئی مجالس ترتیب دے جنہیں اس نے اپنے اختیار و شعور سے
اپنایا ہے اور انہیں خود اپنے لئے پڑھے' روئے' آہ و فغاں کرے اور افسوس
کرے کہ کتنی نعماتِ جمیلہ سے محروم ہوا ہے جب کہ خود اس نے دوسروں کو ان

سے مستفیض کیا ہے' اور کیسے خراب دفتر میں اپنا نام لکھوایا ہے حالانکہ تھوڑی سی ہمت' اخلاصِ نیت اور باطن کی تطہیر کے ذریعے اپنے نام کو ناصرین' مادحین اور ناشرینِ تعلیماتِ اہلِ بیتؑ کی فہرست میں درج کروا سکتا تھا۔ "ان ھذا الاخسران مبین" (سورہ حج ۲۲- آیت ۱۱ سے اقتباس)

(۳) - (ذاکرین کے بارے میں
بانیانِ مجلس اور عزاداروں کی ذمہ داری)

یہاں اس گفتگو میں ہمارا مقصد ذاکر اور خطیب کی تکلیف کا بیان ہے کہ اسے اس فن میں کس طرح مشغول ہونا چاہئے اور اس صنعت کو جسے اس نے اختیار کیا ہے اور جس کی روح اخلاص ہے' اسے کس طرح بجالانا چاہئے۔

ضروری ہے کہ اس عمل کے بجالانے کے وقت اس کا قصد اور محرک خداوندِ عالم کے امر کی اطاعت اور رسولِ مقبولؐ و ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم کی خوشنودی اور صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نصرت ہو۔ کیونکہ وہ خود معتقد ہے اور دوسروں کو ترغیب دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس ماتم کدہ میں ارواحِ مقدسہ حاضر و ناظر اور گریہ کرنے والوں کے ساتھ عزاداری میں مشغول ہیں۔ لہٰذا مجلس پڑھنے اور مومنین کو رلانے میں اس کا محرک ریاء اور مالِ دنیا کا حصول نہیں ہونا چاہئے۔

مگر دوسرے لوگ جو ذاکر اور خطیب سے نفع اٹھا رہے ہیں اور بیشمار فیوضات حاصل کر رہے ہیں وہ بانی مجلس ہوں یا اس کے علاوہ دیگر حاضرین ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کی انتہائی درجہ کی اعانت و توقیر کریں اور اپنی طاقت و

قوت کے مطابق مال و زبان و باقی جوارح کے ساتھ اس کی مدد و معاونت کریں۔ وہ جس قدر بھی اس کے ساتھ حسنِ سلوک کریں' اس کے اس حق کو پورا نہیں کر سکتے جو اس نے اپنے اس عمل کی وجہ سے ان پر عائد کیا ہے' جس قدر بھی اسے متاعِ دنیا میں سے دیں گے یا اس کی تعظیم و توقیر بجالائیں گے ان کی یہ تمام کوششیں ان ہزارہا بہشتی لباسوں کی ایک تار اور تاگے کے برابر نہیں ہو سکتیں جو انہوں نے اس کی بدولت حاصل کئے ہیں۔ پس جو کچھ انہوں نے دیا ہے اسے قلیل سمجھیں اور جو کچھ اس کی توقیر و تعظیم بجالائے ہیں کم ہے اور یہ مطلب گزشتہ بدیہی مقدمات کے موافق اور ائمہ طاہرینؑ کی اس پسندیدہ سیرت کے مطابق ہے جو معصومینؑ نے ان ذاکرین کے گروہ اور ان جیسے معلمینِ قرآن اور مدح کرنے والوں سے برتی ہے۔

شیخِ جلیل ابنِ شہر آشوبؒ نے اپنی مناقب میں روایت کی ہے کہ۔

"منصور نے حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ نوروز کے دن ایک مخصوص مقام پر تشریف رکھیں تاکہ لوگ آپ کو تہنیت و مبارک باد پیش کریں۔ (ظاہراً اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ آپؑ اس جبار کی نیابت میں بیٹھیں) اور لوگوں کی طرف سے پیش کئے جانے والے تحفے اور ہدیئے وصول کریں۔

حضرتؑ نے فرمایا : میں نے اپنے جد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث و اخبار میں اسے تلاش کیا لیکن اس عید کے بارے میں کوئی خبر نہیں پائی' یہ ایرانیوں کی سنت ہے' اسے اسلام نے محو کر دیا ہے اور معاذاللہ کہ جس چیز کو اسلام نے ختم کیا ہے میں اسے زندہ

کروں۔

منصور نے کہا : میں یہ کام لشکر کی سیاست کی وجہ سے کررہا ہوں‘ آپ کو خداوندِ عظیم کی قسم دیتا ہوں کہ تشریف فرمایئے۔

پس حضرت تشریف فرما ہوئے اور ملوک و امراء اور عساکر آپؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوتے‘ تہنیت کہتے اور اپنے اپنے تحائف و ہدایا حضرتؑ کی خدمت میں پیش کرتے۔ منصور کا ایک خادم حضرتؑ کے پیچھے کھڑا ان اموال کو نوٹ کرتا جاتا تھا۔ آخر میں ایک بوڑھا مرد داخل ہوا اور اس نے عرض کی : اے دخترِ رسول اللہؐ کے بیٹے میں ایک فقیر آدمی ہوں‘ میرے پاس کوئی ایسا مال نہیں جسے آپؑ کی خدمت میں تحفہ کروں لیکن آپؑ کی خدمت میں میرا ہدیہ یہ تین اشعار ہیں جو میرے دادا نے آپؑ کے جدِ بزرگوار حسین ابنِ علیؑ کی شان میں کہے ہیں۔

عجب لمصقول علاک فرنده
یوم الهیاج و قدعلاک غبار

اس چمکتی تلوار پر تعجب ہے جس کی تیز دھار اس روز آپ پر پڑی جس دن غبارِ جنگ نے اٹھ کر آپ کو چھپایا ہوا تھا۔

ولا سهم نفذتک دون حرائر
یدعون جدک والدموع غزار

اور تعجب ہے ان تیروں پر جو مخدراتِ عصمت کی نگاہوں کے سامنے آپ کے جسمِ اطہر میں پیوست ہوئے۔ وہ مخدراتِ عصمت آپ کے نانا

کو پکارتی تھیں جب کہ کثرت سے ان کے آنسو بہہ رہے تھے۔

الا تضعضعت السهام و عاقها
عن جسمک الا جلال والاکبار

(ہائے) کیوں تیرے جلال و کبریائی نے انہیں تیرے جسم سے دور نہ رکھا۔

حضرتؑ نے فرمایا : میں نے تیرا ہدیہ قبول کیا‘ خدا تجھے برکت دے۔ پس آپؑ نے اپنا رخِ اقدس اس خادم کی طرف کیا اور اس سے فرمایا : جاؤ منصور کے پاس اور اس سے اس مال کی تفصیل بیان کرو اور پوچھو کہ اس مال کا کیا کرنا ہے؟ پس خادم گیا اور واپس آیا اور اس نے کہا کہ حضور منصور کہتا ہے کہ میں نے یہ سارا مال حضرت کو ہبہ کردیا ہے‘ وہ جو چاہیں اس کا کریں۔ پس حضرتؑ نے اس بوڑھے مرد سے فرمایا : یہ تمام مال اٹھالو کیونکہ میں نے یہ سارا مال تمہیں بخش دیا ہے۔" (مناقب ابنِ شہر آشوب۔ ج۴۔ ص۳۱۸‘۳۱۹)

نیز وہیں یہ روایت بھی کی ہے :

"ابو عبدالرحمٰن سلمی ☆ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک فرزند کو سورۂ حمد کی تعلیم دی۔ جب اس بچے نے یہ سورہ اپنے پدرِ بزرگوار (امام حسین علیہ السلام) کے سامنے پڑھا تو آپؑ نے اس معلم کو ایک ہزار اشرفی اور ایک ہزار لباس عطا فرمائے اور اس کے منہ کو

☆ ۔ مشہور قاری ہیں‘ انہوں نے امیرالمومنین حضرت علیؑ کے سامنے پورے قرآن کی تلاوت فرمائی تھی۔

موتیوں سے بھر دیا۔ پس بعض لوگوں نے جسارت کرتے ہوئے کہا کہ حضرت نے اس معلم کو جو عطیہ دیا ہے وہ اس کے کام سے بہت زیادہ ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا : میرا یہ عطیہ اس معلم کے عطیہ (یعنی تعلیمِ قرآن) کے برابر کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ جو کچھ بھی اسے دیا جائے اس کے کام کے مقابلہ میں کم ہے۔"

(مناقب ابنِ شہر آشوب۔ ج ۴۔ ص ۶۶)

اور ابو علی پسرِ شیخ طوسی رحمہ اللہ علیہما نے اپنی امالی میں حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"میں اپنے آقا حضرت صادق علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ آپؑ کی خدمت میں آپؑ کی مدح کی غرض سے اشجع سلمی حاضر ہوا۔ اس نے حضرت کو بیمار پایا اور چپ ہو کے بیٹھ گیا۔ میرے آقا حضرت صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ میری بیماری کی پروا نہ کر اور تو جس مطلب کے لئے آیا ہے اسے ذکر کر۔ اس نے کہا "البسک اللّٰه منه عافیه" "یعنی خدا آپ کو اس بیماری سے عافیت دے۔" (اس نے مزید اشعار بھی کہے) جب وہ یہ شعر پڑھ چکا تو حضرتؑ نے اپنے ایک غلام سے فرمایا : تیرے پاس کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ چار سو درہم ہیں۔ فرمایا : وہ دراہم اشجع کو دے۔ پس اشجع نے وہ لے لئے اور آپؑ کا شکریہ ادا کرتا ہوا چلا گیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا : اسے واپس بلا لاؤ۔ جس وقت وہ واپس آیا عرض کی : میرے سردار ! میں نے سوال کیا' آپؑ نے عطا کیا اور مجھے بے نیاز کردیا' پھر مجھے کس چیز کے

لئے واپس بلایا ہے؟ فرمایا : مجھ سے میرے پدرِ بزرگوار نے بیان کیا' انہوں نے اپنے آباؤاجداد سے اور انہوں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا : بہترین عطیہ وہ ہے جو نعمت کو باقی رکھے۔ (یعنی لینے والے کے لئے دائمی ہو) اور جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے وہ دائمی نعمت نہیں ہے۔ یہ میری انگشتری ہے' اگر لوگ تجھے دس ہزار درہم دیں تو اسے بیچ دینا ورنہ اس کو فلاں وقت میرے پاس لے آنا کہ میں تجھے اس وقت دس ہزار درہم دوں گا۔"

(امالی شیخ طوسی۔ ج ۱۔ ص ۲۸۸)

اور قطب راوندی نے کتاب "خرائج" میں روایت کی ہے :

"جس وقت فرزدق شاعر ☆ نے ہشام کے سامنے حضرت سجاد علیہ السلام کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ پڑھا تو حضرتؑ نے اس کے واسطے کچھ اشرفیاں بھیجیں۔ فرزدق نے ان اشرفیوں کو واپس کردیا اور عرض کی کہ میں نے وہ قصیدہ محض اپنے دین کے لئے پڑھا ہے۔ پس حضرت نے وہ اشرفیاں دوبارہ اس کو بھیجیں اور فرمایا : خداوندِ عالم تیرے اس کام پر راضی ہے (یعنی اس کے بدلے اجرِ آخرت بھی ملے گا) اور جب ہشام نے اسے قید کیا تو حضرت نے اسے چھڑایا اور جب حکام نے اس کا

☆ ۔ وہ بصرہ سے تعلق رکھنے والا ہمام بن غالب' ابو فراس عرب کا مشہور شاعر تھا۔ وہ ہشام بن عبد الملک کے ساتھ حج کے لئے آیا تھا' اس سال امام سجادؑ بھی حج کر رہے تھے۔ ہشام لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے حجرِ اسود کا استلام نہیں کرپارہا تھا' لیکن امام سجادؑ کے آتے ہی لوگ کاہی کی طرح چھٹ گئے' امامؑ کو راستہ دیا اور امامؑ نے نہایت آسانی سے حجرِ اسود کو استلام کیا۔ یہ دیکھ کر ایک شامی شخص نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

نام سلطنت کے وظیفہ خواروں کے رجسٹر سے محو کردیا تو اس نے حضرتؑ کے پاس شکایت کی۔ آپؑ نے فرمایا : کتنا وظیفہ ملتا تھا؟ اس نے وہ مقدار بتائی تو حضرتؑ نے اسے آنے والے چالیس سال تک کا مال دیا اس کے بعد فرزدق چالیسویں سال وفات پاگیا۔"

(الخرائج والجرائح۔ ج۱۔ ص۲۶۷)

اور شیخ کشی نے بھی اس واقعہ کو روایت کیا ہے اور اس طرح لکھا ہے :

"حضرتؑ نے اس کو بارہ ہزار درہم بھیجے اور فرمایا : اے ابوفراس! ہمیں معذور سمجھ' اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوتے تو ہم تجھے بہرصورت عطا کرتے۔ پس فرزدق نے وہ درہم واپس کردیئے اور عرض کی : اے فرزندِ رسولؐ ! میں نے وہ قصیدہ محض اس غصہ کی وجہ سے پڑھا ہے جو مجھے خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے لئے (ہشام) پر آیا تھا۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اس (خوشنودی) سے کمی کروں۔ پھر حضرتؑ نے اس کو وہ درہم واپس بھیجے اور فرمایا : میں تجھے اپنے اس حق کا واسطہ دیتا ہوں جو میرا تجھ پر ہے' اس رقم کو قبول کرلو۔ پس بتحقیق خداوندِ عالم نے تیرا مرتبہ (خلوص) دیکھ لیا اور تیری نیت کو جان

(بقیہ گزشتہ صفحے کا حاشیہ) ہشام سے دریافت کیا : یہ کون ہے؟ ہشام نے انجان بنتے ہوئے جواب دیا : میں نہیں جانتا۔ یہ دیکھ کر فرزدق نے کہا : لیکن انہیں میں جانتا ہوں اور پھر اس نے امام سجادؑ کی مدح میں فی البدیہ ایک قصیدہ انشاء کیا۔ ہشام نے اسے قید کردیا' پھر امامؑ نے اس کے لئے بھاری رقم بھیجی۔ اس کا انتقال ۱۱۰ہجری میں ہوا۔

اس قصیدے کو علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار جلد۴۶۔ صفحہ۱۲۵ تا ۱۳۰پر نقل کیا ہے اور اس کی شرح بھی تحریر کی ہے۔

لیا ہے۔ پس فرزدق نے وہ دراہم قبول کرلئے۔"

(رجالِ کشی۔ ص۱۳۲)

اور شیخ مفیدؒ نے کتاب "اختصاص" میں روایت کی ہے :

"کمیت ☆ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : کیا آپؑ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپؑ کے لئے ایک قصیدہ پڑھوں؟ حضرتؑ نے اس کو اجازت دی۔ اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ پھر حضرتؑ نے فرمایا : اے غلام ! اس کمرے سے رقم کی ایک تھیلی لے آؤ اور وہ کمیت کو دے دو۔ غلام وہ تھیلی لے آیا اور کمیت کو دے دی۔ پس کمیت نے عرض کی : میں آپؑ پر قربان ہوجاؤں کیا آپؑ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ آپؑ کے لئے دوسرا قصیدہ بھی پڑھوں؟ فرمایا : پڑھو۔ پس کمیت نے دوسرا قصیدہ بھی پڑھا۔ پھر آپؑ نے فرمایا : اے غلام اس کمرے سے رقم کی ایک تھیلی لے آؤ اور وہ اس کو دے دو۔ پس غلام وہ تھیلی اس کمرے سے لے آیا اور اس کو دے دی۔

پھر کمیت نے عرض کی : میں آپؑ پر قربان ہوجاؤں مجھے اجازت ہے کہ میں تیسرا قصیدہ بھی جناب کے لئے پڑھوں؟ فرمایا : اسے بھی

☆ ۔ کوفہ سے تعلق رکھنے والا کمیت بن زید اسدی عرب کے شعراء میں سے ایک شاعر تھا۔ وہ بنی ہاشم سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا اور اپنے اشعار کے ذریعے ان کی طرف داری کرتا تھا۔ ہاشمیات کے نام سے اس کے قصائد تھے جو جرمن زبان میں بھی ترجمہ ہوئے ہیں۔ اسے چند خصوصیات حاصل تھیں۔ خطیب بنی اسد' فقیہ شیعہ' دلیر شہسوار' ماہر تیرانداز اور سخی مرد تھا' سن ۱۲۶ہجری میں اس نے وفات پائی۔

پڑھو۔ پس اس نے اسے بھی جنابؑ کے لئے پڑھا۔ آپؑ نے فرمایا : اے غلام اس کمرے سے رقم کی ایک تھیلی لے آؤ اور اسے دے دو۔ پس وہ لے آیا اور اس کو دے دی۔ کمیت نے عرض کی : قسم بخدا ! میں نے آپؑ کی مدح اس لئے نہیں کی کہ میں آپؑ سے مال دنیا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تو یہ تعریف محض رسول اللہؐ کی خوشنودی اور آپؑ کے اس حق کے لئے کی ہے جو خدائے عزوجل نے میرے اوپر واجب کردیا ہے۔ پس حضرتؑ نے اس کے حق میں دعا کی اور غلام سے فرمایا : اس مال کو واپس لے جاکر رکھ دو۔ پس غلام نے وہ مال لے جاکر اسی کمرہ میں رکھ دیا۔" (اختصاص۔ ص ۲۷۲)

اور سید مرتضیٰ علم الھدیٰ رضی اللہ عنہ نے کتاب "غرر ودرر" میں روایت کی ہے :

"دعبل بن علی ☆ اور ابراہیم بن عباس جو دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپؑ مامون کی طرف سے ولی عہد تھے۔ پس دعبل نے یہ قصیدہ پڑھا۔

مدارس آیات خلت من تلاوة
و منزل وحی مقفر العرصات

"آیاتِ قرآنیہ کے مدرسے تلاوتِ قرآن سے خالی ہوگئے اور وحی کے

☆ ۔ دعبل بن علی خزاعی عرب کا شاعر ہے۔ اسکا اصل وطن کوفہ تھا، لیکن اس کی سکونت بغداد میں تھی۔ وہ خلفاء جیسے ہارون، مامون، معتصم اور واثق کے لئے ہجو کرتا تھا۔ اس نے طویل عمر پائی تھی وہ کہتا تھا : پچاس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

اترنے کے گھروں کے صحن خالی پڑے ہیں۔"

اور ابراہیم بن عباس نے قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ازالت عزاء القلب بعد التجلد
مصارع اولاد النبی محمد

"دلیری کے بعد دل کے صبر کو نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی ہلاکتوں نے زائل کردیا۔"

پس حضرتؑ نے ان دونوں شاعروں کو بیس ہزار درہم بخشے جن پر حضرت کا اسم مبارک کندہ تھا اور مامون نے جاری کئے تھے۔ دعبل اپنا نصف حصہ قُم میں لے آیا۔ اہلِ قم نے اس سے یہ درہم خرید لئے اور اسے ہر درہم کے بدلے دس درہم دیئے۔ یوں اس نے اپنا حصہ ایک لاکھ درہم میں بیچا اور ابراہیم نے اپنا حصہ مرنے تک محفوظ رکھا۔"

(غرر ودرر (امالی شیخ صدوق)۔ ج۱۔ ص ۴۸۴)

اور کتاب "عیون" میں روایت کی گئی ہے کہ اس نے ان درہم میں سے کچھ مقدار ہدیہ کو دی جس سے اس کی تجہیز و تکفین ہوئی۔

اور روایات میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ دعبل کے اس مذکورہ قصیدے (مدارسِ آیات) کے پڑھنے پر حضرتؑ نے اسے کیا کچھ دیا اور بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرتؑ نے اس کو ان درہم کے علاوہ ایک انگشتری جس کا نگینہ عقیق سے تھا اور خز سبز سے بنا ہوا ایک پیرہن بھی عطا کیا اور

(بقیہ گزشتہ صفحے کا حاشیہ) سال ہوئے ہیں اپنی موت کے پھندے کو کاندھے پر اٹھائے پھر رہا ہوں، دعبل نے اہلِ بیتؑ خصوصاً حضرت امام رضاؑ کی مدح میں اشعار کہے۔ اس نے سال ۲۴۶ ہجری میں وفات پائی۔

فرمایا : اس پیرہن کو محفوظ رکھنا کیونکہ میں نے اس میں ہزار شب' ہر شب میں ہزار رکعت نماز پڑھی ہے اور اس میں ہزار قرآن ختم کئے ہیں۔

اور بعض روایات میں پیرہن کے بجائے جبہ لکھا ہوا ہے اور اہلِ قم کے ساتھ اس جبہ کے بارے میں دعبل کا ایک قصہ بھی ہے کہ بالآخر انہوں نے اس سے وہ جبہ ایک ہزار اشرفی میں خرید لیا اور اس جبہ سے ایک ٹکڑا دعبل کو دیا کیونکہ اس جبہ سے معجزہ ظاہر ہوا تھا اور دعبل نے وہ ٹکڑا اپنے کفن میں رکھ لیا۔ (عیون اخبار الرضا۔ ج ۲۔ ص ۲۶۳۔ ۲۶۵' بحار الانوار۔ ج ۴۹۔ ص ۱۴۷۔ ۲۳۴ اور ۲۶۰)

مومنین کی تنبیہ کے لئے اخبار و روایات کی یہی مقدار کافی ہے۔

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ خطیبوں اور ذاکرین کے گروہ پر اموال کا خرچ کرنا انفاق کی افضل قسم میں سے ہے کیونکہ یہ عمل حضرت سیدا لشہداء علیہ السلام کا ممدوح و مرغوب ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے اس عمل کے لئے ثوابِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

شیخ طریحی رحمہ اللہ نے کتاب ''مجمع البحرین'' میں روایت کی ہے :

''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں عرض کی : خداوندا ! کس چیز کی وجہ سے تو نے امتِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو باقی امتوں پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں نے ان کو دس خصلتوں کی وجہ سے فضیلت دی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی : وہ دس خصلتیں کون سی ہیں کہ میں بھی بنی اسرائیل کو ان پر عمل کرنے کا حکم دوں؟ پس خداوند تبارک و تعالیٰ نے فرمایا : نماز'

زکوۃ' روزہ' حج' جہاد' جمعہ' جماعت' قرآن' علم اور عاشورا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی : اے میرے پروردگار ! عاشورا کیا چیز ہے؟ فرمایا : محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نواسہ (حسین ابنِ علیؑ) پر گریہ کرنا اور رونا اور فرزندِ مصطفیؐ کی مصیبت پر مرثیہ خوانی اور عزاداری کرنا۔ اے موسیٰؑ ! میرے بندوں میں سے جو بھی اس زمانہ میں فرزندِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر روئے گا یا ''تباکی'' کرے گا یا ان کی عزاداری کرے گا اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

''وما من عبدا انفق (من مالہ) فی محبۃ ابن بنت نبیہ طعاما و غیر ذالک درھما (او دینارا) الا بارکت لہ فی دار الدنیا الدرھم بسبعین درھما' وکان معافی فی الجنۃ' وغفرت لہ ذنوبہ''

''جو بندہ بھی اپنے نبی (محمد مصطفیؐ) کی دختر کے پسر (امام حسین علیہ السلام) کی محبت میں طعام یا کسی اور صورت میں ایک درہم خرچ کرے گا میں دارِ دنیا میں اس کے ایک درہم کے بدلے ستر درہم کی برکت دوں گا اور وہ شخص جنت میں باعافیت ہو گا اور میں اس کے گناہوں کو بخش دوں گا۔'' (مجمع البحرین۔ ص ۲۰۷۔ مادہ عاشورا)

چونکہ اس شرط (اخلاص) میں اختصار ملحوظِ خاطر ہے اس لئے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

❑*❑

فصلِ دوم

ذاکرین کے منبر کے دوسرے زینے کے بارے میں جو "صدق" ہے

ان چند نکات کی صورت میں اس کی وضاحت کریں گے :

(۱) - صدق کی تعریف اور اس کے مرتبہ کی عظمت۔

(۲) - جھوٹ بولنے کی مذمت اور دنیا و آخرت میں اس کے مفاسد کا بیان۔

(۳) - جھوٹ بولنے کی عظیم ترین معصیت اور خداوندِ عالم تبارک و تعالیٰ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و ائمۂ طاہرین علیہم السلام پر بہتان باندھنے کا گناہ۔

(۴) - جھوٹ کی اقسام اور اس کے احکام کی جانب اشارہ۔

(۵) - اس مقام میں صدق اور راست گوئی سے کیا مراد ہے؟

مقامِ اول

صدق کی تعریف اور اس کے مرتبہ کی عظمت

جان لیجئے کہ سچائی کی خصلت اور راست گوئی کی سیرت افضل کمالاتِ انسانیہ میں سے ہے۔ اس (صدق) کے حسن اور اس کے ترک کرنے کی بُرائی پر ہر ملت کے تمام اہلِ خرد متفق ہیں۔ یہاں کتاب و سنت سے اس کے فضائل و مدائح ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مگر ان میں سے کچھ فضائل کا ذکر کئے بنا چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ آیاتِ قرآن اور ان بزرگوں کے اقوالِ بلیغہ متبرک و بابرکت ہونے اور ویران دلوں کے نورانی ہونے کا وسیلہ ہونے کے ساتھ ساتھ بکثرت دیگر فوائد کے بھی حامل ہیں جو قلوب کو عروۃ الوثقا کے صدق سے تمسک اور راست گوئی کی حبلِ متین سے اعتصام پر مائل کرتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کی تعریف میں فرماتا ہے :

"ومن اصدق من اللہ حدیثا"

"بات کہنے اور وعدہ پورا کرنے میں خدائے تعالیٰ سے زیادہ کون راست گو اور سچا ہو سکتا ہے۔" (سورہ نساء ۴۔ آیت ۸۷)

اور دوسری جگہ پر فرمایا :

"ومن اصدق من اللہ قیلا" (سورہ نساء ۴۔ آیت ۱۲۲)

"اور خدا سے زیادہ راست گو کون ہو سکتا ہے۔"

اور اپنے بندوں کے ایک گروہ کی تعریف میں فرمایا :

"الصابرین والصادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین بالاسحار"

"یہی لوگ ہیں صبر کرنے والے اور سچ بولنے اور خدا کے فرمانبردار اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے اور پچھلی راتوں میں خدا سے توبہ و استغفار کرنے والے۔" (سورہ آلِ عمران ۳۔ آیت ۱۷)

نیز فرمایا :

"ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم لھم جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ ذالک الفوز العظیم"

"یہ وہ دن ہے کہ جس میں صادقین کو ان کی صداقت اور راست گوئی نفع دے گی۔ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ درحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے خدائے تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ لوگ خدا سے راضی ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔"

(سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۱۱۹)

اور فرمایا :

"کونوا مع الصادقین"

"مومنین کو حکم دیا کہ تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

(سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۱۹)

اور خداوندِ عالم نے سورۂ احزاب میں اپنے بندوں میں سے مردوں اور

عورتوں کے چند گروہوں کا ذکر فرمایا کہ ان میں سے کچھ مرد اور عورتیں راست گو
ہیں اور آخر میں فرمایا :

"اعداللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما"

"خدا نے ان کے واسطے مغفرت اور ثوابِ عظیم مہیا کر رکھا ہے۔"

(سورہ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۵)

نیز فرمایا :

"والذی جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ھم المتقون
لھم ما یشاء ون عند ربھم ذالک جزا والمحسنین'
لیکفر اللہ عنھم اسواء الذی عملوا و یجزیھم اجر ھم
باحسن الذی کانوا یعملون"

"اور جو شخص (رسول) سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق
کی یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں۔ یہ لوگ جو چاہیں گے ان کے لئے ان کے
پروردگار کے پاس موجود ہے یہی نیکی کرنے والوں کی جزائے خیر ہے تاکہ
خدا ان لوگوں کی بُرائیوں کو جو انہوں نے کی ہیں دور کردے اور ان کے
اچھے کاموں کے عوض جو وہ کر چکے تھے اس کا ان کو اجر و ثواب عطا
فرمائے۔" (سورہ زمر ۳۹۔ آیت ۳۳ تا ۳۵)

اور ان کے علاوہ اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔

شیخ کلینیؒ نے "کافی" جلد ۲۔ صفحہ ۱۰۴ میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے
روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"جس شخص کی زبان راست گو ہے اس کا عمل پاکیزہ اور مقبول ہے۔"

نیز کافی ہی میں جنابؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"اے لوگو ! تم دوسروں کو بھلائی اور خیر کی طرف دعوت دینے والے
ہو جاؤ۔ محض زبانی دعوت دینے والے نہ بنو بلکہ اس طرح بنو کہ
دوسرے لوگ امرِ دین میں تمہاری سعی اور کوشش دیکھیں اور گناہوں
سے تمہارے پرہیز و اجتناب کا ملاحظہ کریں۔ کیونکہ لوگ جب کسی میں
عملی طور پر ان صفات کو دیکھتے ہیں تو خیر کی طرف راغب ہوتے ہیں اور
خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اگرچہ وہ آدمی ان کو امر و نہی نہ بھی
کرے۔ اگر وہ لوگ ان صفات کو اس شخص میں نہ دیکھیں تو اس کا کچھ
بھی کہنا اور نصیحت کرنا کسی طرح بھی فائدہ مند نہیں ہوتا۔"

(اصولِ کافی۔ ج ۲۔ ص ۱۰۵)

نیز عمر بن ابی المقدام سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا : جب میں
پہلی مرتبہ حضرت باقر علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپؑ نے مجھ سے
فرمایا :

"حدیث سے پہلے سچ کہنا سیکھو (یعنی حدیث کی روایت اور جمع و نقل
کرنے سے پہلے راست گوئی کو اپنا شعار بناؤ۔)"

(اصولِ کافی۔ ج ۲۔ ص ۱۰۵)

نیز ربیع بن سعد سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے ان
سے فرمایا :

"اے ربیع بہ تحقیق آدمی جب بھی سچ بولتا ہے خدا اس کو صدیق کے نام
سے لکھ دیتا ہے (یعنی اس کا نام صدیقین کے دفتر میں درج ہو جاتا

ہے۔)" (اصولِ کافی۔ ج۲۔ ص ۱۰۴)

نیز کلینیؒ، صدوقؒ اور برقیؒ نے متعدد اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"اے علیؑ ! میں تمہیں اپنی طرف سے چند خصائل کی وصیت کرتا ہوں۔ اے اللہ علی کی اعانت کر۔ ان میں سے پہلی خصلت راست گوئی ہے۔ تیرے منہ سے کبھی کوئی جھوٹ نہ نکلے۔" (اصولِ کافی۔ ج۸۔ ص۷۹، من لا یحضرہ الفقیہ۔ ج۴۔ ص۱۸۸، محاسن برقی۔ ج۱۔ ص۱۷)

نیز جناب صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"خداوندِ عالم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر صدق اور نیکوکار اور بدکار کے ساتھ امانتداری کے ساتھ۔ (یعنی ہر پیغمبر راست گوئی اور نیک و بد آدمیوں کو ادائے امانت کی صفت رکھتا تھا۔)"

(اصولِ کافی۔ ج۲۔ ص ۱۰۴ اور ۱۰۵)

نیز آنجنابؑ ہی سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"لوگوں کی نمازوں اور روزوں سے دھوکا مت کھاؤ کیونکہ اکثر اوقات آدمی نماز اور روزہ پر اتنا حریص ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی وقت ادا نہ کرسکے تو وحشت زدہ ہوجاتا ہے (یعنی زیادہ نماز پڑھنا اور روزے رکھنا آدمی کے اچھا ہونے کی علامت نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نماز روزہ اس کی عادت بنے ہوئے ہوں۔) لیکن ان کی آزمائش اور امتحان، گفتگو میں راست گوئی اور امانت کے واپس دینے کے ذریعے کرو۔" (حوالہ سابق)

نیز ابی کَھمَس سے روایت کی گئی ہے کہ میں نے حضرت ابوعبداللہ

(یعنی حضرت صادق علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کی کہ عبداللہ بن ابی یعفور جناب کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا : تم پر اور اس پر سلام ہو۔ جب تم عبداللہ کے پاس جاؤ تو میرا سلام پہنچانا اور اس سے کہنا :

"غور کرو کہ کس چیز کی وجہ سے علی علیہ السلام رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرب ہوئے (یعنی کس خصلت کی وجہ سے ان کے نزدیک صاحبِ مرتبہ و مقام ہوئے)۔ پس اس خصلت کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ پس بہ تحقیق علی علیہ السلام نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ رتبہ و مقام راست گوئی و ردِّ امانت کے سبب پایا۔" (حوالہ سابق)

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"آدمی کے طولانی رکوع و سجود کو نہ دیکھو کیونکہ (ہوسکتا ہے) یہ تو اس نے اپنی عادت بنائی ہوئی ہے۔ وہ اگر اس عادت کو کسی وقت ترک کرے تو اسے وحشت و گھبراہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن تم اس کی راست گوئی اور ردِّ امانت کو دیکھو۔" (حوالہ سابق)

نیز عبدالرحمٰن بن سیابہ سے روایت کی گئی ہے کہ اس سے حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا :

"کیا میں تجھے وصیت نہ کروں۔ اس نے کہا میں نے عرض کیا ہاں، میں آپؑ پر قربان ہوجاؤں مجھے وصیت کیجئے۔ فرمایا : تو اپنے اوپر سچ کہنے اور صاحبِ امانت کی طرف امانت واپس کرنے کو لازم کرلے تاکہ تو لوگوں کے ساتھ ان کے اموال میں اس طرح شریک ہوجائے (اور آپ

نے (یہ کلام فرماتے ہوئے) الفت و اتصال کی تصویر دکھانے کے لئے
اپنے دست مبارک کی انگلیوں کو جمع اور متصل کیا۔) راوی کہتا ہے کہ
میں نے حضرتؑ کی نصیحت کو یاد رکھا (یعنی اس کے مطابق عمل کیا۔)
پس میں نے تیس ہزار درہم زکوۃ نکالی۔ (یعنی اس عمل کی وجہ سے میرا
مال اس مقدار تک پہنچا کہ جس کی زکوۃ اس قدر ہوئی۔)"

(اصولِ کافی۔ ج ۵۔ ص ۱۳۴)

اور "امالی" صدوق علیہ الرحمہ و کتاب "جعفریات" میں جناب رسولِ خدا
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"قیامت کے دن تم تمام لوگوں میں سے میرے نزدیک تر اور جس پر
میری شفاعت واجب ہوگی وہ شخص ہوگا جو بات کرنے میں تم میں زیادہ
راست گو ہے۔"

(امالی صدوق۔ مجلس ۷۶۔ ص ۴۵۶، جعفریات۔ ص ۱۵۰)

نیز دوسری (کتاب جعفریات) میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"گفتگو میں راست گوئی مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔"

(جعفریات۔ ص ۱۵۱)

اور کتاب "اخلاق" ابوالقاسم میں مروی ہے :

"ایک شخص نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سوال
کیا کہ مومن کس علامت کے ذریعے پہچانا جاتا ہے۔ آپؐ نے
فرمایا : اپنے وقار و نرمی و اطمینان اور بات میں اپنی راست گوئی کے

ذریعے۔" (کتاب اخلاق۔ مخطوط)

امالی "صدوق" میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے
فرمایا :

"خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین شخص وہ ہے جو اپنی بات
میں انتہائی راست گو ہو اور جو ردِّ امانت کے ساتھ ساتھ اپنی نماز اور ہر
اس چیز کی جو خداوندِ عالم نے اس پر واجب کردی ہے محافظت کرنے والا
ہے۔" (امالی صدوق۔ مجلس ۴۹۔ ص ۲۶۲)

نیز "امالی" اور کتاب "عیون" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے
مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"لوگوں کی کثرتِ نماز و روزہ اور کثرتِ حج و نیکی کو نہ دیکھو اور نہ ہی
رات کو (یعنی مناجات و تضرع کے وقت) ان کی آہستہ صداؤں کو دیکھو
بلکہ بات کہنے میں ان کی راست گوئی اور ردِّ امانت کو دیکھو۔"

(امالی صدوق۔ مجلس ۵۰۔ ص ۲۶۹، عیونِ اخبار الرضا۔ ج ۲۔ ص ۵۱)

اور کتاب "تہذیب" شیخ طوسی طاب ثراہ میں حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام
سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"میرے والد نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں جس میں ہوں اس کا ایمان
کامل ہے، ہرچند اس کے سر سے پیر تک اس کے گناہ ہوں، تب بھی
ایمان میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ سچائی، ادائے امانت، حیا اور حسنِ خلق۔"

(تہذیب۔ ج ۶۔ ص ۳۵۰)

اور سبطِ شیخ طبرسی نے کتاب "مشکوۃ الانوار" میں حضرت جعفر صادق علیہ

السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"بہ تحقیق ایمان کی حقیقت میں سے یہ ہے کہ آدمی ایسے مقام پر بھی سچائی کو جھوٹ پر ترجیح دے جہاں سچائی اسے ضرر دے رہی ہو اور جھوٹ سے کچھ منفعت حاصل ہو رہی ہو۔ اور اس کی گفتار اس کے کردار سے تجاوز نہ کرے (یعنی جو کچھ کہتا ہو وہی کرتا ہو اور ایسی بات نہ کہتا ہو جسے خود نہ کرتا ہو۔)" (مشکوۃ الانوار۔ ص ۱۷۲)

ظاہراً اس ضرر سے مراد منفعت کا حاصل نہ ہونا ہے نہ کہ مال و بدن یا ناموس یا اپنی عزت یا اپنے برادرانِ ایمانی کی عزت میں خسارہ اور نقصان مراد ہے کیونکہ ان مقامات میں سچ نہ کہنا جائز بلکہ بعض حالات میں تو واجب ہے۔

اور نہج البلاغہ میں یہ مضمون حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

"علامۃ الایمان ان توثر الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک"

"ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو سچائی کو جھوٹ پر ایسی جگہ ترجیح دے جہاں تجھے سچ بولنے سے ضرر ہو رہا ہو اور جھوٹ تجھے نفع دے رہا ہو۔" (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار نمبر ۴۵۸)

نیز امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"سچ کہنا نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے اور نیکی بہشت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ جب تم میں سے کوئی آدمی ہمیشہ سچ کہے یہاں تک کہ اس کے دل میں ایک سوئی کی مقدار جتنا جھوٹ بھی نہ رہے تو وہ خداوندِ تبارک و

تعالیٰ کے نزدیک ایک راست گو شمار ہوگا (یعنی صدیقین کی سلک میں شمار ہوگا۔)" (مشکوۃ الانوار۔ ص ۱۷۲)

نیز جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے ایک طولانی خطبہ کے ضمن میں فرمایا۔

"اے لوگو ! آگاہ رہو، راست گو ہو جاؤ۔ کیونکہ خداوندِ عالم سچوں کے ساتھ ہے اور جھوٹ بولنے سے بچو۔ کیونکہ جھوٹ ایمان سے دور ہے اور آگاہ رہو کہ سچا آدمی محلِ نجات و کرامت میں ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ جھوٹا تباہی و ہلاکت میں ہے۔" (مشکوۃ الانوار۔ ص ۱۷۲)

نیز حضرت علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس کسی میں ہوں اس کا اسلام کامل ہے اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہے اور وہ خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں ایسی حالت میں حاضر ہوگا کہ اللہ اس سے راضی ہوگا۔ (۱) جو کچھ اس نے اپنے لئے عہد کیا ہے یا دوسرے لوگوں کے ساتھ عہد کیا ہے اس کا پورا کرنا، (۲) لوگوں کے ساتھ اپنی زبان سے سچ بولنا، (۳) حیا اور ہر اس چیز سے عفیف ہونا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یا لوگوں کے ساتھ بُرائی محسوب ہوتی ہو، (۴) اپنے گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک برتنا۔" (مشکوۃ الانوار۔ ص ۱۷۲)

اور کتاب "مصباح الشریعہ" باب ۴۷۔ صفحہ ۴۱۰ میں مذکور ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا :

"راست گوئی زمین و آسمان میں خداوندِ عزوجل کی شمشیر ہے کہ جس جگہ پر گرتی ہے اس کو دو ٹکڑے کردیتی ہے۔"

اور حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا :

"صدق اپنے عالم میں ایسا درخشاں نور ہے جیسے سورج کہ جس کے ذریعے ہر چیز اپنی حقیقت اور ماہیت کے ساتھ بغیر کسی کمی کے واضح ہوجاتی ہے۔" (مصباح الشریعہ ۔ باب ۴۷ ۔ ص ۴۰۶)

اور دیلمی نے "ارشاد القلوب" میں روایت کی ہے :

"ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! اہلِ جنت کا عمل کونسا ہے (یعنی ایسا عمل جو اپنے انجام دینے والے کو اہلِ بہشت میں سے کردیتا ہے۔) فرمایا : سچ بولنا۔ جب بندہ راست گو ہوجاتا ہے تو نیک ہوجاتا ہے اور جب نیک ہوجاتا ہے تو اسے ایمان حاصل ہوتا ہے۔ (یعنی اس کا ایمان کامل اور تمام ہوجاتا ہے) اور جب ایمان حاصل ہوجاتا ہے تو وہ بہشت میں داخل ہوجاتا ہے۔" (ارشاد القلوب ۔ ص ۱۸۵)

اور امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"کلام کی زینت راست گوئی ہے۔" (من لا یحضرہ الفقیہ ۔ ج ۴ ۔ ص ۴۰۲، رسول اللہؐ سے)

اور قطب راوندی نے کتاب "لبِ لباب" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

"راست گوئی کو اپنا مقصود بناؤ اور اختیار کرو۔ اگر تمہارے گمان میں

اس میں ہلاکت ہے تو پس بہ تحقیق اس میں حقیقتاً نجات ہے۔"

نیز امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"جس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فاطمہ علیہا السلام کی میرے ساتھ تزویج کی تو مجھے وصیت کی اور فرمایا : تم سچ کہنے کو اپنے اوپر لازم کرنا۔ کیونکہ سچ بولنا مبارک ہے اور جھوٹ بولنا نحوست۔" (لب لباب ۔ مخطوط)

نیز روایت کی ہے کہ آیہ شریفہ "یاایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقة" (اے ایمان والو ! جب پیغمبر سے کوئی پوشیدہ بات کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو۔ سورہ مجادلہ ۵۸ ۔ آیت ۱۲) جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی اور آپؑ کے سوا کسی شخص نے اس آیہ پر عمل نہیں کیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت آپؑ کے پاس ایک دینار تھا آپؑ نے اس کو دس درہم سے فروخت کیا اور وہ درہم دس مساکین کو عطا فرمائے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دس مسئلے دریافت کئے۔

(۱) ۔ عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! خداوندِ عالم سے کس طرح دعا کروں؟ فرمایا : سچائی اور وفا کے ساتھ۔

(۲) ۔ عرض کیا : خداوندِ عالم سے کس چیز کا سوال کروں؟ فرمایا : عافیت کا۔

(۳) ۔ عرض کیا : اپنی نجات کے لئے کیا کروں؟ فرمایا : حلال کھاؤ اور سچ کہو۔" (لب لباب ۔ مخطوط)

اور تفسیر شیخ ابوالفتوح میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"علیکم بالصدق' فانہ یھدی الی البر' والبر یھدی الی الجنۃ"

"تمہارے اوپر لازم ہے کہ سچ کہو' کیونکہ صدق نیکی کرنے کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔"

اور دعائے شبِ جمعہ وغیرہ میں وارد ہے۔

"اللھم ارزقنا صدق الحدیث' و اداء الامانۃ' والمحافظۃ علی الصلوٰت"

"اے اللہ ! ہمیں سچ کہنے' ادائے امانت اور نمازوں کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرما۔" (مصباح المتہجد۔ ص۲۳۹)

مقامِ دوم

جھوٹ کہنے کی مذمت اور دنیا و آخرت میں اس کے مفاسد کے بیان میں

خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے :

"انما یفتری الکذب الذین لا یومنون"

"وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے ان کے سوا کوئی شخص بھی جھوٹ نہیں بولتا۔" (سورہ نحل ۱۶۔ آیت ۱۰۵)

اگر جھوٹ کی بُرائی کی وضاحت کے لئے کوئی اور چیز نہ بھی ہوتی تو یہی آیۂ کریمہ بہرصورت مقصود (مذمتِ دروغ) کے لئے کافی اور وافی ہے۔

نیز خداوندِ عالم نے فرمایا :

"ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب"

"بے شک خدا اس کو ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والا اور جھوٹا ہو۔" (سورہ مومن ۴۰۔ آیت ۲۸)

نیز فرمایا۔

"ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین"

"جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے۔"

نیز اس مضمون پر بکثرت آیات ہیں۔

اور "کافی" میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا :

"سب سے پہلے دروغ گو اور جھوٹے کی تکذیب خداوندِ عزّوجل کرتا ہے اور اس کے بعد وہ دو فرشتے جو اس آدمی کے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد خود وہ آدمی آپ اپنی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اسے اس میں کچھ شک ہی نہیں۔ (کیونکہ یقیناً وہ جانتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔)" (اصولِ کافی۔ج۲۔ص۳۳۹)

اور نیز اس کتاب (کافی) اور کتاب "عقاب الاعمال" میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ ؑ نے فرمایا :

"خداوندِ عزوجل نے بُرائیوں کے لئے قفل مقرر کئے ہوئے ہیں اور ان قفلوں کی کنجی شراب کو قرار دیا ہے اور جھوٹ شراب سے بھی بد تر ہے۔" (اصولِ کافی۔ج۲۔ص۳۳۹، عقاب الاعمال۔ص۲۹۱)

(جھوٹ کے شراب سے بد تر ہونے کے اسباب)

مؤلف فرماتے ہیں کہ جھوٹ کے شراب سے زیادہ بڑے اور قبیح ہونے کے بارے میں کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں جن میں سے کچھ اخبار و احادیث سے ظاہر ہیں۔

اول یہ کہ : جھوٹ کے مفاسد اور اس کی خرابیاں شراب کے مفاسد سے کہیں زیادہ ہیں۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک دروغ اور جھوٹ کی وجہ سے کئی قتل ہوئے، کئی عورتوں کی عصمت دری ہوئی اور کئی مال تباہ و برباد ہوئے۔ چنانچہ کتاب "جعفریات" وغیرہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا :

"خداوندِ عزوجل زبان کو ایسا عذاب دے گا کہ اس طرح کا عذاب دوسرے اعضاء و جوارح میں سے کسی کو نہ دے گا۔ پس اس وقت زبان کہے گی۔ اے میرے پروردگار ! تو نے مجھے ایسے عذاب میں مبتلا کر دیا کہ ایسا عذاب دیگر اعضا و جوارح میں سے کسی ایک کو نہیں دیا۔ پس خداوندِ عالم اس سے فرمائے گا : (اے زبان) تجھ سے نکلا ہوا ایک کلمہ جو مشرق و مغرب تک پہنچ گیا۔ پس اس کی وجہ سے کئی بے گناہ خون بہائے گئے اور اس کی وجہ سے کئی ناجائز اور حرام اموال حاصل کئے گئے اور کئی عورتوں کی عصمت دری ہوئی۔ پس مجھے اپنی عزت کی قسم میں تجھے ایسا عذاب دوں گا کہ اس قسم کا عذاب تیرے دوسرے جوارح میں سے کسی کو نہ دوں گا۔" (جعفریات۔ص۱۴۷، ۱۴۸)

اور آیۂ شریفہ "ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین" (ایمان والو اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو ایسا نہ ہو کہ کسی قوم تک ناواقفیت میں پہنچ جاؤ اور اس کے بعد اپنے اقدام پر شرمندہ ہونا پڑے۔ سورہ حجرات۴۹۔ آیت۶) میں اسی مفسدہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ اس کے ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ جب ایسا فاسق جو جھوٹ کہنے کی پرواہ نہیں کرتا تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو صبر سے کام لو اور جلد بازی نہ کرو اور اس خبر کے سچے اور جھوٹے ہونے کی تحقیق کر لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خبر کے صدق و کذب کے متعلق جستجو نہ کرنے کی وجہ سے کسی قوم کو رنج و تکلیف میں مبتلا کر دو اور پھر اپنے کئے پر

پشیمان ہوتے رہو۔

اس فاسق سے مراد ولید بن عقبہ بن ابی معیط ہے۔ جیسا کہ اربابِ سیرو تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد اس کو بنی مصطلق کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان سے (اموال) زکات وصول کرے۔ زمانۂ جاہلیت ہی سے ولید اور بنی مصطلق کے درمیان عداوت تھی۔ جب ان لوگوں نے اسے دیکھا تو فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعظیم کی خاطر اس کے استقبال کے لئے اپنے گھروں سے نکلے۔ یہ دیکھ کر ولید سمجھا کہ وہ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان سے خوفزدہ ہو کر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ بنی المصطلق مرتد ہو گئے ہیں، زکات نہیں دے رہے اور مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو غصہ آگیا، آپؐ نے چاہا کہ ان سے جنگ کے لئے روانہ ہوں۔ اتنے میں وہ لوگ خود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی : یا رسول اللہؐ ! آپؐ کا قاصد ہمارے پاس آیا، ہم نے اس کی عزت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ جب اس نے ہمیں دیکھا تو واپس لوٹ آیا، ہمیں معلوم نہیں کہ اس کے واپس آنے کا کیا سبب ہے۔ اب ہم آئے ہیں، ہم نے دل میں سوچا کہ کہیں اس نے ہمارے متعلق کچھ خلافِ واقع نہ کہا ہو جس کی وجہ سے آپؐ ناراض ہوں۔ اموالِ زکات تیار ہیں۔ کوئی شخص آئے اور ہم سے وصولی کر کے لے آئے۔ (سیرتِ ابنِ ہشام۔ ج۳۔ ص۳۰۸)

پس ولیدِ فاسق کے جھوٹ کا نتیجہ اس قبیلہ کی تباہی تھی جو خداوندِ عالم کی

مشیت کے خلاف تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کو نازل فرمایا جس کی وجہ سے اس خبر کی تحقیق کے بعد اس کا جھوٹ معلوم ہوا اور وہ خود رسوا ہوا۔

دوم یہ کہ : اکثر اوقات جھوٹ سے متعلق اور دروغ کا محل حقوقِ ناس ہوتے ہیں اور اس دروغ کی وجہ سے دوسرے آدمی کی جان و مال اور اس کی عزت و آبرو کو دھچکا پہنچتا ہے۔ اور شراب نوشی میں سوائے حق اللہ کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ لہٰذا شراب نوشی دروغ گوئی سے زیادہ حضرتِ منان (خداوندِ عالم) کے عفو و غفران کے نزدیک ہوتی ہے کیونکہ دروغ گوئی حق اللہ کے ساتھ ساتھ اکثر اوقات بہت سے لوگوں کے حقوق سے بھی متعلق ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ : دروغ اصل ایمان کو ضرر پہنچاتا ہے، ایمان کی اساس کو کمزور اور اس کی بنیاد کو منہدم کرتا ہے۔ جیسا کہ کتاب "کافی" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"الکذب خراب الایمان"

"دروغ انتہائی طور پر مخرب ایمان ہے۔"

(اصولِ کافی۔ ج۲۔ ص۳۳۹)

اور کتاب محاسن "برقی" میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"ایک شخص نے حضرت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا : کیا مومن بزدل اور ڈرپوک ہو سکتا ہے؟ فرمایا : ہاں۔ پھر اس نے عرض کیا : کیا بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا : ہاں۔ عرض کیا : کیا دروغ گو ہو سکتا ہے؟ فرمایا : نہیں۔" (محاسن برقی۔ ج۱۔ ص۱۱۸)

اور شیخ مفید کی "اختصاص" میں مروی ہے۔

"کسی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا : کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا : ہاں۔ عرض کیا : بزدل ہو سکتا ہے؟ کہا : ہاں۔ عرض کیا : دروغ گو ہو سکتا ہے؟ کہا : نہیں اور نہ ہی ظالم۔ پھر آپؑ نے فرمایا : مومن سوائے خیانت اور دروغ گوئی کے ہر طبیعت پر پیدا ہو سکتا ہے۔"

(اختصاصِ مفید۔ ص ۲۳۱)

اور کتاب "کافی" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"واللہ تم تب تک ایمان کی لذت اور مزہ نہیں چکھ سکتے جب تک دروغ کو نہ چھوڑو چاہے وہ سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مزاح اور خوش طبعی کے طور پر۔" (اصولِ کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۴۰)

اور روایت میں گزرا ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا :

"دروغ سے دوری اختیار کرو کیونکہ دروغ ایمان سے دور ہے۔"

اور قطب راوندی علیہ الرحمہ کی کتاب "دعوات" اور "مجموعہ" شیخ ورام رحمہ اللہ میں مروی ہے :

"ایک آدمی نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ مومن زنا کرتا ہے؟ فرمایا : کبھی ایسا ہوتا ہے۔ عرض کیا : مومن چوری کرتا ہے؟ فرمایا : کبھی ایسا ہوتا ہے۔ عرض کیا : یا رسول اللہؐ مومن دروغ کہتا ہے؟ فرمایا : نہیں (کیونکہ) خدائے عزوجل نے

فرمایا ہے "انما یفتری الکذب الذین لا یومنون" حقیقت میں دروغ وہی لوگ باندھتے ہیں جو ایماندار نہیں ہوتے۔"

(دعواتِ راوندی۔ ص ۱۱۸، مجموعہء ورام۔ ص ۱۲۱)

اور تفسیرِ عیاشی میں مروی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک دروغ گو آدمی کا ذکر فرمایا اور اس وقت اس آیہء شریفہ کو تلاوت کیا۔ (تفسیرِ عیاشی۔ ج ۲۔ ص ۲۷۱)

لیکن کیونکہ شراب کا اثر شراب خور کے بدن میں چالیس روز تک باقی رہتا ہے اسی واسطے اس کی نماز چالیس روز تک درجہء قبولیت سے بھی ساقط رہتی ہے۔

چہارم یہ کہ : دروغ معاشی نظم و ضبط اور لوگوں کے معاملات درہم برہم ہونے، بلکہ شراب خور کے امور کے فاسد ہونے کا بھی سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ نوعِ انسان ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و مخلوط ہے اور شہادات و رسالات اور معاملات و وکالات و اقرار کے مقامات میں اور ان جیسی اور چیزوں میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اور دروغ گو آدمی جس چیز کی خبر دیتا ہے لوگ اس پر اعتماد نہیں کرتے اور اس کے کلام کو سچا نہیں سمجھتے۔ چاہے وہ کلام اس کے اپنے امور سے متعلق ہو یا باقی لوگوں کے امور سے تعلق رکھتا ہو۔ پس اس وجہ سے اکثر کام رک کے رہ جائیں گے اور امور مختل ہوں گے اور تمام لوگوں کا نظامِ زندگی درہم برہم رہے گا۔

اور "کافی" میں امیرالمومنینؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"بہتر ہے کہ مردِ مسلم دروغ گو آدمی سے برادری اور اخوت قائم نہ

کرے۔ کیونکہ دروغ گو شخص اس قدر جھوٹ بولتا ہے کہ اگر کسی وقت
سچ بھی کہے تو لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔"

(اصولِ کافی۔ ج۲۔ ص۳۴۱)

نیز "کافی" کے دو مقامات پر کچھ اختلاف اور الفاظ میں تھوڑے سے تغیر کے
ساتھ مروی ہے کہ :

"امیرالمومنین علیہ السلام جس وقت منبر پر تشریف لے گئے تو آپؑ نے
فرمایا : مسلمان کے لئے بہتر ہے کہ تین اشخاص کی مصاحبت سے
اجتناب کرے۔ حضرتؑ نے ان تینوں اشخاص کو شمار کیا جن میں سے
تیسرا شخص کذاب ہے۔ پھر ان تینوں میں سے ہر ایک کے بارے میں
وضاحت کے بعد آپؑ نے فرمایا : ---- لیکن کذاب کے ساتھ تجھے
زندگی گزارنا گوارا نہ ہوگی کیونکہ دروغ کی حالت یہ ہے کہ وہ تیری
باتیں دروغ کے ساتھ دوسرے آدمیوں کے ہاں نقل کرتا ہے اور ان کی
باتیں تیرے پاس اور جب بھی اس چیز کے اختتام کو پہنچتا ہے تو جھوٹ
کے ذریعہ ایک واقعہ عجیبہ کی نقل کو دوسرے واقعہ عجیبہ کی نقل کے
ساتھ متصل کردیتا ہے اور دروغ گو بسا اوقات سچ بولتا ہے لیکن لوگ
اس کو سچا نہیں سمجھتے۔ نیز دروغ گو کی علامت یہ ہے کہ وہ جھوٹی باتوں
کے نقل کرنے کی وجہ سے لوگوں میں دشمنی اور عداوت ڈال دیتا ہے۔
جس کے بعد ان کے سینوں میں کینہ و حسد کی نشوونما کرتا رہتا ہے۔ پس
عذابِ خدا سے بچو اور اپنا خیال رکھو (کہ کہیں اس کی باتیں نہ مانتے
رہو اور دروغ گو کی جھوٹی باتوں کو نقل کرکے ایک دوسرے میں عداوت

نہ ڈالو۔ اور اس کے ساتھ مصاحبت نہ کرو)"

(اصولِ کافی۔ ج۲۔ ص۶۳۷ اور ۶۳۹)

اور کذاب کی مصاحبت اور اس کے ساتھ برادری و اخوت قائم کرنے کی
ممانعت میں کئی اخبار و احادیث وارد ہوئی ہیں۔

پنجم یہ کہ : شراب خور جب اپنے عمل (مے نوشی) سے پشیمان ہوکر
استغفار کرلے تو سبک بار ہوجاتا ہے اور شراب خوری کے عواقب و عقوبات سے
چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے لیکن دروغ گو کے لئے ندامت اور طلبِ مغفرت کے
بعد ضروری ہے کہ جو مفاسد اس کی جھوٹی باتوں کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں اور
جن میں لوگ مبتلا ہوئے یا ان کی مال و جان اور عزت کو نقصان پہنچا ہے ان تمام
سے عہدہ برآ ہو۔

ششم یہ کہ : شراب خور (جیسے کہ فقہ میں مذکور ہے) اگر حاکمِ شرع کے
پاس توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول ہے اور اس کی شہادت مقبول ہوجائے گی۔ یا
فی الجملہ خصوصیت سے شہادت کے ایک مقام میں اختلاف ہے۔ لیکن دروغ گو
اگر توبہ کرے بھی اور شہادت دے تو اس کی قبولیت میں اشکال ہے۔ کیونکہ اس
کی دروغ بولنے کی عادت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ حاکمِ شرع اور اس
کے علاوہ دوسرے لوگ اس کی توبہ کی صداقت پر وثوق و اطمینان کریں۔ کیونکہ
اس کی عادت کو دیکھتے ہوئے احتمالِ قوی ہے کہ اس نے اپنے اس کلام (توبہ و
شہادت) میں بھی جھوٹ کہا ہو۔ پس اس کی شہادت محلِ شک و تہمت ہوگی
جیسا کہ فقہ میں مفصل مذکور ہے۔

ہفتم یہ کہ : عام طور پر دروغ بولنے کا محرک دنائتِ طبع، فطرت کی پستی

اور حرص ہوتی ہے جیسا کہ جعفر بن احمد قمی علیہ الرحمہ کی کتاب "غایات" میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"دروغ گو شخص کی مروّت تمام لوگوں سے کمتر ہوتی ہے۔"

(کتاب غایات۔ مجموعۂ جامع الاحادیث کے ضمن میں۔ ص ۱۷۲)

اور یہ بحث عنقریب ذکر ہوگی کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی وصیتوں میں امام حسن علیہ السلام سے فرمایا :

"والکذب ذل"

"کذب ذلت ہے۔"

اور شیخ مفید نوراللہ مرقدہ کی کتاب "اختصاص" میں جناب (امیرالمومنین علیہ السلام) سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"کوئی دروغ گو دروغ نہیں کہتا مگر اپنے نفس کی ذلت اور پستی کی وجہ سے۔" (اختصاص۔ص ۲۳۲)

اور کبھی حسد اور عداوت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے جو اسے کسی مومن پر دروغ باندھنے کے لئے مجبور کردیتے ہیں۔ لیکن شراب خور جس طرح کہ اہلِ عرف نقل کرتے ہیں عالی ہمت اور سخی طبیعت ہوتا ہے۔ اگرچہ اکثر اوقات اس کی عطا اور بذلِ اموال بے موقع و محل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی اصل نفسانی خصلتیں جو سخاوت اور عالی ہمتی ہیں لوگوں کے نزدیک محبوب اور مرغوب ہوتی ہیں اور اس کی یہ خصلتیں کذاب کی صفتِ قبیحہ حرص و بخل اور ذلتِ طبع و پستیٔ فطرت سے افضل ہیں۔

ہشتم یہ کہ : شراب خور جب ہوش میں ہوتا ہے تو عام طور پر خجل و

شرمندہ اور لوگوں سے حیا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنے جرم کی برائی کو جانتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کوئی شخص اس کے اس جرم سے واقف ہو۔ اور حیا کی یہ صفت بھی پسندیدہ اور تمام اہلِ خرد کے نزدیک ممدوح ہے۔ بخلاف دروغ گو کے کیونکہ اس نے تو حیا کے پردہ کو چاک کیا ہوا ہے، نہ اپنے آپ شرمندہ ہوتا ہے، اور نہ ہی لوگوں سے شرم کرتا ہے، جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے اور لوگ جو بھی اسے کہتے ہیں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور یہ بات صفاتِ مذمومہ میں سے ہے کہ جس سے ہر عقلمند متنفر اور اس صفت کے حامل کو انسانیت کے دائرہ سے باہر سمجھتا ہے۔

نہم یہ کہ : جو شر اور فساد شراب خور سے ظاہر ہوتے ہیں وہ اس کی بے شعوری اور بے عقلی کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو شر اور فساد دروغ گو سے پیدا ہوتے ہیں وہ اس کے شعور و ادراک کی حالت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی قباحت کہیں زیادہ اور بڑھ کر ہے اور مرحوم ملا محمد صالح نے شرح کافی جلد ۹ صفحہ ۳۷۷ میں اسی چیز کی طرف اشارہ کیا ہے۔

دہم یہ کہ : حیوان پر انسان کا امتیاز اور اس پر اس کی شرافت و بزرگی کا نمایاں سبب منطق و کلام ہے۔ جس کے ذریعہ ہر آدمی دوسروں کو وہ چیزیں بتلاتا ہے جن کو وہ نہیں جانتے اور یہ چیز (افادہ و استفادہ) اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ کہنے والا صادق نہ ہو اور حقیقت کے مطابق خبر نہ دے۔ پس اگر دروغ گوئی اور جھوٹ ہی بِنا ہوجائے تو حیوان پر انسان کی شرافت و بزرگی اور امتیاز کا سبب یکسر ختم ہوجائے گا۔ بلکہ صفتِ شیطانیت پیدا ہوگی۔ لہٰذا دروغ گوئی شراب سے بدتر ہوجائے گی۔ کیونکہ شراب اگرچہ عقل کو زائل کرتی ہے

لیکن شراب خور کی یہ بے ہوشی اور بے عقلی چند ساعت سے زیادہ نہیں ہوتی اور وہ کچھ دیر بعد اپنی سابقہ حالت پر واپس آجاتا ہے۔ واللہ العالم۔

(روایات میں دروغ کی مذمت)

ایک مرتبہ پھر ہم اپنے سابقہ کلام کا سلسلہ شروع کرتے ہیں۔

"جامع الاخبار" میں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"جب کوئی مومن کسی عذر کے بغیر دروغ کہتا ہے تو ستر ہزار ملائک اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کے قلب سے ایک بدبو باہر نکل کر بلند ہوتی ہے اور عرش تک پہنچتی ہے۔ پس اس پر حاملینِ عرش لعنت کرتے ہیں اور خداوندِ عالم اس کے اس ایک دروغ کے بدلے ستر زنا لکھتا ہے جن میں سے کم سے کم ایسا زنا ہوگا جو کسی نے اپنی ماں سے کیا ہو۔"

(جامع الاخبار - ص ۱۷۳)

نیز روایت کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا :

"اے میرے پروردگار ! عمل میں تیرے بندوں میں سے کون سا آدمی بہتر ہے؟ فرمایا : وہ شخص جس کی زبان دروغ نہ کہتی ہو اور اس کی فرج زنا نہ کرتی ہو۔" (جامع الاخبار - ص ۱۷۳)

اور "کافی" میں مروی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے خطبات میں سے ایک خطبہ کے ضمن میں فرمایا :

"کوئی بدی دروغ گوئی سے بدتر نہیں ہے۔" (کافی - ج ۸ - ص ۱۱۹)

اور کتاب "دعائم الاسلام" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک طولانی وصیت روایت کی گئی ہے جو آپؑ نے بوقتِ وفات اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام اور اپنی باقی اولاد اور شیعوں سے کی اور اس کو لکھا اور اس کے فقرات میں سے ایک فقرہ یہ ہے۔

"ولا تخرجن من افواهكم كذبة ما بقيتم"

"جب تک زندہ ہو اپنے دہان سے ایک جھوٹ بھی نہ نکالو (یا نہ نکلے۔)" (دعائم الاسلام - ج ۲ - ص ۳۵۲)

اور قاضی قضاعی کی کتاب "شہاب" میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"تمام گنہگاروں سے بڑا گنہگار دروغ گو ہے۔"

اور ابوالقاسم کوفی نے کتاب "اخلاق" میں روایت کی ہے کہ۔

"ایک شخص نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! مجھے ایسا عمل تعلیم کیجئے جس کے ذریعہ میں خداوندِ عزوجل کے نزدیک مقرب ہوجاؤں۔ فرمایا : دروغ نہ کہنا۔ پس یہ چیز (ترکِ دروغ) خدائے تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے تمام معاصی اور گناہوں کے ترک کرنے کا موجب بنی۔ کیونکہ وہ جب بھی کوئی گناہ کرنے کا ارادہ کرتا تھا تو دیکھتا تھا کہ اس میں دروغ ہے یا کوئی ایسی چیز ہے جو دروغ کی طرف لے جاتی ہے۔ پس اس چیز (ترکِ دروغ) نے اسے تمام گناہوں سے دور کردیا۔" (اخلاق - مخطوط)

اور اس کی نظیر وہ روایت ہے جو کتاب "فقہ الرضا" میں مروی ہے کہ :

"ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! مجھے ادب کی کوئی ایسی صفت تعلیم فرمائیے کہ جس سے مجھے دنیا و آخرت کی خیر حاصل ہو۔ فرمایا : دروغ نہ کہنا۔

پس اس شخص نے کہا : مجھے کچھ ایسے حالات پیش آئے جو خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ تھے (یعنی چند ایک گناہوں میں مبتلا تھا)۔ پس میں نے ان کو اس ڈر کی وجہ سے ترک کردیا کہ اگر کوئی پوچھنے والا مجھ سے سوال کرے گا کہ کیا تو نے فلاں کام (گناہ) کیا ہے؟ (تو اگر میں بتاؤں گا) تو رسوا ہوں گا اور اگر اس کے جواب میں جھوٹ کہوں گا تو میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم میں مخالفت کروں گا جو آنجناب نے مجھے دی ہے۔" (فقہ الرضا۔ ص ۳۵۴)

اور روایت کی تیسری نظیر قطب راوندی علیہ الرحمہ کی کتاب "لب لباب" میں مروی ہے کہ :

"ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : میں نماز نہیں پڑھتا، زنا کرتا ہوں اور دروغ بولتا ہوں۔ پس ان گناہوں میں سے کس گناہ سے توبہ کروں؟ فرمایا : دروغ سے۔ پس اس شخص نے حضرتؐ کے اس حکم کو قبول کیا اور عہد کرلیا کہ دروغ نہ کہے گا۔ جب واپس گیا اور زنا کرنے کا قصد کیا تو اپنے دل میں کہا : اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے اس عہد کے بارے میں جو میں نے کیا ہے پوچھا تو اگر میں نے کہا نہیں (میں

نے کوئی گناہ نہیں کیا) تو یہ میرا جھوٹ ہوگا اور اگر میں نے کہاں ہاں (میں نے فلاں گناہ کیا ہے) تو مجھ پر حد جاری کریں گے۔ پھر جب اس نے نماز میں تساہل کرنا چاہا تو اپنے دل میں کہا : اگر مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پوچھیں گے کہ تو نے نماز پڑھی؟ اگر میں کہوں گا : ہاں ! میں نے نماز پڑھی ہے تو یہ میرا دروغ ہوگا اور اگر کہوں گا نہیں (میں نے نہیں پڑھی) تو مجھے سزا دیں گے۔ پس یوں اس نے ان تینوں گناہوں سے توبہ کرلی۔" (لب لباب۔ مخطوط)

نیز ابوالقاسم کی کتاب "اخلاق" میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"تین چیزیں منافق کی علامت ہیں۔ خبر دیتا ہے تو جھوٹی، اگر کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو خیانت کرتا ہے، اگر وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔" (اخلاق۔ مخطوط)

اور "مصباح الشریعہ" میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا :

"منافق کی علامت دروغ اور خیانت کی کم پرواہ کرنا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اس کے اور دوسرے اوصافِ رذیلہ بیان کئے۔

(مصباح الشریعہ۔ باب ۷۳۔ ص ۲۱۸)

اور شیخ شہید اول رحمہ اللہ نے کتاب "درۃ الباہرہ" میں حضرت امام حسن عسکریؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"تمام خبائث کو ایک مکان میں بند کیا گیا ہے اور اس مکان کی کنجی دروغ کو بنایا ہے۔" (درۃ الباہرہ۔ ص ۴۳۔ نقل از حاشیہ مستدرک)

اور "تحف العقول" میں مروی ہے کہ حضرت امام کاظم علیہ السلام نے ہشام بن حکم سے فرمایا :

"اے ہشام عقلمند آدمی دروغ نہیں کہتا ہرچند اس میں اس کی خواہش ہی کیوں نہ ہو۔" (تحف العقول۔ ص ۳۹۱)

اور نہج البلاغہ میں مروی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی ان وصیتوں میں جو آپؑ نے امام حسن علیہ السلام سے کیں فرمایا :

"تمام امراض سے بدترین مرض دروغ ہے۔" (بحارالانوار۔ ج ۷۷۔ ص ۱۶۲)

اور قطب راوندی کی کتاب "لب لباب" میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"دروغ ایمان سے دور ہے اور دروغ گو کی کوئی رائے نہیں ہے (یعنی مقامِ مشورہ میں اس کی رائے پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔)" (لب لباب۔ مخطوط)

نیز اسی کتاب میں آپؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"دروغ کہنے سے دوری اختیار کرو۔ اگر تمہارا گمان یہ ہو کہ اس میں نجات ہے۔ تو پس درحقیقت اس میں تمہاری ہلاکت ہے۔"

نیز فرمایا :

"دروغ سے بچو کیونکہ وہ فسق ہے اور ان دونوں (دروغ اور فسق) میں سے ہر ایک آتشِ دوزخ میں (لے جانے والا) ہے۔"

اور نیز فرمایا :

"بندہ جب دروغ کہتا ہے تو فرشتہ اس سے اس تعفن کی وجہ سے دور ہوجاتا ہے جو اس سے باہر آتا ہے۔" (لب لباب۔ مخطوط)

نیز فرمایا :

"مومن کئی صفاتِ قبیحہ پر پیدا ہوسکتا ہے لیکن دروغ کہنے پر اس کی پیدائش نہیں ہوسکتی۔" (لب لباب۔ مخطوط)

اور دیلمی کی کتاب "ارشاد القلوب" میں مروی ہے کہ :

"ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! اہلِ دوزخ کا عمل کون سا ہے؟ فرمایا : دروغ کہنا۔ جب کبھی بندہ دروغ کہتا ہے تو فاجر ہوجاتا ہے اور جب فاجر ہوجاتا ہے تو کافر ہوجاتا ہے اور جب کافر ہوجاتا ہے تو داخلِ دوزخ ہوجاتا ہے۔" (ارشاد القلوب۔ ص ۱۸۵)

اور "جعفریات" وغیرہ میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"شیطان کے لئے ایک سرمہ ہے اور ایک گھٹی ہے اور ایک نسوار ہے پس اس کا سرمہ نیند ہے اور اس کی گھٹی دروغ کہنا ہے اور اس کی نسوار کبر و نخوت ہے۔" (جعفریات۔ ص ۱۶۴)

اور راوندی کی کتاب "دعوات" و حسن بن سلیمان حلی کی کتاب "منتخب البصائر" میں آنجنابؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا اور حلی کی روایت کے مطابق آپؐ نے اپنے اس خطبہ میں جو غزوۂ تبوک کی طرف روانگی کے وقت پڑھا فرمایا :

"اربی الربا الکذب"

"ربا (جس کے گناہ کی بڑائی واضح ہے) کی اقسام میں سے قبیح ترین قسم جھوٹ بولنا ہے۔"

(من لا یحضرا لفقیہ۔ ج۴۔ ص۳۷۷' دعوات۔ ص۱۱۸)

پس دروغ ربا کی اقسام میں محسوب اور اس کی تمام اقسام میں سے خراب تر ہے اور احتمال ہے کہ اس (حدیث) سے غرض یہ ہو کہ جو زیادتی دروغ سے پیدا اور نشر ہوتی ہے وہ ہر ربائی معاملہ کی زیادتی سے زیادہ ہے۔ کیونکہ ہر ربائی معاملہ میں زیادہ سے زیادہ ربا تیس فیصدی یا چالیس فیصدی ہوتا ہے اور (ادھر) ایک دروغ سے شاید ہزارہا دروغ پیدا ہو جائیں اور ان تمام دروغوں کا فساد (گناہ) اس کاذب کو پہنچ جائے بغیر اس کے کہ کسی شخص (ناقل و دیگر کاذبین) کے گناہ سے کچھ بھی کم ہو۔

اور صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب "خصال" میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"اے علیؑ ! میں آپؑ کو تین بڑی خصلتوں سے منع کرتا ہوں اور وہ حسد' حرص اور دروغ ہیں۔" (خصال۔ ص۱۲۴ اور ۱۲۵)

نیز آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی گئیں وہ منافق ہے۔ اگر کسی میں ان چار میں سے ایک پائی گئی تو اس میں نفاق کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اسے اپنے آپ سے دور نہ کرلے : ایک یہ کہ وہ شخص جو کسی بات کو نقل کرے تو اس میں دروغ کرے۔ دوسرے یہ کہ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ تیسرے یہ کہ اگر

معاہدہ کرے تو وفا نہ کرے۔ اور چوتھے یہ کہ جب کسی شخص سے مخاصمہ کرے تو گنہگار ہو جاتا ہو۔" (خصال۔ ص۲۵۴)

نیز آنجنابؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"میں ضامن ہوں ایک گھر گوشۂ جنت میں لے دینے کا اور ایک گھر وسطِ جنت میں اور ایک گھر بالائے جنت میں لے دینے کا اس شخص کے لئے جو مجادلہ کو ترک کرے اگرچہ حق پر ہو۔ اور اس شخص کے لئے جو دروغ کہنا ترک کرے چاہے وہ مذاق اور شوخی ہی میں کیوں نہ ہو اور اس آدمی کے لئے جس کا اخلاق اچھا ہو۔" (خصال۔ ص۱۴۴)

نیز امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"دروغ کی عادت بنانا مورثِ فقر ہے۔" (خصال۔ ص۵۰۵)

نیز آنجنابؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"دروغ کہنا خیانت ہے۔ (یعنی زبان خدا کی امانت ہے اور خدا نے اس کے ایسے تصرف سے منع کیا ہے)" (خصال۔ ص۵۰۵)

اور "کافی" میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا :

"جو شخص زیادہ دروغ کہتا ہے اس کے چہرہ کی رونق اور حسن جاتا رہتا ہے۔" (کافی۔ ج۲۔ ص۳۴۱)

اور صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب "امالی" میں اسی مضمون کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(امالی صدوق۔ مجلس ۸۱۔ ص۴۸۶)

نیز "کافی" میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"منجملہ ان چیزوں کے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدد کرتا ہے اور جس چیز کے ذریعہ وہ لوگ جھوٹوں کی جماعت پر غالب ہوتے ہیں وہ فراموشی ہے۔" (کافی۔ج۲۔ص۳۴۱)

اور اس روایت میں اس مشہور مقولہ کی طرف اشارہ ہے کہ "دروغ گو حافظہ ندارد۔" اسی وجہ سے تو دروغ گو اشخاص سے بہت زیادہ متناقص باتیں اور مختلف گفتگوئیں صادر ہوتی ہیں جن کی وجہ سے خود رسوا ہوتے اور اپنی دروغ گوئی کو واضح کرتے ہیں۔

نیز آنجنابؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"دروغ گو ازروئے بینہ (یعنی ازروئے علم و یقین) ہلاک ہوتا ہے اور اس کی پیروی کرنے والے ازروئے شبہ ہلاک ہوجاتے ہیں۔"

(کافی۔ج۲۔ص۳۳۹)

اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں سچ ہے باوجودیکہ وہ محکماتِ کتاب و سنت کے مخالف ہوتا ہے۔ اور ظاہراً ان دروغ گو لوگوں سے مراد گمراہوں کے پیشوا اور اہلِ ضلالت کے رؤسا ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کے دروغ باندھنے اور ان کی پیروی کرنے والوں پر ان دروغوں کے مشتبہ ہونے کی کیفیت کا معمولی سا مشاہدہ امیرالمومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک سلیم بن قیس کی کتاب میں مذکور ہے۔ (کتاب سلیم۔ص۱۰۴)

نیز حضرت علی بن الحسین علیہما السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ اپنے

فرزندوں سے فرماتے تھے :

"چھوٹے بڑے امر میں دروغ سے پرہیز کرو۔ خواہ شوخی میں ہو یا مزاح اور خوش طبعی میں۔ بہ تحقیق جو شخص چھوٹا دروغ کہتا ہے تو وہ بڑے دروغ پر جرات کرنے لگتا ہے۔ (یا وہ خداوندِ عالم پر جسارت کرتا ہے کہ اس کی مخالفت کرتا ہے) کیا نہیں جانتے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ کہتا ہے یہاں تک کہ خداوندِ عالم اس کو صدیق لکھتا ہے۔ اور آدمی ہمیشہ دروغ کہتا ہے یہاں تک کہ خداوندِ عالم اسے کذاب لکھتا ہے۔" (کافی۔ج۲۔ص۳۳۸)

اور "امالی" شیخ طوسیؒ میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوذر سے فرمایا :

"اے ابوذر ! جو شخص حرام سے اس چیز کی حفاظت کرے جو اس کی دو رانوں کے درمیان ہے (یعنی فرج) اور لغو و باطل سے اس چیز کی حفاظت کرے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) تو وہ داخلِ بہشت ہوگا۔

ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! کیا ہمارا بھی ان باتوں کی وجہ سے جو ہماری زبان سے نکلتی ہیں مواخذہ کیا جائے گا؟ حضرتؐ نے فرمایا : اے ابوذر ! کیا لوگوں کو ان دروغوں کے علاوہ جو ان کی زبان سے نکلتے ہیں کوئی اور چیز بھی آتشِ جہنم میں منہ کے بل گرائے گی؟ بہ تحقیق تو جب تک ساکت رہے گا ہمیشہ زبان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ پس جب تو بات کرے گا تو یا تو تیرے لئے ثواب لکھا

جائے گا اور یا عذاب۔

اے ابوذر ! بہ تحقیق اگر کوئی شخص کسی مجلس میں کسی (جھوٹی) بات سے اہلِ مجلس کو ہنسائے تو وہ اس کے سبب طبقاتِ جہنم میں اس قدر نیچے جائے گا جس قدر زمین و آسمان کے مابین فاصلہ ہے۔

ابوذر ! اس آدمی پر وائے ہے' اس پر وائے ہو جو بات کرے اور جھوٹ بولے تاکہ ایک گروہ کو ہنسائے۔

اے ابوذر ! جو خاموش رہا' اس نے نجات پائی۔ پس تو راست گوئی کو اپنے اوپر لازم کر اور ہرگز اپنے منہ سے کوئی دروغ نہ نکال۔

ابوذر کہتے ہیں : میں نے عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! جو شخص عمداً دروغ کہتا ہو اس کی توبہ کس عمل کے ذریعہ قبول ہوگی؟ فرمایا : استغفار اور نمازِ پنج گانہ اس گناہ کی آلائش کو دھو دیتے ہیں۔"

(امالیٔ طوسی۔ ج۲۔ ص۱۵۰)

اور مجموعہ "شیخ ورام" میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"دروغ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔"

(مجموعۂ ورام۔ ص۱۲۲)

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب "خصال" میں حضرت صادق علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث مروی ہے جس میں آپؑ نے احکامِ دین کو بیان فرمایا اور اس میں آپؑ نے گناہانِ کبیرہ کا شمار فرمایا اور تکبر و تجبر کے استعمال کے ذکر کے بعد فرمایا :

"اور دروغ و اسراف و تبذیر و خیانت (گناہانِ کبیرہ میں سے ہیں)۔" (خصال۔ ص۶۱۰)

اور نیز انہوں نے اپنی "امالی" میں روایت کی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا :

"دروغ کہنا مناسب نہیں ہے' چاہے سنجیدگی سے ہو یا مزاح میں۔ اور نہ اس طرح ہونا چاہئے کہ تم میں سے کوئی اپنے چھوٹے بچوں کو وعدہ دے اور ان بچوں کے لئے اس وعدہ کی وفا نہ کرے۔ کیونکہ دروغ فجور کی راہ پر لے جاتا ہے اور فجور آتش (جہنم) میں لے جاتا ہے اور اگر تم میں سے کوئی ہمیشہ دروغ کہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس نے دروغ کہا ہے اور فاجر ہوگیا ہے اور اگر تم میں سے کوئی ہمیشہ ہی دروغ کہے یہاں تک کہ اس کے دل میں سوئی کے برابر بھی سچ نہ رہے تو خداوندِ عالم کے نزدیک اس شخص کا نام جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔" (امالیٔ صدوق۔ مجلس۶۵۔ ص۳۷۶)

نیز اسی جگہ روایت کی گئی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"(اے لوگو) میرے لئے چھ چیزوں کو قبول کرو تو میں تمہارے لئے بہشت کی شفاعت کروں گا' جب تم کوئی بات کہو یا کسی بات کو نقل کرو تو دروغ نہ کہنا' جب کسی کو وعدہ دو تو خلافِ وعدہ نہ کرنا' جب تمہیں کوئی امانت سپرد کی جائے تو خیانت نہ کرنا' نامحرم کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بچانا' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا اور اپنی زبانوں اور ہاتھوں کی

حفاظت کرنا۔" (امالیؒ صدوق۔ مجلس ۲۰۔ ص ۸۰)

نیز اسی جگہ آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے آپؐ نے فرمایا :

"واعظم المخطئین عنداللہ عزوجل لسان کذاب"

"اللہ عزّوجل کے نزدیک سب سے بڑی گنہگار دروغ گو کی زبان ہے۔ (یعنی اس زبان کا حامل)" (امالیؒ صدوق۔ مجلس ۴۷۔ ص ۴۳۸)

اور قطب راوندی علیہ الرحمہ کی کتاب "دعوات" میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"میں نے گزشتہ شب خواب میں دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارضِ مقدس (ظاہراً مراد بیت المقدس شام ہے) لے گئے۔ پھر آپؐ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا جو آپؐ نے اس جگہ دیکھی تھیں اور ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا جو پشت کے بل سویا ہوا تھا اور دوسرا اس کے سرہانے کھڑا تھا' اس کے ہاتھ میں لوہے کی عصا کی مانند کوئی چیز تھی جس کا سر ٹیڑھا تھا۔ پس وہ شخص اس سوئے ہوئے آدمی کے منہ کی ایک طرف آتا اور اس چیز سے اس کے منہ کی ایک طرف کو اس کی گدی تک مارتا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے اور پارہ پارہ کرتا اور اسی طرح اس کی ناک کو گدی تک اور اس کی آنکھ کو گدی تک مارتا۔ پھر منہ کے دوسری طرف آتا اور اس کے ساتھ بھی اسی طرح کرتا جس طرح پہلی طرف کے ساتھ کرتا تھا۔ ابھی وہ اس طرف سے فارغ نہیں ہوپاتا تھا کہ پہلی طرف صحیح اور اپنی حالت پر درست ہوجاتی تھی' وہ پھر اس کے ساتھ اسی طرح کرتا جس طرح اس نے پہلی

مرتبہ کیا تھا۔ پس میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے؟"

حدیث طولانی ہے اور اس کے آخر میں ذکر کیا گیا کہ ان دو اشخاص نے حضرت کے لئے ان عجائبات کی شرح بیان کی جو آپؐ نے اس شب میں دیکھی تھیں اور ان دیگر اشخاص کے متعلق بھی بتایا جو دوسرے لوگوں کو عذاب دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا :

"وہ شخص جس کے پاس آپؐ پہنچے اور دوسرا شخص اس کے منہ کو اس کی گدی تک اور اس کی ناک کو گدی تک اور اس کی آنکھ کو گدی تک پارہ پارہ کررہا تھا' وہ شخص ہے جو صبح کو اپنے گھر سے نکلتا ہے۔ پس ایسا دروغ کہتا ہے جو آفاق و اطراف میں پھیل جاتا ہے۔ پس روزِ قیامت تک فرشتے اس کے ساتھ اسی طرح کرتے رہیں گے۔"

(بحار الانوار۔ ج ۶۱۔ ص ۱۸۴' ۱۸۵۔ نقل از دعوات)

اور بعض کتبِ معتبرہ میں اس روایت کو اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :

"میں نے ایک شخص کو دیکھا جو میرے پاس آیا اور کہا اٹھئے۔ میں اس کے ساتھ اٹھا۔ پس میں نے دو آدمیوں کو دیکھا جن میں سے ایک کھڑا اور دوسرا بیٹھا ہوا تھا اور کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ میں لوہے کی لاٹھی تھی اور وہ بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ کی ایک طرف اس لاٹھی کو داخل کررہا تھا۔ وہ اس لاٹھی کو اس کے دونوں شانوں کے درمیان تک لے جاکر باہر کھینچ لیتا اور پھر اس کے منہ کی دوسری طرف داخل کردیتا۔ پس جب اس لاٹھی کو باہر کھینچتا تو اس بیٹھے ہوئے آدمی کے منہ کی پہلی

جائے گا اور یا عذاب۔

اے ابوذر ! بہ تحقیق اگر کوئی شخص کسی مجلس میں کسی (جھوٹی) بات سے اہلِ مجلس کو ہنسائے تو وہ اس کے سبب طبقاتِ جہنم میں اس قدر نیچے جائے گا جس قدر زمین و آسمان کے مابین فاصلہ ہے۔

ابوذر ! اس آدمی پر وائے ہے' اس پر وائے ہو جو بات کرے اور جھوٹ بولے تاکہ ایک گروہ کو ہنسائے۔

اے ابوذر ! جو خاموش رہا' اس نے نجات پائی۔ پس تو راست گوئی کو اپنے اوپر لازم کر اور ہرگز اپنے منہ سے کوئی دروغ نہ نکال۔

ابوذر کہتے ہیں : میں نے عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! جو شخص عمداً دروغ کہتا ہو اس کی توبہ کس عمل کے ذریعہ قبول ہوگی؟ فرمایا : استغفار اور نمازِ پنج گانہ اس گناہ کی آلائش کو دھو دیتے ہیں۔"

(امالیٔ طوسی۔ ج۲۔ ص۱۵۰)

اور مجموعہ "شیخ ورام" میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"دروغ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔"

(مجموعۂ ورام۔ ص۱۲۲)

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب "خصال" میں حضرت صادق علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث مروی ہے جس میں آپؑ نے احکامِ دین کو بیان فرمایا اور اس میں آپؑ نے گناہانِ کبیرہ کا شمار فرمایا اور تکبر و تجبر کے استعمال کے ذکر کے بعد فرمایا :

"اور دروغ و اسراف و تبذیر و خیانت (گناہانِ کبیرہ میں سے ہیں)۔" (خصال۔ ص۶۱۰)

اور نیز انہوں نے اپنی "امالی" میں روایت کی ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا :

"دروغ کہنا مناسب نہیں ہے' چاہے سنجیدگی سے ہو یا مزاح میں۔ اور نہ اس طرح ہونا چاہئے کہ تم میں سے کوئی اپنے چھوٹے بچوں کو وعدہ دے اور ان بچوں کے لئے اس وعدہ کی وفا نہ کرے۔ کیونکہ دروغ فجور کی راہ پر لے جاتا ہے اور فجور آتش (جہنم) میں لے جاتا ہے اور اگر تم میں سے کوئی ہمیشہ دروغ کہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس نے دروغ کہا ہے اور فاجر ہوگیا ہے اور اگر تم میں سے کوئی ہمیشہ ہی دروغ کہے یہاں تک کہ اس کے دل میں سوئی کے برابر بھی سچ نہ رہے تو خداوندِ عالم کے نزدیک اس شخص کا نام جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔" (امالیٔ صدوق۔ مجلس۶۵۔ ص۳۷۶)

نیز اسی جگہ روایت کی گئی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"(اے لوگو) میرے لئے چھ چیزوں کو قبول کرو تو میں تمہارے لئے بہشت کی شفاعت کروں گا' جب تم کوئی بات کہو یا کسی بات کو نقل کرو تو دروغ نہ کہنا' جب کسی کو وعدہ دو تو خلافِ وعدہ نہ کرنا' جب تمہیں کوئی امانت سپرد کی جائے تو خیانت نہ کرنا' نامحرم کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بچانا' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنا اور اپنی زبانوں اور ہاتھوں کی

طرف اپنی اصلی حالت پر واپس آجاتی۔ پس جس شخص نے مجھے اٹھایا تھا اس سے میں نے کہا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ دروغ گو آدمی ہے کہ فرشتے قبر میں اس کو روزِ قیامت تک عذاب کرتے رہیں گے۔"

نیز آنحضرتؐ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"کیا میں تم کو گناہانِ کبیرہ میں سے بڑے گناہ بتاؤں؟ وہ خداوندِ عالم کے ساتھ شرک، والدین کی طرف سے عاق ہونا اور قولِ زور یعنی دروغ ہیں۔" (دعواتِ راوندی)

نیز فرمایا :

"بندہ ایک دروغ کہتا ہے تو فرشتہ اس کی اس عفونت کے سبب جو اس کے منہ سے نکلتی ہے اس دروغ گو سے بفاصلہ ایک میل دور ہوجاتا ہے۔" (حوالہ سابق)

نیز فرمایا :

"کس قدر بڑی بُرائی ہے کہ تو اپنے بھائی کے لئے ایک بات نقل کرے اور وہ تجھے اس میں سچا سمجھے حالانکہ تو اس بات میں دروغ گو ہے۔" (حوالہ سابق)

اور "کافی" میں صحیح سند کے ساتھ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے اس آیہ شریفہ "فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال" (سورہ بقرہ۲۔ آیت۱۹۷) کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ اس آیہ میں خداوندِ عالم نے احرامِ حج کے ایام میں رفث و فسوق اور جدال سے منع فرمایا ہے۔ رفث جماع ہے اور فسوق دروغ ہے۔

(کافی۔ ج۴۔ ص۲۳۸)

اور یہی مضمون علی بن جعفر نے اپنے بھائی حضرت موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت کیا ہے۔ (قرب الاسناد۔ ص۱۰۳)

اور شیخ صدوقؒ نے زید شحام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا :

"میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے رفث، فسوق اور جدال کے معنی کے بارے میں دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا : رفث جماع ہے اور فسوق دروغ ہے۔ کیا تم نے خدائے عزوجل کا یہ قول نہیں سنا "یاایھاالذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالة" (سورہ احزاب ۳۳۔ آیت۶) آپؑ نے اس آیت کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ خداوندِ عالم نے ولید کو دروغ گوئی کی معصیت کی وجہ سے فاسق کہا تھا۔"

(معانی الاخبار۔ ص۲۹۴)

نیز شیخ عیاشی نے اپنی تفسیر میں تین روایتیں نقل کی ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں فسوق سے مراد دروغ ہے۔ (تفسیرِ عیاشی۔ ج۱۔ ص۹۵)

اور شیخ مفیدؒ کی کتاب "ارشاد" میں مروی ہے کہ جس وقت حضرت سیدالشہداء علیہ السلام نے روزِ عاشورہ میدانِ کربلا میں خطبہ پڑھا تو فرمایا :

"واللہ ! جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ خداوندِ عزوجل جھوٹوں کو ان کے جھوٹ کی وجہ سے مبغوض رکھتا ہے اس وقت سے میں نے کبھی دروغ کہنے کا قصد نہیں کیا۔" (ارشادِ مفید۔ ص۲۳۴)

اور "کافی" میں حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"کذاب کی علامت یہ ہے کہ وہ تجھے آسمان و زمین اور مشرق و مغرب کی

خبریں دیتا ہے۔ پس اگر تو اس سے خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں یا اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کے متعلق کوئی مسئلہ پوچھے تو اسے اس بات کی کوئی خبر ہی نہیں۔" (کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۴۰)

اور کتاب "کافی" کے بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ اس کذاب سے مراد اصحابِ مکاشفہ ہیں جو علمِ غیب کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے دل میں آئے کہہ دیتے ہیں۔ اور امورِ دین میں اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں۔ ان شارحین نے ان لوگوں کے بارے میں کچھ حکایات نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی مدعیٔ مکاشفہ سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کو حالتِ نماز میں دو اور تین رکعت میں شک پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس نے کہا: ہمارا دل صاف ہے ہم کبھی شک نہیں کرتے۔

اور شیخ صدوق طاب ثراہ کی کتاب "عیون" میں مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے معراج کی رات ایک عورت کو دیکھا جس کا سر خنزیر کے سر کی مانند اور اس کا بدن خر کے بدن کی مانند تھا اور اس پر ہزار ہزار قسم کے عذاب ہو رہے تھے۔"

نیز چند دوسری عورتیں جو آپؐ نے دیکھی تھیں اور جو مختلف صورتوں میں تھیں اور مختلف قسم کے عذاب میں معذب تھیں ان کا ذکر کیا تو صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام نے آپؐ سے ان عورتوں کے کردار و سیرت کے متعلق پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"وہ عورت جس کا سر خنزیر کے سر کی مثل اور اس کا بدن خر کے بدن کی

طرح تھا وہ عورت چغل خور اور دروغ گو تھی۔"

(عیون اخبار الرضا۔ ج ۲۔ ص ۱۰ اور ۱۱)

اور قطب راوندی کی کتاب "لب لباب" میں امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمانے میں وصیت کی کہ جس زمانہ میں فاطمہ علیہا السلام کو مجھ سے تزویج کیا۔ پس فرمایا: دروغ کہنے سے پرہیز کرو کیونکہ دروغ کہنا منہ کو سیاہ کرتا ہے۔"

(لب لباب۔ مخطوط)

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب "علل الشرائع" میں مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"بہ تحقیق آدمی جب بھی ایک دروغ کہتا ہے پس وہ اس کی وجہ سے نمازِ شب سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس کیونکہ نمازِ شب سے محروم ہو جاتا ہے روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔" (علل الشرائع۔ باب ۸۳۔ ص ۳۶۲)

اور "عقاب الاعمال" میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"تین قسم کے لوگ ہیں جن کو روزِ قیامت عذاب دیا جائے گا۔ ایک وہ شخص جو حیوان کی صورت بنائے۔ تو اس کو فرشتے عذاب کرتے رہیں گے جب تک وہ اس میں روح نہ ڈالے جبکہ وہ روح ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا (یعنی اس کو ہمیشہ عذاب کرتے رہیں گے)، دوسرے وہ شخص جو اپنا خواب بتانے میں دروغ کہتا ہے، بایں طور کہ میں نے اس طرح دیکھا حالانکہ اس نے خواب میں اس طرح نہیں دیکھا ہوتا۔ اس کو

فرشتے عذاب کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ دو نہروں کے پانیوں میں
گرہ ڈالے حالانکہ وہ ان دونوں میں گرہ ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔
تیسرا وہ شخص جو ان لوگوں کی باتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس بات
کو ناپسند کرتے ہیں۔ پس فرشتے اس کے کان میں سیسہ ڈالیں
گے۔" (عقاب الاعمال۔ ص۲۶۶)

اور ماہِ مبارک رمضان کی دعائے شریف سحر جس کو ابو حمزہؒ ثمالی نے روایت
کیا ہے میں مذکور ہے۔

"اولعلک وجدتنی فی مقام الکذابین فرفضتنی"

"اے میرے آقا ! شاید تو نے مجھے کذابوں کی جگہ پر پایا ہو۔ پس مجھے
ترک کردیا ہو اور مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا ہو اور میرے نفس کی مہار
میرے ہاتھ میں دے دی ہو جو نہ معلوم مجھے کس وادیٔ ہلاکت میں ڈال
دے گی۔"

دروغ گو سے مراد ہو سکتا ہے ہر وہ شخص ہو جو زیادہ دروغ گوئی کرتا ہو اور
جس نے دروغ کو اپنی عادت بنا لیا ہو۔ یا اس جگہ خصوصیت سے وہ لوگ مراد
ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں دروغ کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ شب و روز
زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور حقیقت میں دروغ کہتے ہیں۔
اور "ایاک نعبد" کے ذریعے کہتے ہیں کہ ہم تیری ذاتِ مقدس کے سوا کسی کی
بندگی اور پرستش نہیں کرتے اور (حقیقت میں) دروغ کہتے ہیں۔ اور "ایاک
نستعین" میں کہتے ہیں کہ ہم تیری ذاتِ اقدس کے سوا کسی سے طلبِ مدد و
اعانت نہیں کرتے اور (حقیقت میں) دروغ کہتے ہیں اور اسی طرح باقی مقاماتِ

ایمان اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اقرار و اعتراف کے باقی مواقع پر۔

اور اسی مضمون کے بارے میں "کافی" میں وہ روایت ہے جو ابی اسحاق
خراسانی سے کی گئی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔

"ایاکم والکذب، فان کل راج طالب، وکل خائف
هارب"

"دروغ سے بچو اس کو اپنے سے دور کرو۔ بہ تحقیق دروغ اس طرح
ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص بھی کسی چیز کا امیدوار ہوتا ہے تو اس چیز تک
پہنچنے اور اس کو حاصل کرنے کی طلب میں ایسے کردار و عمل کو اختیار
کرتا ہے جو اسے اس تک پہنچائے اور جو شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے تو
ایسے افعال سے گریز کرتا اور بچتا ہے جو اسے اس چیز تک لے جانے کا
سبب ہوتے ہیں۔" (کافی۔ ج۲۔ ص۳۴۳)

پس تم لوگ جو مقامِ خوف و رجا کا دعویٰ کرتے ہو۔ بایں طور کہ ہم جنت
کے راغب اور اس کے شائق ہیں اور بہشت میں جانے کے امیدوار ہیں تو پھر
جنت تک پہنچنے کے اسباب سے متوسل ہونے میں تساہل کیوں کرتے ہو؟ اور
کہتے ہو کہ ہم برزخ و قیامت کے خوف اور عذاب و دوزخ کے انواع سے ڈرتے
ہیں تو پھر اس سے کیوں فرار نہیں کرتے اور خداوندِ عالم کی پناہ کیوں نہیں لیتے؟

اور آنحضرتؐ نے اپنے کسی خطبہ میں جو نہج البلاغہ میں موجود ہے اسی
مضمون کی تشریح ان کلمات میں فرمائی ہے۔

"یدعی بزعمه انه یرجو اللّٰه، کذب و العظیم ! ما
باله لا یتبین رجاوه فی عمله؟ وکل من رجا عرف

رجاوه فی عمله الا رجاء الله فانه مدخول، و کل خوف محقق الا خوف الله فانه معلول، یرجو الله فی الکبیر، و یرجو العباد فی الصغیر، فیعطی العبد مالا یعطی الرب! فما بال الله۔ جل ثناوہ۔ یقصر به عما یصنع لعباده؟ اتخاف ان تکون فی رجائک له کاذبا؟ او تکون لا تراه للرجاء موضعا؟ و کذالک ان هو خاف عبدا من عبیده اعطاه من خوفه مالا یعطی ربه، فجعل خوفه من العباد نقدا، و خوفه من خالقه ضمارا او وعدا" (نہج البلاغہ۔ خطبہ نمبر ۱۵۸)

"اپنے گمان میں خدا سے امید کا دعویدار ہے۔ قسم بخدا یہ جھوٹ بولتا ہے۔ (پس) اس کی امیدواری اس کے کردار سے کیوں ظاہر نہیں؟ جو کوئی امیدوار ہوتا ہے تو اس کی امید اس کے کردار سے آشکار ہوتی ہے۔ سوائے خدا کی امید کے کہ جو خالص نہ ہو (اور اسے پہچاننا دشوار ہے) خدا کے خوف کے سوا ہر خوف ظاہر ہے (اور اس کی پہچان آسان ہے) سوائے خدا کے خوف کے جو دلیل کا محتاج ہے (اور جسے کردار و گفتار میں نظر آنا چاہئے) وہ بڑے کاموں کے بارے میں خدا سے امید باندھتا ہے اور چھوٹے کاموں کے بارے میں اس کے بندوں سے۔ پس جس طرح بندوں کا حق ادا کرتا ہے، اس طرح خدا کا حق ادا نہیں کرتا۔ کیوں؟ کس وجہ سے خدا کے حق میں کوتاہی کرتا اور بندوں کا حق ملحوظ رکھتا ہے؟ کیا اس سے امید باندھنے کے دعوئ میں جھوٹے ہو؟ یا اسے

امید باندھنے کے لائق ہی نہیں سمجھتے۔ نیز اگر وہ خدا کے بندوں میں سے کسی سے خوف کھاتا ہے تو اس کا حق یوں ادا کرتا ہے کہ اس طرح تو پروردگار کا حق بھی ادا نہیں کرتا۔ پس بندگانِ خدا سے اپنے خوف کو نقد کی صورت میں رکھا ہے اور اپنے خالق سے خوف کو نہ چکانے کا ارادہ رکھنے والے قرض کی صورت میں۔"

"کافی" میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"اس روز ہر دروغ گو سے اس کے دروغ کے بارے میں باز پرس کی جائے گی، سوائے ان تین کے۔ ایک ایسے دروغ گو سے باز پرس نہ ہوگی جس نے دشمنِ دین سے جنگ کے دوران حیلے سے کام لیا ہو، پس اس سے دروغ کا بار اٹھا لیا جائے گا۔ دوسرے ایسے دروغ گو سے جو دو افراد کے درمیان صلح کراتے ہوئے دروغ سے کام لے اور اس سے اس کا ارادہ اس فساد کی اصلاح ہو جو ان کے مابین ہے اور تیسرا وہ دروغ گو جو اپنے اہل سے کسی چیز کا وعدہ کرے اور اس وعدے کی وفا کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔" (کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۴۲)

اور سبطِ شیخ طبرسی نے اپنی کتاب "مشکوۃ" میں اس حدیث کو اس کے آخر میں ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ نقل کیا ہے کہ "وعدہ کرنے میں اس کا مقصد اپنے اہل کے شر سے خود کو محفوظ رکھنا ہو۔" (مشکوۃ الانوار۔ ص ۱۷۶)

نیز امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"تمام دروغ گناہ ہیں سوائے اس دروغ کے جس کا فائدہ کسی مومن کو پہنچتا ہو یا اس کے جس کا مقصد دین کو ضرر سے محفوظ رکھنا ہو۔"

(مشکوۃ الانوار۔ ص ۱۷۶)

نیز کتاب "جامع الاخبار" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"تمام دروغ گوئیاں مذموم ہیں سوائے دو باتوں کے : ظالموں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے یا لوگوں کے درمیان صلح و صفائی کے لئے۔" (جامع الاخبار۔ فصل ۱۱۱۔ ص ۱۷۳)

اور کتاب "کافی" میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"بدترین روایات، روایتِ دروغ ہے۔" (کافی۔ ج ۸۔ ص ۸۱)

نیز "حسن صیقل" سے روایت ہے کہ۔

"ہم نے امام صادق علیہ السلام سے کہا کہ ہم نے امام محمد باقرؑ سے حضرت یوسف کے اس قول کہ "ایتها العیر انکم لسارقون" (سورہ یوسف ۱۲۔ آیت ۷۰) کے بارے میں سوال کیا۔ پس حضرت باقرؑ نے فرمایا کہ چوری نہیں کی تھی اور حضرت یوسفؑ نے دروغ نہیں کہا تھا۔

اور حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا : "بل فعله کبیرهم هذا فسئلوهم ان کانوا ینطقون" (سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت ۶۳)

پس حضرتؑ نے فرمایا : بخدا نہ انہوں نے کہا تھا اور نہ ابراہیمؑ نے دروغ کہا۔

پس حضرت صادقؑ نے حسن سے کہا : اس روایت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ (یعنی اس کی توجیہ کیا ہے) عرض کیا : ہمارے

نزدیک کچھ نہیں سوائے حق کو قبول کرنے کے۔ حضرتؑ نے فرمایا : خداوندِ عالم دو چیزوں کو پسند کرتا ہے اور دو چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ جنگ کے لئے صف آراء دو لشکروں کے درمیان متکبرانہ رفتار کو اور اصلاح کے لئے دروغ کو پسند کرتا ہے اور ناپسند کرتا ہے گلی کوچوں میں متکبرانہ رفتار کو اور اصلاح کے سوا دروغ کو۔ پھر فرمایا : حضرت خلیلؑ و صدیقؑ کا قصد اس کلام سے اصلاح تھا۔"

(کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۴۱۔ ۳۴۲)

یاد کرنے میں سہولت اور ہمیشہ نظروں کے سامنے حاضر رہنے کی غرض سے مناسب محسوس کرتا ہوں کہ گزشتہ آیات و اخبار سے دروغ اور دروغ گو کی خرابیوں کی بابت جو کچھ مستفاد ہوتا ہے اسے مختصر صورت میں بیان کروں۔

(۱) - دروغ فسق ہے "لا رفث ولا فسوق" (سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۱۹۷) اور دروغ گو فاسق "ان جاء کم فاسق بنباء" (سورہ حجرات ۴۹۔ آیت ۶)

(۲) - دروغ، قولِ زور اور بت پرست کا ذکر قرآن میں ایک ہی جگہ ہوا ہے "واجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور" (سورہ حج ۲۲۔ آیت ۳۰)

(۳) - دروغ گو ایمان نہیں رکھتا ہے "انما یفتری الکذب الذین لا یومنون" (سورہ نحل ۱۶۔ آیت ۱۰۵)

(۴) - دروغ کو شراب اور جوے کی مانند شمار کیا گیا ہے۔

(۵) - دروغ گو خداوندِ عالم کے نزدیک مبغوض ہے۔

(۶) - دروغ گو روسیہ ہے۔

(۷) - دروغ شراب سے بدتر ہے۔

(۸) - دروغ گو کے منہ کی بو متعفن اور بدبودار ہے۔

(۹) - فرشتے اس سے ایک میل دور رہتے ہیں۔

(۱۰) - خدا نے اس پر لعنت کی ہے "ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین" (سورہ نور۲۴- آیت۷) "فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین" (سورہ آلِ عمران۳- آیت۶۱)

(۱۱) - دروغ گو کے منہ کی بدبو آسمان تک جاتی ہے۔

(۱۲) - حاملینِ عرش دروغ گو پر لعنت کرتے ہیں۔

(۱۳) - دروغ ایمان کو خراب کرتا ہے۔

(۱۴) - دروغ ذائقۂ ایمان چکھنے میں مانع ہے۔

(۱۵) - دروغ گو لوگوں کے دلوں میں کینہ وعداوت کا بیج بوتا ہے۔

(۱۶) - دروغ گو کی مروّت تمام لوگوں سے کم ہوتی ہے۔

(۱۷) - ایک دروغ کی وجہ سے ستّر ہزار فرشتے دروغ گو کو لعنت کرتے ہیں۔

(۱۸) - دروغ نفاق کی علامت ہے۔

(۱۹) - دروغ اس گھر کی چابی ہے جس میں تمام خبائث پائے جاتے ہیں۔

(۲۰) - دروغ فجور اور دروغ گو فاجر ہے۔

(۲۱) - مشاورت کے دوران دروغ گو کی رائے پسندیدہ نہیں ہوتی۔

(۲۲) - دروغ نفسانی امراض میں قبیح ترین مرض ہے۔

(۲۳) - دروغ شیطان کی گھٹی ہے۔

(۲۴) - دروغ بدترین سود ہے۔

(۲۵) - دروغ مورثِ فقر ہے۔

(۲۶) - دروغ کا شمار خبائث میں ہوتا ہے۔

(۲۷) - دروغ فراموشی اور نسیان لاتا ہے۔

(۲۸) - دروغ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

(۲۹) - دروغ گو کو قبر میں ایک خاص عذاب سے معذب کیا جائے گا۔

(۳۰) - دروغ' دروغ گو کو نمازِ شب سے محروم کرتا ہے' پس وہ روزی سے محروم ہوجاتا ہے۔

(۳۱) - دروغ خدا کی نصرت سے محروم ہوجانے کا سبب ہے۔

(۳۲) - دروغ' دروغ گو کی انسانی صورت چھن جانے کا باعث ہے۔

(۳۳) - دروغ' بزرگ ترین خبائث ہے۔

(۳۴) - دروغ' گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔

(۳۵) - دروغ' ایمان سے دور ہے۔

(۳۶) - دروغ گو' بڑے گناہگاروں میں سے ہے۔

(۳۷) - دروغ' دروغ بولنے والے کو ہلاکت میں مبتلا کردیتا ہے۔

(۳۸) - دروغ' اپنے بولنے والے سے حسن و طراوت کو چھین لیتا ہے۔

(۳۹) - دروغ گو کسی شخص کی برادری کے قابل نہیں اور اس سے برادری اور مصاحبت سے منع کیا گیا ہے۔

(۴۰) - دروغ گو کی خدا ہدایت نہیں کرتا اور سے راہِ حق نہیں دکھاتا۔ "ان اللہ لا یہدی من ھو کاذب کفار" (سورہ زمر۳۹- آیت۳)

مقام سوم

اللہ، اس کے رسولؐ اور ائمۂ طاہرینؑ پر دروغ باندھنے کے گناہ کی بڑائی کے بارے میں

اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کے حالات کو کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے جن میں سے بعض کی طرف ہم تبرکاً اشارہ کرتے ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے :

"فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون"

"وائے ہو ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اسے تھوڑے دام میں بیچ لیں، ان کے لئے اس تحریر پر بھی عذاب ہے اور اس کی کمائی پر بھی۔"

(سورہ بقرہ ۲- آیت ۷۹)

سورۂ آلِ عمران میں ہے :

"فمن افتریٰ علی اللہ الکذب من بعد ذالک فاولئک ھم الظالمون" (سورہ آلِ عمران ۳- آیت ۹۴)

"اس کے بعد جو بھی خدا پر بہتان رکھے گا اس کا شمار ظالمین میں ہوگا۔"

اور سورۂ انعام میں ہے :

"ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہ انہ لا یفلح الظالمون"

"اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا پر بہتان باندھے اور اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ یقیناً ان ظالمین کے لئے نجات نہیں ہے۔"

(سورہ انعام ۶- آیت ۲۱)

اور سورۂ اعراف میں ہے :

"فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذباً"

"اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹا الزام لگائے۔"

(سورہ اعراف ۷- آیت ۳۷)

اور سورۂ یونس میں ہے :

"فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہ انہ لا یفلح المجرمون"

"اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا الزام لگائے یا اس کی آیتوں کی تکذیب کرے جب کہ وہ مجرمین کو نجات دینے والا نہیں ہے۔"

(سورہ یونس ۱۰- آیت ۱۷)

اسی سورہ میں ارشاد ہے :

"وما ظن الذین یفترون علی اللہ الکذب یوم القیٰمۃ"

"اور جو لوگ خدا پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں ان کا روزِ قیامت کے بارے

میں کیا خیال ہے۔" (سورہ یونس ۱۰- آیت ۶۰)

اسی سورہ میں ہے :

"ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون' متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ثم نذیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون"

"جو لوگ خدا پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس دنیا میں تھوڑا سا آرام ہے اس کے بعد سب کی بازگشت ہماری ہی طرف ہے۔ اس کے بعد ہم ان کے کفر کی بنا پر انہیں شدید عذاب کا مزا چکھائیں گے۔" (سورہ یونس ۱۰- آیت ۶۹-۷۰)

اور سورۂ ہود میں فرمایا ہے :

"ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذباً اولئک یعرضون علی ربھم و یقول الاشھاد ھؤلاء الذین کذبوا علی ربھم الا لعنۃ اللہ علی الظالمین"

"اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹا الزام لگاتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو سارے گواہ گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے خدا کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ تو آگاہ ہو جاؤ کہ ظالمین پر خدا کی لعنت ہے۔" (سورہ ہود ۱۱- آیت ۱۸)

سورۂ نحل میں ہے :

"ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون' متاع قلیل ولھم عذاب الیم"

"جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں ان کے لئے فلاح اور کامیابی نہیں ہے۔ یہ دنیا صرف ایک لذت ہے اور اس کے بعد ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔" (سورہ نحل ۱۶- آیت ۱۱۶-۱۱۷)

سورۂ کہف میں ہے :

"فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذباً"

"اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو پروردگار پر جھوٹ باندھے اور اس کے خلاف الزام لگائے۔" (سورہ کہف ۱۸- آیت ۱۵)

سورۂ طٰہٰ میں ہے :

"ویلکم لا یفتروا علی اللہ کذباً فیسحتکم بعذاب وقد خاب من افترٰی"

"تم پر وائے ہو' اللہ پر جھوٹ کا بہتان نہ باندھو کہ وہ تم کو عذاب کے ذریعے تباہ و برباد کردے گا اور جس نے اس پر بہتان باندھا وہ یقیناً رسوا ہوا ہے۔" (سورہ طٰہٰ ۲۰- آیت ۶۱)

سورۂ عنکبوت میں ہے :

"ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذباً او کذب بالحق لما جاءہ الیس فی جھنم مثوی للکافرین"

"اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی طرف جھوٹی باتوں کی نسبت دے یا حق کے آجانے کے بعد بھی اس کا انکار کردے تو کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانا نہیں ہے۔" (سورہ عنکبوت ۲۹- آیت ۶۸)

سورۂ زمر میں ہے :

"فمن اظلم ممن کذب علی اللہ و کذب بالصدق اذ جاءہ الیس فی جھنم مثوی للکافرین"

"تو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر بہتان باندھے اور صداقت کے آجانے کے بعد اس کی تکذیب کرے تو کیا جہنم میں کافرین کا ٹھکانہ نہیں ہے۔" (سورہ زمر ۳۹۔ آیت ۳۲)

اسی سورہ میں ارشاد ہے :

"و یوم القیٰمۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوھھم مسودۃ الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین"

"اور تم روزِ قیامت دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر بہتان باندھا ہے ان کے چہرے سیاہ ہوگئے ہیں۔ اور کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں ہے۔" (سورہ زمر ۳۹۔ آیت ۶۰)

سورۂ صف میں ہے :

"ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ الکذب وھو یدعی الی الاسلام"

"اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹا الزام لگائے جب کہ اسے اسلام کی دعوت دی جارہی ہو۔" (سورہ صف ۶۱۔ آیت ۷)

اس گناہ کی بڑائی کے اثبات، اس کا ارتکاب کرنے والوں کی زجر و توبیخ اور ان کے خود کو بنی نوع انسان کے ظالم ترین لوگوں کے زمرہ میں شامل کرنے، روزِ حساب روسیاہ ہونے اور متکبرین کے ساتھ عذاب میں شامل ہونے کے بارے میں ہم انہی پندرہ آیات پر اکتفا کرتے ہیں۔

شیخ کلینی نور اللہ مرقدہ نے "کافی" اور برقی علیہ الرحمہ نے "محاسن" میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"خداوندِ عالم اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دروغ باندھنا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔"

(کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۳۹، محاسنِ برقی۔ ج ۱۔ ص ۱۱۸)

اور نیز اسی مضمون کو بہ سندِ دیگر انہوں نے آنجنابؑ سے اس اضافے کے ساتھ روایت کیا ہے : اوصیا علیہم السلام پر دروغ باندھنا (یعنی یہ بھی گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ (کافی۔ ج ۴۔ ص ۸۹)

اور عیاشی نے بھی اپنی تفسیر میں اس قسم کی روایت نقل کی ہے۔

(تفسیرِ عیاشی۔ ج ۱۔ ص ۲۳۸)

نیز "کافی" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ابو النعمان سے فرمایا :

"اے ابو النعمان ! ہم پر دروغ نہ باندھنا ورنہ تو ملتِ اسلام سے برطرف اور دور ہوجائے گا۔ (یعنی یہ دروغ جھوٹے کو دائرہ اسلام سے خارج کردیتا ہے)" (کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۳۸)

اور اسی خبر کو شیخ مفید قدس سرہ نے کتاب "ارشاد" میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (امالیٔ مفید۔ مجلس ۲۳۔ ص ۱۸۲۔ لیکن کتاب ارشاد میں نہیں ہے)

اور نیز کافی میں مروی ہے :

"حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں ذکر ہوا کہ کیا حائک (یعنی

کپڑا بنانے والا) ملعون ہے؟ (یعنی یہ خبر آپؑ کے محضرِ انوار میں ذکر ہوئی) آپؑ نے فرمایا : اس سے مراد وہ شخص ہے جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دروغ بافی کرتا ہے۔"

(کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۴۰)

نیز اسی جگہ آنجنابؑ سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے اہلِ شام میں سے ایک آدمی سے فرمایا :

"اے برادرِ شامی ! ہماری حدیث سنو اور ہم پر دروغ نہ باندھو۔ کیونکہ جس نے ہم پر دروغ باندھا پس بہ تحقیق اس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دروغ باندھا اور جس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دروغ باندھا پس بہ تحقیق اس نے خدائے تعالیٰ پر دروغ باندھا اور جس شخص نے حقِ تعالیٰ پر دروغ باندھا تو خدائے عزوجل اس پر عذاب کرے گا۔" (کافی۔ ج ۴۔ ص ۱۸۷)

اور شیخ صدوق قدس اللہ روحہ نے کتاب "فقیہ" میں روایت کی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی وصیتوں کے ضمن میں امیرالمومنین علیہ السلام سے فرمایا :

"اے علیؑ ! جو شخص مجھ پر عمداً دروغ باندھے گا پس وہ اپنا ٹھکانہ آتشِ جہنم میں بنائے گا۔" (من لا یحضرہ الفقیہ۔ ج ۴۔ ص ۳۶۴)

اور ابو علی طوسی طاب ثراہ نے "امالی" میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے ابنِ ابی الدنیا سے اور انہوں نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا : میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے سنا :

"جو شخص بھی عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے گا ---- وہ اپنا ٹھکانا آتشِ جہنم میں بنائے گا۔" (بحار الانوار۔ ج ۲۔ ص ۱۶۰۔ امالی کی سند سے اور امالی میں ایک دوسری سند سے ج ۱۔ ص ۲۳۱)

اور عماد الدین طبری آملی نے کتاب "بشارۃ المصطفیٰ" میں آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"مجھ سے سنو اور مجھے دیکھو پس جو شخص بھی عمداً مجھ پر دروغ باندھے گا پس اس کا ٹھکانہ ---- (آخر تک جس طرح پہلے گزرا ہے۔)"

(بشارۃ المصطفیٰ۔ ص ۱۳۷)

نیز ابنِ ابی جمہور احسائی کی کتاب "عوالی اللئالی" میں آنحضرتؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا :

"روایت کرنے سے پرہیز کرو مگر اس بات کی جس کا تمہیں پوری طرح علم ہو اور اس بات کا یقین ہو کہ وہ روایت مجھ سے صادر ہوئی ہے کیونکہ جو شخص مجھ پر دروغ باندھے گا ---- (تا آخر)"

(عوالی اللئالی۔ ج ۱۔ ص ۱۸۶)

اور سلیم بن قیس ہلالی جو کہ اصحابِ امیرالمومنین علیہ السلام میں سے ہیں نے اپنی کتاب میں آنجنابؑ سے روایت کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"بہ تحقیق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر آپؐ کے زمانہ میں ہی دروغ باندھا گیا یہاں تک کہ آپؐ خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا : اے لوگو ! مجھ پر دروغ باندھنے والے زیادہ ہو گئے

ہیں۔ پس جو شخص بھی مجھ پر دروغ باندھے گا۔۔۔۔۔(تا آخر)"

(کتابِ سلیم۔ ص ۱۰۴)

اور اس خبر کی اسانید خاصہ (شیعہ) و عامہ (اہلِ سنت) کی کتبِ احادیث میں بکثرت ہیں بلکہ علماء نے اس خبر کو اخبارِ متواترہ میں شمار کیا ہے۔

نیز انہوں نے اس جگہ روایت کی ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر بعض دروغ باندھے اور منبر پر ان کا ذکر کیا اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپؑ نے فرمایا :

"اہلِ شام کی رذالت پر تعجب ہے کہ عمرو کے قول کو قبول کرتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ اس کے بات کہنے اور دروغ باندھنے کا کام اور اس کے ورع کی کمی اس حد تک پہنچی ہے کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دروغ باندھتا ہے اور جو کوئی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر دروغ باندھتا ہے تو خداوندِ عالم اس کو سترؔ مرتبہ لعنت کرتا ہے۔" (کتابِ سلیم۔ ص ۱۷۲)

اور شیخ شہید ثانی قدس سرہ اپنی کتاب "درایہ" میں خبرِ متواتر اور بہت سی ایسی اخبار جن کے بارے میں لوگ دعوئ تواتر کرتے ہیں کو رد کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"ہاں حدیث "من کذب علی متعمداً فلیتبؤا مقعدہ من النار" (جس نے مجھ پر عمداً دروغ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ آتشِ جہنم میں بنائے گا۔) میں دعوئ تواتر کرنا ممکن ہے۔ پس بہ تحقیق یہ خبر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بہت سے اصحاب سے نقل کی گئی ہے

اور کہتے ہیں کہ اس خبر کے راوی چالیس صحابہ تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے راوی باسٹھ صحابی تھے اور اس حدیث کے رواۃ کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی۔۔۔۔۔(تا آخر)" (الدرایہ۔ ص ۱۵)

اور "کافی" میں مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا :

"بہ تحقیق ایک دروغ یقیناً روزے کو باطل کردیتا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا : ہم میں سے کون ایسا ہے جس سے ایک دروغ بھی صادر نہ ہوتا ہو؟ آپؑ نے فرمایا : میرا مقصد اس سے یہ نہیں جو تو خیال کرتا ہے۔ بلکہ میری مراد اس دروغ سے وہ دروغ ہے جو خدائے تعالیٰ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام پر ہو۔" (کافی۔ ج ۲۔ ص ۳۴۰)

اور شیخ طوسی طاب ثراہ کی کتاب "تہذیب" میں ابی بصیر سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں :

"میں نے حضرت صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ : ایک دروغ وضو کو باطل اور روزے کو کھول دیتا (باطل کردیتا ہے) ہے۔ میں نے آپؑ کے حضور میں عرض کیا : ہم سب تباہ ہوئے ہیں ! پس حضرت نے اس سے وہی پہلی والی بات بیان کی۔"

(تہذیب۔ ج ۴۔ ص ۲۰۳)

نیز اس جگہ مروی ہے کہ راوی نے کہا :

"میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ جس شخص نے ماہِ رمضان میں دروغ کہا ہو اس کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا : اس نے اپنا روزہ افطار کرلیا (اس

کا روزہ باطل ہے) اور اس روزے کی قضا واجب ہے۔ میں نے عرض کیا : وہ دروغ کس قسم کا ہو؟ فرمایا : جو اس نے خداوندِ عالم اور اس کے رسولؐ پر باندھا ہو۔" (تہذیب۔ج۴۔ص۱۹۰)

اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی کتاب "خصال" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"پانچ چیزیں ہیں جو روزہ دار کے روزے کو باطل کرتی ہیں۔ کھانا' پینا' جماع' پانی میں غوطہ لگانا اور خداوندِ عالم اور اس کے رسولؐ اور ائمہ صلوات اللہ علیہم پر دروغ باندھنا۔" (خصال۔ص۲۸۶)

اور احمد بن عیسیٰ کی کتاب "نوادر" میں آنجنابؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"جو شخص خداوندِ عالم اور اس کے رسولؐ پر عمداً دروغ باندھے اور روزہ دار ہو پس اس کا روزہ اور وضو ٹوٹ جائے گا یا ناقص ہو جائے گا۔" (النوادر۔ص۲۰)

اس مضمون پر متعدد اخبار و احادیث وارد ہوئی ہیں۔

اور "تفسیرِ عیاشی" میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"جس شخص نے یہ گمان کیا ہو کہ خدائے تعالیٰ نے سوء اور فحشاء (کے کرنے) کا حکم فرمایا ہے تو اس نے خدائے تعالیٰ پر دروغ باندھا ہے (پھر آپؑ نے چند کلمات کے بعد فرمایا) اور جو شخص خداوندِ تبارک و تعالیٰ پر دروغ باندھے گا تو خدا اسے آتشِ جہنم میں داخل کرے گا۔"

(تفسیرِ عیاشی۔ج۲۔ص۱۱)

اور نیز اسی جگہ مروی ہے :

"ایک شخص نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے خداوندِ عزوجل کے قول "واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیہا آباءنا واللہ امرنا بہا قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون" (اور یہ لوگ جب کوئی بُرا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے آباؤ اجداد کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ نے یہی حکم دیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ خدا بُری بات کا حکم دے ہی نہیں سکتا ہے کیا تم خدا کے خلاف وہ کہہ رہے ہو جو جانتے بھی نہیں ہو۔ سورۂ اعراف۷۔ آیت۲۸) کے بارے میں دریافت کیا۔ تو حضرتؑ نے اس سائل سے فرمایا : کیا تونے کسی ایسے آدمی کو دیکھا ہے جو گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے' شراب پینے اور محرمات میں سے کسی چیز کے کرنے کا حکم دیا ہے؟ میں نے عرض کیا : "نہیں"۔ فرمایا : (اس آیت میں) وہ کون سا فاحشہ ہے جس کے متعلق لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اس کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا : اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کا ولی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا : یہ پیشوایانِ جور کا مقولہ ہے' وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے خلائق کو حکم دیا ہے کہ وہ ان پیشوایانِ جور کی پیروی اور اقتدا کریں۔ پس خداوندِ عالم نے ہمیں خبر دی ہے کہ انہوں (پیشوایانِ جور) نے خداوندِ عالم پر دروغ باندھا ہے اور خداوندِ عالم نے ان کے اس دروغ باندھنے کو فاحشہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔" (تفسیرِ عیاشی۔ص۱۲)

اور شیخ کشی نے اپنی کتاب "رجال" میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"ہم اہلِ بیتؑ راست گو ہیں اور ہم بھی اس دروغ سے خالی نہیں جو ہم پر دروغ باندھتا ہے اور ہم پر اپنی جھوٹی باتیں باندھنے کی وجہ سے ہماری سچی باتوں کو لوگوں کے نزدیک بے اعتبار بناتا ہے۔"

پھر حضرتؑ نے ہر طبقہ کے دروغ گو آدمیوں کی ایک جماعت کو شمار کیا اور فرمایا :

"اللہ ان پر لعنت کرے۔ ہم اس کذاب سے خالی نہیں ہیں جو ہم پر دروغ باندھتا ہے اور یا وہ رائے میں عاجز اور بے دست دپا ہے۔ اللہ ہر اس دروغ گو کی زحمت سے بچائے جو ہم پر ہے اور ان کو لوہے کی گرمی کا مزہ چکھائے۔" (رجالِ کشی۔ ص ۳۰۵)

نیز انہوں نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اور آپؑ نے اپنے آباء کرامؑ سے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"جو شخص ہم اہلِ بیتؑ پر دروغ باندھے گا تو خداوندِ عالم اس کو بروزِ قیامت نابینائی کی حالت میں اور گروہ یہود میں محشور کرے گا اور اگر اس دروغ گو نے دجال کو پالیا (یعنی دجال کا ظہور ہوگیا) تو یہ اپنی قبر میں بھی اس پر ایمان لے آئے گا۔" (رجالِ کشی۔ ص ۳۹۶-۳۹۷)

اور شیخ صدوق نے کتاب "کمال الدین" اور "علل الشرائع" میں اور طبرسی نے "احتجاج" میں محمد ابنِ اسحاق طالقانی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا :

"میں ایک جماعت کے ہمراہ ابی القاسم حسین بن روح قدس اللہ روحہ جو کہ حضرتِ حجت علیہ السلام کے نائبِ سوم ہیں کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی اٹھا اور اس نے ان (نائبِ سوم) سے سوال کیا۔ انہوں نے اسے ایک طولانی جواب دیا۔ محمد بن ابراہیم کہتا ہے کہ میں دوسرے روز پھر ابی القاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کل میں نے انہیں جو کچھ بیان کرتے دیکھا کیا وہ ان کی طرف سے تھا۔ پس انہوں نے میرے اظہار کے بغیر ابتدا کی اور فرمایا : اے محمد بن ابراہیم "لان اخر من السماء فتخطفنی الطیر او تھوی بی الریح فی مکان سحیق احب الی ان اقول فی دین اللہ تعالٰی ذکرہ برایی و من عند نفسی" "اگر آسمان سے گرایا جائے اور مجھے پرندہ اچک لے یا مجھے ہوا دور کسی جگہ جا گرائے تو یہ چیز مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اللہ تعالٰی کے دین میں اپنی رائے یا اپنی طرف سے کچھ کہوں۔" (بلکہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اصل کی طرف سے تھا اور حضرتِ حجت صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے سنا ہوا تھا۔)" (کمال الدین۔ ص ۵۰۷-۵۰۸، علل الشرائع۔ ص ۲۴۲ و ۲۴۳، احتجاج۔ ج ۲۔ ص ۲۸۵-۲۸۸)

نیز کتاب "معانی الاخبار" میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"اس بات سے بچو کہ خداوندِ عالم تمہاری تکذیب کرے اور اللہ تعالٰی تمہیں جھٹلائے۔ ایک شخص نے عرض کیا : یا رسول اللہؐ ! یہ کس

طرح ہے؟ فرمایا : تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ خداوندِ عالم نے اس
طرح فرمایا۔ پس خداوندِ عزوجل فرماتا ہے تو نے جھوٹ کہا۔ میں نے
اس طرح نہیں فرمایا۔ اور تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ خداوندِ عالم نے
اس طرح نہیں فرمایا۔ پس خدائے تعالیٰ فرماتا ہے تو نے جھوٹ کہا
ہے۔ بہ تحقیق میں نے اس طرح فرمایا ہے۔" (معانی الاخبار۔ ص ۳۹۰)

اور شیخ کشی نے اپنی "رجال" میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت
کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"واللہ جو شخص بھی ہم پر دروغ باندھے خداوندِ عالم اسے لوہے کی گرمی
کا مزہ چکھائے گا۔" (رجالِ کشی۔ ص ۵۵۵)

اور "کافی" میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا :

"اگر کوئی شخص اس بات کے بارے میں جسے خدا نہیں جانتا کہے کہ خدا
جانتا ہے (یعنی وہ کوئی کام کرے اور اس کے خلافِ واقع نقل کرے اور
خدا کو گواہ قرار دے اور کہے کہ اللہ جانتا ہے اور کیونکہ وہ عمل انجام
ہی نہیں دیا اس لئے خدا اسے نہیں جانتا) فرمایا : اس صورت میں
عرشِ الٰہی جلالِ حق کی تعظیم میں لرز اٹھتا ہے۔"

(کافی۔ ج ۷۔ ص ۴۳۷)

اور اسی مضمون کو دوسری سند کے ساتھ بھی نقل کیا گیا ہے۔ نیز اس جگہ
آنجنابؑ سے روایت کی گئی ہے :

"جب کوئی بندہ کہتا ہے کہ خدا جانتا ہے حالانکہ اس نے دروغ کہا ہوتا
ہے۔ تو خداوندِ عزوجل فرماتا ہے : اے بندے ! کیا تجھے میرے

سوا کوئی نہیں ملا جس پر یہ دروغ باندھے۔" (کافی۔ ج ۷۔ ص ۴۳۷)

اور اس خبر کو مرحوم سید نعمت اللہ جزائری نے "انوارِ نعمانیہ" میں یوں نقل
کیا ہے :

"خداوندِ عالم فرشتے سے فرماتا ہے : اے میرے فرشتے ! میرے
بندے کی طرف دیکھو کہ اس کو مجھ سے عاجز ترین کوئی بندہ نہیں ملا کہ
اپنا یہ دروغ اس کے حوالے کرتا۔ یہاں تک کہ اس نے یہ دروغ
میرے علم کے حوالے کیا ہے۔ پس میں عذاب و خواری میں سے جس
طرح چاہوں گا اس کے ساتھ کروں گا۔"

(انوار النعمانیہ۔ ج ۳۔ ص ۶۱)

اور ہم (صاحبِ کتاب) نے یہ اضافہ کتبِ اصحاب میں نہیں دیکھا معلوم
نہیں (سیدِ مذکور نے یہ اضافہ) کہاں سے نقل کیا ہے۔

(ناحق فتویٰ کا خطرہ)

مخفی نہ رہے کہ بغیر علم و حق فتویٰ دینا کبھی تو ایسے ہوتا ہے کہ اس قسم کا
آدمی یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کو اللہ نے حلال کیا ہے اور ان کو حرام اور ان کو
واجب اور ان کو مستحب اور اسی طرح کی اور باتیں۔

پس ان آیات و اخبارِ گزشتہ کے علاوہ جن میں اللہ تعالیٰ اور معصومین علیہم
السلام نے اس کاذب کے حال کو بیان فرمایا ہے اور ان کے علاوہ ان آیات و
اخبار کے دیگر مضامین جن میں بغیر علم و بغیر حق فتویٰ دینے سے ڈرایا گیا ہے اور
معصومین علیہم السلام نے اس گروہ کے لئے مختلف اقسام کے عذاب کا وعدہ فرمایا

ہے وہ مضامین اس کاذب، خاسر، بے بہرہ مفتی کو شامل ہوں گے اور وہ سابقہ آیات واخبار کے مضامین میں بھی منضم ہوجائے گا۔

جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے وہ اہلِ بصیرت و انصاف کے لئے کافی ہے۔ للذا ہم نے ان آیات واخبار کے نقل کرنے سے اعراض کیا ہے جو کہ اس رسالہ کی طوالت اور ناظرین کی ملالت کا موجب ہوتے اور ایسے اہم اور مفید مطالب کو ذکر کیا ہے جو کسی اور جگہ بیان ہوتے نہیں دیکھے گئے۔ وباللہ التوفیق۔

مقامِ چہارم

دروغ کی اقسام اور اس کے حکم کے بارے میں

یہاں دو مطالب ہیں۔

مطلبِ اول : دروغ کی اقسام کے بیان میں

کسی پر دروغ باندھنے، کسی کے بارے میں دروغ کہنے، دروغ کی کمی یا زیادتی، دروغ بولنے کے مقصد، اس سے مرتب ہونے والے آثارِ صلاح وفساد، سننے والوں پر اس کے ظہور واخفا، اس عضو سے جس سے دروغ صادر ہوا، دروغ کے عرف ولغت میں معنی اور شرع وغیرہ میں اس کی اصطلاح کے لحاظ سے اس کی اقسام ہوتی ہیں اور اس کی بعض اقسام ایک دوسرے میں شامل ہوتی ہیں۔ پس وضاحت کے لئے عرض کریں گے کہ۔

اول : کبھی تو دروغ خداوندِ عزّوجل، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمۂ طاہرین صلوات اللہ علیہم پر ہوتا ہے اور کبھی ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر۔ اور کبھی دروغ کا کسی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہوتا اور کسی پر بہتان نہیں ہوتا بلکہ محض خلافِ واقع بات ہوتی ہے۔ تمام علماء کرام نے صدیقۂ طاہرہ علیہا السلام کو بھی اس حکم میں پہلی قسم سے ملحق کیا ہے (یعنی جس طرح خدا اور رسولؐ اور ائمۂ معصومینؑ کے بارے میں دروغ کہنے کا عذاب و عقاب ہے اسی

طرح صدیقہ طاہرہ ؑ کے بارے میں بھی ہے) اور اسی طرح باقی انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو خصوصاً اگر کسی دینی معاملہ میں نبی یا وصی پر دروغ باندھا جائے تو وہ ایسے ہی ہوگا جیسے خداوندِ عزّوجل پر دروغ باندھا گیا ہے۔

دوم : پیغمبر اور امام صلوات اللہ علیہما پر دروغ کبھی تو دینی معاملات میں ہوتا ہے یعنی ایسی چیزوں میں جنہیں بیان کرنا پیغمبر یا امام علیہما السلام کا وظیفہ ہے۔ جیسے واجبات و مستحبات، مکروہات و آداب اور حلال و حرام اور امورِ سیاست میں سے وہ چیزیں جو ان کی ریاست و خلافت سے متعلق ہیں، جیسے کسی کو معزول کرنا، نصب کرنا، اموال کا حاصل کرنا، لشکر کو بھیجنا اور اس قسم کی دیگر چیزیں۔ اس کی مثال وہ مقام ہے جس میں ذاکر و خطیب پڑھتے ہیں کہ علی اکبر علیہ السلام کے میدان میں جانے اور ان کے مقابلہ میں ایک پہلوان کے آنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت علی اکبر علیہ السلام کی مادرِ گرامی لیلیٰ سے فرمایا : اے لیلیٰ ! اٹھ اور خلوت میں اپنے فرزند کے لئے دعا کر کیونکہ میں نے اپنے جدِ بزرگوار سے سنا ہے کہ آپ ؐ فرمایا کرتے تھے کہ ماں کی دعا اپنے بیٹے کے حق میں مستجاب ہوتی ہے---- تا آخر کہ یہ تمام دروغ ہے۔

اور کبھی ان ہستیوں (معصومین ؑ) کے دنیوی معاملات اور دوسروں کے ساتھ مشترکہ رہن سہن کے بارے میں دروغ ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا، پینا، سونا اور حرکت و سکون یا اس قسم کی دیگر چیزیں۔ اس کی مثال وہ دروغ ہے جسے یہ جماعت (ذاکرین) پڑھتی ہے کہ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا حضرت امام حسین علیہ السلام کی حالتِ احتضار میں آپ ؑ کے پاس تشریف لائیں اور پھر وہ ان معظمہ کی زبان سے عربی زبان کے کچھ کلمات نقل کرتے ہیں جو ان (ذاکروں اور خطیبوں)

کے نزدیک اس جعلی خبر کی صحت کی دلیل ہے۔ پس وہ نقل کرتے ہیں کہ۔

"فرمقها بطرفه فقال لها : اخية ارجعي الى الخيمة فقد كسرت قلبي وزدت كربي----الخ"

"پس امام حسین ؑ نے کن انکھیوں سے جناب زینب کی طرف دیکھا اور فرمایا : اے بہن خیمہ کی طرف واپس ہو جاؤ تم نے میرا دل شکستہ کردیا اور میرے غم کو زیادہ کردیا------ (تا آخر)"

سوم : یہ ہے کہ پیغمبر ؐ اور امام ؑ پر دروغ کبھی تو کسی کلام کو ان کی طرف منسوب کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے، حالانکہ انہوں نے اس طرح نہیں فرمایا ہوتا۔ اس کی دو مثالیں تو ابھی گزری ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی بکثرت ہیں۔

اور کبھی دروغ کسی فعل کو ان کی طرف منسوب کرنے کی صورت میں ہوتا ہے کہ کہتے ہیں انہوں نے اس طرح کیا حالانکہ انہوں نے اس طرح نہیں کیا ہوتا۔ جیسے اس جماعت (ذاکرین اور خطیبوں) کا یہ کہنا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشورا چند حملے کئے اور ہر حملہ میں دس ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔

اور کبھی دروغ ان (معصومین ؑ) کی تقریر کے بارے میں ہوتا ہے یعنی یہ کہ کسی آدمی نے ان (معصومین ؑ) کے سامنے کوئی کام کیا اور انہوں نے اس آدمی کو اس کام سے منع نہ فرمایا باوجودیکہ وہاں نہ تقیہ تھا اور نہ ہی انہیں منع کرنے میں کسی کا خوف تھا۔ پس ایسا کام جائز بلکہ مرغوب و محبوب ہوگا۔

چہارم : دروغ کبھی کسی شخص سے اس قدر زیادہ صادر ہوتا ہے کہ ایسے انسان کو عام طور پر دروغ گو کہا جانے لگتا ہے۔ اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جس نے

دروغ کو اپنی عادت بنالیا ہو اور دروغ اس کی فطرت اور ملکہ ہوگیا ہو اور اس سے بہت زیادہ صادر ہوتا ہو۔ عربی زبان میں ایسے شخص کو کذاب کہتے ہیں جس کا اخبار و احادیث میں بارہا ذکر ہوا ہے اور بعض علماء نے اس کا ترجمہ "انتہائی دروغ گو" کیا ہے لیکن حقیر (صاحبِ کتاب) کی نظر میں اس کا ترجمہ وہی "دروغ گو" ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص نے دروغ کو اپنی عادت نہ بنالیا ہو اور ایک دفعہ یا دو دفعہ اس نے دروغ کہا ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے دروغ کہا۔ ایسے شخص کو "دروغ گو" نہیں کہتے۔ اگرچہ بہ حسبِ لغت اسے دروغ گو کہنا بھی صحیح ہے۔

اور ایک خبر (حدیثِ رسولؐ یا قولِ امامؑ میں آیا ہے) کہ وہ دروغ گو مذموم ہے جس نے دروغ کو عادت بنالیا ہو۔ یعنی جس کی سرشت اور طینت دروغ پر ہو اور اس کو اس نے اپنی عادت بنایا ہوا ہو۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس قسم کے مقابل کا نام "کاذب" رکھا جائے اور یہ ایسا شخص ہے جس نے دروغ کہنے کو اپنی عادت نہ بنایا ہو لیکن اس سے کبھی کبھار دروغ سرزد ہوتا ہو۔

پنجم : دروغ گو سے کبھی تو دروغ از روئے سنجیدگی اور حقیقت اور واقعیت کے بیان کے اظہار کے طور پر صادر ہوتا ہے۔ جس طرح وہ اپنے دوسرے مقاصد و مطالب رکھتا اور ان کا اظہار کرتا ہے۔ پس وہ سننے والوں کو جہالت اور خلافِ واقع اعتقاد کا شکار کردیتا ہے اور ان کو خلافِ حقیقت کا معتقد بنادیتا اور ان کی جہالت میں اضافہ کردیتا ہے اور کبھی (یہ دروغ) از روئے مزاح اور خوش طبعی ہوتا ہے کہ جس سے دروغ گو کا مقصد سوائے ہنسانے اور مزاح کے کچھ اور نہیں ہوتا۔ اور اس کی وجہ سے سننے والوں میں سے کوئی بھی خلافِ واقع کا معتقد نہیں بنتا۔

ششم : دروغ سے کبھی فساد بلکہ مفاسدِ عظیمہ ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بعض اخبار (احادیث و روایات) میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ایسا شخص جس پر لوگ اعتماد کرتے ہوں، وہ خبر دے کہ فلاں شخص (جو غائب اور صاحبِ اہل و عیال ہے) مرگیا ہے تو اس خبر پر اعتماد کی وجہ سے اس کا مال تقسیم ہوجائے گا اور اس کی بیوی کسی اور سے شادی کرلے گی۔ پس ان دو کاموں کی وجہ سے اس قدر فساد اور خرابیاں پیدا ہوجائیں گی جن کا احصاء و شمار نہیں ہوسکتا۔

اور کبھی دروغ کا اس کے سوا اور کوئی نقصان نہیں ہوتا کہ سننے والے اس کی وجہ سے کسی خلافِ واقع بات پر عقیدہ رکھ لیتے ہیں، جب کہ اگر وہ حقیقت اور واقع پر اعتقاد رکھیں تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور یہ دونوں اعتقاد بے فائدہ ہونے میں ایک ہی سے ہیں۔ جیسے کہ فلاں بادشاہ مرگیا یا فلاں نے فلاں پر غلبہ پالیا یا لشکر نے یا بادشاہ نے فلاں ملک میں اس قدر مداخلت کرلی ہے۔ حالانکہ نہ وہ مرا اور نہ اس نے غلبہ پایا اور نہ ہی اس نے مداخلت کی۔ لیکن سننے والے کے لئے ان باتوں کے ہونے یا نہ ہونے میں کوئی ثمر اور فائدہ نہیں ہے۔

اور کبھی دروغ کا نتیجہ کوئی نفع بلکہ بہت زیادہ منافع ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ دروغ جو کسی پیغمبرؐ یا امامؑ یا کسی مومن کے قتل ہونے یا کسی آزار و اذیت سے نجات کا سبب ہوجائے، یا اس کے ذریعہ مال محفوظ ہوجائے۔ یا کوئی محترم عرض و ناموس بچ جائے۔ یا دشمنانِ دین پر مسلمانوں کے غلبہ کا سبب ہوجائے۔ اور اسی طرح کے دوسرے مواقع جن میں جھوٹ کے مفاسد اتنے کم ہوتے ہیں کہ ان حاصل ہونے والے مصالح کے مقابلے میں اپنا اثر کھو بیٹھتے ہیں۔

ہفتم : دروغ کبھی ظاہر اور آشکار ہوتا ہے۔ اور اس خبر کا دروغ ہونا اکثر سننے والوں پر پوشیدہ اور مشتبہ نہیں ہوتا۔ جس طرح اکثر عام جانی پہچانی جانے والی جھوٹی باتیں اور انہیں کذبِ جلی کہتے ہیں۔ اور کبھی دروغ اس قدر خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے کہ ہر کوئی اس کے جھوٹے ہونے کو نہیں جان سکتا اور اسے کذبِ خفی کہتے ہیں۔ مثلاً ہم اکثر اوقات اپنے پروردگار سے عرض کرتے ہیں اور اس کی ذاتِ اقدس کی مدح و ثنا اور تمجید و تقدیس کرتے ہیں اور اپنے حالات و عجز و فقر اور مسکنت و ندامت اور شرمندگی و بندگی اور اطاعت کو پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے اعضاء و جوارح کے صفات و حالات کو خداوندِ جبار کے سامنے کھولتے ہیں کہ ہمارا دل خائف و ترساں اور غم و غصہ میں ہے اور ہماری چشم گریاں ہے اور موت و حضرت ملک الموت اور برزخ و قیامت کے احوال و عقبات نے ہماری آنکھوں سے نیند کو اڑا دیا ہے اور آب و غذا کو ہمارے گلے میں اٹکا دیا ہے۔ اور اس کے علاوہ اس قسم کی اور ایسی ہی باتیں کہ جن کی بالکل کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہوتی اور نہ ہی کہنے والے کے دل میں ان باتوں کے کچھ حقائق اور معانی ہوتے ہیں اور وہ جو کچھ کہتا ہے وہ سب کچھ بے بنیاد دروغ ہوتا ہے۔ یہ دروغ ایسا دروغ ہے جو خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے واسطے (یعنی اس کے حضور میں) ہے اور یہ دروغ حد و حساب سے باہر ہے۔

مثلاً ہر روز اور ہر شب، ہر وقت نماز میں، نماز کے لئے آمادگی کے وقت، اس میں اٹھنے بیٹھنے کے وقت ہم اللہ اکبر کہتے ہیں۔ یعنی خداوندِ عزوجل ہر چیز سے بزرگ تر ہے، یا ہر اس چیز سے بزرگ تر ہے جس کی مدح و ثناء کی جا سکتی ہے، یا کسی کے وہم و خیال میں سما سکتی ہے۔ یا خداوندِ عالم اس سے بزرگ تر ہے

کہ اس کی ذاتِ مقدس کا ادراک عقول و حواس کے ذریعے کیا جائے، یا کسی چیز پر اس کا قیاس کیا جائے۔ لیکن ان معانی سے ہمارا دل یکسر خالی ہوتا ہے اور حضرت حق تعالیٰ شانہ کی عظمت و بزرگی ہرگز دل میں جاگزیں نہیں ہوئی ہوتی اور نہ ہی اس کے آثار و علائم اعضاء و جوارح سے اس طرح ظاہر ہوتے ہیں جس طرح بعض مخلوقات جیسے حکام و سلاطین کے بزرگ ہونے اور ان کو بزرگ شمار کرنے اور ان کی بزرگی و عظمت کو جاننے کے آثار و علائم ہمارے تمام اعضاء سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اور کتابِ شریف "مصباح الشریعہ" میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا :

"جب بھی تو تکبیر کہے تو تجھے چاہئے کہ خداوندِ عالم کی عظمت و کبریائی کے مقابلہ میں ہر اس چیز کو حقیر اور صغیر سمجھے جو آسمان و زمین میں ہے۔ پس بہ تحقیق جب بندہ تکبیر کہتا ہے تو حق تعالیٰ بندے کے دل پر مطلع ہوتا ہے اور اگر اس بندے کے دل میں اس تکبیر کی حقیقت اور معنویت کے سامنے کوئی اور چیز حائل ہوتی ہے۔ (یعنی وہ حق تعالیٰ سے زیادہ کسی دوسری چیز کی تعظیم و توقیر کرتا ہے) تو حق تعالیٰ فرماتا ہے ! اے دروغ گو ! کیا تو مجھے فریب دیتا ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم، میں تجھے اپنے ذکر کی حلاوت سے محروم کروں گا اور تجھے اپنی نزدیکی اور ہم رازی سے محروم رکھوں گا۔"

(مصباح الشریعہ - باب ۱۳ - ص ۹۲)

اور پھر جب اس تکبیر کے بعد اپنے غافل و خراب دل کے ساتھ کہتے ہیں۔

"وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات والارض عالم الغیب و الشهادة حنیفاً مسلماً وما انا من المشرکین"

"میں اپنی دلی توجہ اس ذات کی طرف کرتا ہوں جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے۔ حالانکہ میں تمام ادیانِ باطلہ اور مذاہبِ فاسدہ سے منہ پھیر کے اپنا رخ توحید اور اسلام کی جانب کرتا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ تا آخر دعا" جس کے ترجمہ کا حاصل یہ ہے کہ میں جو کچھ رکھتا ہوں اور جس چیز پر ہوں یہ تمام چیزیں خداوندِ عزوجل کے واسطے ہیں۔" (اصولِ کافی۔ ج ۳۔ ص ۳۱۰)

پس اگر وہ یہ کلمات کہتے وقت اپنی تمام قلبی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف نہ لگائے ہوئے ہو اور اپنے تمام کاموں کو اس کے سپرد نہ کئے ہوئے ہو۔ بلکہ اس کی توجہات کا محور کاروبارِ دنیا' متاعِ بازار ہو اور آرزوؤں' شہوات اور وسواس میں غرق ہو تو اس نے نماز کا آغاز ہی دروغ سے کیا ہے۔

اور اس سلسلہء کلام سے ان باقی آیات و اذکار اور ادعیہ کا حال بھی معلوم ہوگیا جن کے ذریعہ بندہ اپنے پروردگار کے ساتھ کلام کرتا اور اس کی ذاتِ مقدس کے سامنے دردِ دل بیان کرتا ہے۔ خصوصاً آیہء مبارکہ "الحمدللہ رب العالمین" اور آیہء شریفہ "ایاک نعبدو ایاک نستعین"

اور ان کی شرح و وضاحت اس رسالہ (کتاب) کے مناسب نہیں ہے (کیونکہ اختصار مطلوب ہے) نیز فصلِ اول میں اس کی طرف اشارہ ہوچکا ہے۔

اور ہر شخص جن کلمات کو وہ پڑھتا ہے ان کے مفاد و معانی پر غور کرکے اور اپنے حال پر نظر ڈال کر یہ جان سکتا ہے کہ وہ اپنی شب و روز کی عبادات میں کس قدر دروغ کہتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اکثر نمازوں کا نتیجہ کثرت سے دروغ گوئی ہے' جس کے دروغ ہونے کو سوائے حق تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کے کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اور سمجھ سکتا ہے۔ نیز پوری گزشتہ گفتگو سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دروغ کبھی تو خداوندِ عالم پر ہوتا ہے اور کبھی خداوندِ عالم کے لئے ہوتا ہے اور کبھی خداوندِ عالم کے حضور میں ہوتا ہے اور دروغ کی یہ قسم انشاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔ نیز دروغِ خفی کی اقسام میں سے وہ دروغ ہیں جنہیں سربستہ اشارہ اور کنایہ کے ساتھ کہا جاتا ہے اور جو عام رائج ہیں اور جن کا بازار گرم ہے۔

ہشتم : دروغ کبھی لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ کہنے والا وہ چیز کہتا ہے جس کی بالکل کوئی اصلیت اور حقیقت ہوتی ہی نہیں۔ اور کبھی شرعی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ اخبار و احادیث کے نقل کے مقام میں اس دستور العمل سے تجاوز کرتا ہے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ جب کوئی کسی خبر کو نقل کرنا چاہے تو خبر کی اس قسم کو نقل کرے' ورنہ وہ شارع مقدس کے نزدیک دروغ گو ہوگا ہرچند وہ خبر خلافِ واقع نہ ہو' یا اس خبر کے صدق و کذب کی پہچان کا کوئی راستہ ہی نہ ہو۔ اور اس بات کی وضاحت آنے والے مقام میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نہم : خداوندِ عالم' رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہء ہدیٰ صلوات اللہ علیہم پر دروغ تین طرح سے ثابت اور محقق ہوتا ہے۔

اول جانا پہچانا مرسوم طریقہ سے جیسے کہ خداوندِ عالم نے اس طرح فرمایا' یا اس طرح کیا اور پیغمبرؐ یا امامؑ نے اس طرح کہا۔ جب کہ اس کی اصلیت اور حقیقت کچھ نہ ہو۔

دوم یہ کہ ممکن ہے دروغ گو کوئی عمل انجام دے' یا انجام نہ دے لیکن اس کے بارے میں لوگوں سے جو بات کہے وہ خلافِ حقیقت ہو (یعنی کئے ہوئے عمل کو کہے کہ نہیں کیا یا نہ کئے ہوئے عمل کو کہے کہ کیا ہے) اور اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے کہے کہ خداوندِ عالم یا پیغمبرؐ یا امامؑ جانتا ہے' یا شاہد ہے کہ میں نے اس کام کو کیا ہے یا اس کام کو نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس نے دروغ کہا ہوتا ہے۔ اور کافی کی حدیث میں گزرا ہے کہ اس صورتِ حال پر خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ :

"کیا تجھ کو میرے سوا اور کوئی نہ ملا جس پر تو یہ دروغ باندھتا؟ اور فرمایا (حضرت صادق علیہ السلام نے) کہ اس وقت عرشِ خدا لرزاٹھتا ہے۔"

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ خداوندِ عالم اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ :

"میرے اس بندہ کو دیکھو کہ اس کو مجھ سے عاجز تر کوئی آدمی نہیں ملا کہ اس نے یہ دروغ اس کے سپرد کیا ہوتا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا یہ دروغ میرے علم کے سپرد کردیا۔"

سوم یہ کہ آدمی دروغ کہتا ہے اور اس کے اثبات کے لئے خداوندِ تبارک و تعالیٰ اور اس کی مقدس ذات کے صفات و اسماء کے ساتھ قسم کھاتا ہے۔ یا رسولِ مقبولؐ یا کسی امامؑ کی قسم کھاتا ہے۔ اور اس دروغ کو "خداوندِ عالم کے

ساتھ دروغ کہنا" کہتے ہیں اور اس قسم کو "یمین غموس" کہتے ہیں کیونکہ یہ قسم اپنے صاحب کو معصیت اور آتشِ دوزخ میں ڈبو دیتی ہے اور اس کو "یمین کاذبہ" اور "یمین حالقۃ" بھی کہتے ہیں۔ یعنی یہ قسم اپنے صاحب کے دین کو تیغ اور استرے کی طرح کاٹ پھینکتی ہے جس طرح کہ استرا سر کے بالوں کو صاف کردیتا ہے۔

دہم : کبھی دروغ زبان کے ساتھ ہوتا ہے اور دروغ کی یہ قسم عام و جانی پہچانی اور دروغ کا حقیقی مصداق ہے۔ کبھی دروغ ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ دروغ گو' دروغ کی ان تمام اقسام کو لکھتا ہے جن کا ذکر ہم کرچکے ہیں جب کہ ان کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہوتی۔ دروغ کی یہ قسم بھی اپنے رائج اور مشہور ہونے میں اس کی پہلی قسم (دروغ بزبان) کی طرح ہے بلکہ اس (دروغ بدست) کے اثرات اور خرابیاں تو زبانی دروغ سے بھی زیادہ ہیں۔ کیونکہ جو دروغ زبان سے بولا جاتا ہے وہ دلوں سے جلد محو ہوجاتا ہے لیکن جو دروغ ہاتھ سے لکھا جاتا ہے وہ صدیوں باقی اور جاری رہتا ہے اور وہ ہمیشہ بولا جاتا' دیکھا جاتا اور سنا جاتا ہے۔

اور دروغ کبھی سر کی جنبش کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ کسی سے کوئی آدمی پوچھے کہ پیغمبرؐ یا امام صلوات اللہ علیہما یا فلاں شخص نے اس طرح فرمایا ہے؟ تو وہ اپنے سر سے اس طرح کا اشارہ کرے جس سے اس مقام پر "ہاں" سمجھی جائے حالانکہ اسے "نہ" کہنا چاہئے تھا (یعنی اس مقام پر اسے چاہئے تھا کہ سر سے اس قسم کا اشارہ کرتا جس سے نہ سمجھی جاتی۔) یا اپنے سر سے ایسا اشارہ کرے جس سے اس مقام میں "نہ" سمجھی جائے۔ حالانکہ اسے اس مقام پر اس طرح کا

اشارہ کرنا چاہئے تھا جس سے "ہاں" سمجھی جاتی۔ اور اسی طرح ان تمام مذکورہ اقسام میں چشم و ابرو کے ساتھ بھی دروغ بولا جاسکتا ہے بلکہ اس طرح بہت زیادہ بولا جاتا ہے۔

اور کبھی دروغ کان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض ایسے افراد جو مقاماتِ عالیہ پر فائز ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ بات سنی گئی ہے کہ کبھی وہ اپنے مریدوں کے سامنے یا ایسے لوگوں کو جنہیں اپنے پھندے میں پھنسانا چاہتے ہیں اپنے کان کو کسی دیوار سے لگا دیتے ہیں (کان کو دیوار کی طرف متوجہ کردیتے ہیں) اور اس طرح ساکت و خاموش ہوجاتے ہیں جس طرح کوئی بات سن رہے ہوں۔ اور یوں اپنے کان کی زبانِ حال سے اپنے مریدوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کوئی فرشتہ یا جن ہمارے ساتھ گفتگو کررہا ہے اور ہمیں کچھ اسرار کی تعلیم دے رہا ہے۔

اور کبھی دروغ منہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جیسے کہ کچھ لوگ کسی شخص سے پوچھیں کہ آج اول ماہِ رمضان ہے یا آخر ماہِ شعبان؟ یا پوچھیں کہ آج عید الفطر کا روز ہے یا آخر ماہِ رمضان ہے اور وہ جانتا ہو کہ اول صورت میں اول ہے (یعنی آج رمضان کی پہلی ہے) اور دوسری صورت میں دوسرا ہے (یعنی ماہِ رمضان کی آخری تاریخ ہے) اور اس سوال کے جواب میں وہ کوئی چیز کھا کے سائل کو جواب دے۔ تو اس صورت میں اس نے کھانے کے ذریعہ جھوٹی خبر دی ہے۔ کیونکہ اس کے کھانے سے مطلب یہ ہے کہ آج شعبان کی آخری تاریخ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے (کیونکہ اس کے علم میں تو ماہِ رمضان کی پہلی تاریخ ہے لیکن اس کے کھانے سے سائل نے یہ سمجھا کہ آج شعبان کی آخری تاریخ ہے)

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آج عید الفطر کا روز ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے (کیونکہ اس کے علم میں آج ماہِ رمضان کی آخری تاریخ ہے۔ لیکن اس کے کھانے سے سائل یہ سمجھ رہا ہے کہ آج عید الفطر کا روز ہے) اور اس قسم میں جھوٹ فرج (شرمگاہ) کے ذریعہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے کہ اگر دروغ گو سے پوچھنے والی اس کی زوجہ یا مملوکہ ہو۔

اور کبھی دروغ سکوت اور تقریر (کسی آدمی کا کسی دوسرے آدمی کے عمل کو دیکھ کر چپ رہنا) کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی سائل کسی آدمی سے خواہش ظاہر کرتا ہے کہ میں آپ کے سامنے وضو یا تیمم کرتا ہوں۔ اگر میرا وضو یا تیمم حکمِ شرع کے موافق نہ ہو تو مجھے روک دینا۔ پس یہ سائل باطل طریقہ سے وضو کرتا ہے یعنی پاؤں کا مسح کرنے کے بجائے ان کو دھوتا ہے یا ہاتھ کو نیچے سے اوپر کی طرف دھوتا ہے یا وضو ہی کو الٹا کرتا ہے اور اسی طرح تیمم میں کوئی غلط طریقہ استعمال کرتا ہے اور وہ دیکھنے والا آدمی چپ رہتا ہے' کوئی بات نہیں کہتا' تو اس طرح وہ اپنے سکوت کے ذریعے اسے سمجھا رہا ہے کہ تمہارا کیا ہوا وضو یا تیمم شرعی طریقہ کے مطابق ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ وضو یا تیمم شرع کے مطابق نہیں ہے۔

اور کبھی سکوت و تقریر کے ذریعہ دروغ قرآنِ مجید کی سورہ و آیات کے بارے میں بھی ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ کوئی جاہل کسی عالم سے کہتا ہے کہ میں آپ کے سامنے سورۂ حمد پڑھتا ہوں۔ جہاں درست نہ ہو مجھے آگاہ کیجئے گا اور صحیح تعلیم دیجئے گا۔ پس اس نے وہ سورہ پڑھی اور اسے ایک یا ایک سے زیادہ مقامات پر درست نہ پڑھا اور یہ دیکھنے کے باوجود وہ سننے والا عالم ساکت رہا تو اس

نے اپنے اس سکوت کے ذریعہ اسے یہ بتایا ہے کہ اس نے وہ سورہ صحیح پڑھا ہے۔ حالانکہ اس پڑھنے والے نے صحیح نہیں پڑھا۔

یازدہم : دروغ کبھی تو ایسے سننے والے کے لئے بولا جاتا ہے جو عاقل و باشعور ہوتا ہے' اور کبھی دروغ سننے والا بچہ یا دیوانہ ہوتا ہے' جو سچ اور جھوٹ میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اس کا مخاطب اور سننے والا ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ سنا گیا ہے کہ بعض ذاکر و خطباء ذاکری و خطابت سیکھنے کے زمانے میں ان اوقات میں مسجد جاتے تھے جب وہاں کوئی نمازی موجود نہ ہوتا تھا اور مسجد کے دروازوں کو اندر سے بند کرکے منبر پر بیٹھتے اور یوں فرض کر لیتے جیسے مسجد مرد و زن سے بھری ہوئی ہے۔ اور پھر حسبِ معمول و مرسوم مجلس پڑھنا شروع کر دیتے' حتیٰ اس طرح گریہ کرتے' دعا کرتے' حد تو یہ ہے کہ خادمانِ فرش عزاء کے لئے بھی دعا کرتے۔ غرض جو کچھ وہ کہتے اس کا کوئی سننے والا نہ ہوتا' اس کے حکم کے بارے میں بھی انشاء اللہ ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے۔

اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دروغ گو کے مخاطب مُردے ہوتے ہیں اور وہ مُردوں کے لئے دروغ کہتا ہے۔ چنانچہ نئی رائج شدہ قبیح بدعتوں میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ زائرینِ حرمِ حضرت سید الشہداء علیہ السلام بلکہ وہ لوگ بھی جو دور سے زیارت پڑھتے ہیں وہ زیارتِ وارثہ پڑھنے کے بعد جو معتبر منقول زیارت ہے اور اس کا آخری حصہ جو زیارتِ شہداء کا آخر ہے اور جو یہ ہے کہ "وفزتم فی الجنان مع النبیین و الصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولٰئک رفیقا" ☆

☆ - مرحوم محدث قمی نے "مفاتیح الجنان" میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

پس یہ عوام کالانعام اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ۔

"السلام علی ابیضکم و علی اسودکم' و علی من کان فی الحایر منکم' و علی من لم یکن فی الحایر معکم' خصوصاً سیدی و مولای ابا الفضل العباس بن امیر المومنین و قاسم بن الحسن و مسلم بن عقیل وھانی بن عروۃ و حبیب بن مظاھر والحر الشھید الریاحی' والسلام علیکم یا ساداتی و موالی جمیعاً ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

"سلام ہو آپ کے سفید پر اور آپ کے سیاہ پر اور ان شہداء پر جو آپ کے ساتھ حائر میں ہیں اور ان شہداء پر جو آپ کے ساتھ حائر میں نہیں ہیں۔ خصوصاً میرے سردار اور مولا ابوالفضل العباس بن امیرالمومنین اور قاسم بن الحسن و مسلم بن عقیل وہانی بن عروہ و حبیب بن مظاہر اور حرِ شہیدِ ریاحی پر اور سلام ہو تم تمام پر اے میرے سردار اور میرے آقاؤ اور تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔"

(بقیہ گزشتہ صفحے کا حاشیہ) میں زیارتِ وارثہ تحریر کی ہے۔ اور اسے جملہ "فافوز معکم" پر ختم کیا ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ انہوں نے اسے شیخ طوسیؒ کی "مصباح" سے نقل کیا ہے۔ اور وہ مندرجہ بالا جملوں کو زیارتِ شہداء کے آخر میں نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہیں وہ اضافہ قرار دیتے ہیں جس کا ذکر بعض نے کیا ہے۔ یہ زیارت شیخ طوسیؒ کی "مصباح" کے صفحہ ۶۶۴ پر آئی ہے لیکن مندرجہ بالا عبارت شہداء کے لئے ایک اور زیارت کے ضمن میں ابی حمزہ ثمالی کی روایت میں (صفحہ ۶۶۷ اور ۶۶۸) یوں آئی ہے۔

"اسال اللہ ان یرینیکم علی الحوض وفی الجنان مع الانبیاء والمرسلین والشھداء والصدیقین وحسن اولٰئک رفیقا"

اور یہ کلمات جو اپنے ساتھ چند واضح دروغ لئے ہوئے ہیں بدعت کے ارتکاب اور امامؑ کے فرمان پر اضافہ کی جسارت کے ساتھ اس قدر رائج اور عام ہو چکے ہیں کہ شب و روز میں ہزارہا مرتبہ مرقدِ منورِ ابی عبداللہ الحسینؑ کے حضور، مقرب فرشتے اور مطاف انبیاء و مرسلین کے حضور باآواز بلند پڑھے جاتے ہیں اور کوئی اس پر اعتراض نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی انہیں دروغ کہنے اور اس معصیت میں مرتکب ہونے سے منع کرتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ کلمات جاہل عوام کی جانب سے جمع کئے، چھاپے اور منتشر کئے جانے والے مجموعوں میں نظر آتے ہیں اور ایک احمق سے دوسرے احمق کے مجموعہ میں نقل ہوتے ہیں اور بات یہاں تک پہنچی ہے کہ بعض طلباء بھی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ایک روز میں نے ایک طالبِ علم کو دیکھا جو شہداء کے متعلق یہ قبیح دروغ پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ میں نے کہا : کیا اہلِ علم کے لئے مناسب ہے کہ وہ ایسے محضر میں ایسی قبیح باتوں کا ذکر کرے؟ اس نے کہا : کیا یہ مروی نہیں ہے؟ مجھے تعجب ہوا، میں نے کہا : نہیں۔ تو اس نے کہا : میں نے یہ روایتیں ایک کتاب میں دیکھی ہیں۔ میں نے کہا : وہ کون سی کتاب ہے؟ اس نے کہا : مفتاح الجنان۔ یہ سن کر میں چپ ہو گیا کیونکہ جہالت اور بے علمی کی وجہ سے جو اس حد تک پہنچ گیا ہو کہ بعض عوام کے جمع کئے ہوئے کو کتاب سمجھتا ہو اور اسے مستند قرار دیتا ہو وہ اس قابل ہی نہیں کہ اس سے بات کی جائے۔

(رجوع کیجئے الذریعہ - ج۲۱ - ص۳۲۴)

اور ان کلمات کو وضع کرنے والے اور اس سنتِ قبیحہ کو رائج کرنے والے

رحمتِ ایزدی سے دور شخص سے جو اس کو پڑھنے اور لکھنے والوں کے گناہ میں شریک ہے کہنا چاہئے کہ۔

پہلی بات تو یہ کہ شیخ مفید قدس سرہ نے کتاب ارشاد میں فرمایا ہے کہ :

"جب پسرِ سعد میدانِ کربلا سے چلا گیا تو بنی اسد میں سے کچھ لوگ جو غاضریہ میں مقیم تھے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کے مقدس لاشوں کے پاس آئے اور انہوں نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی اور امام حسین علیہ السلام کو اس جگہ دفن کیا جہاں کہ اس وقت حضور کی قبرِ اقدس ہے اور آپؑ کے بیٹے علی بن الحسین الاصغرؑ (معروف بہ علی اکبر) کو آنحضرتؑ کی پائنتی دفن کیا اور پھر حضورؑ کے باقی اہلِ بیت اور اصحاب میں سے ان شہیدوں کے لئے ایک گڑھا کھودا جو حضورؑ کے اردگرد شہید ہوئے پڑے تھے اور ان تمام شہداء کو ایک جگہ میں حضرت کی پائنتی کی جانب دفن کردیا۔ اس روایت کے بعد شیخ مفید قدس سرہ نے حضرت عباس کے مدفن کا ذکر کیا ہے۔"

(کتاب الارشاد از شیخ مفید - ص۲۴۳)

اور پھر چند ورق کے بعد اس مطلب کی توضیح و تشریح کی ہے اور آخرِ کلام میں فرمایا ہے۔

"فاما اصحاب الحسین علیہ السلام (رحمۃ اللہ علیہم) الذین قتلوا معہ فانھم دفنوا حولہ، ولسنا نحصل لھم اجداثا علی التحقیق الا انا لا نشک ان الحائر محیط بھم رضی اللہ عنھم"

"البتہ اصحابِ حسین علیہ السلام جو آپؑ کے ساتھ شہید کئے گئے۔ پس بہ تحقیق وہ حضرتؑ کے ارد گرد دفن کئے گئے اور ہمیں تحقیق کے ساتھ ان کی علیحدہ علیحدہ قبور کا کچھ علم حاصل نہیں ہے۔ (یعنی ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون کہاں دفن ہوا) سوائے یہ کہ ہمیں اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ حائرِ حسینی سب کو محیط ہے اور تمام اصحاب حائر میں داخل ہیں۔" (کتاب الارشاد۔ ص ۲۴۹)

اور اس کلام کو علماء نے بطریقِ قبول نقل فرمایا ہے اور یہی چیز زیارتِ ماثورہ کی کتب سے ظاہر اور ہویدا ہے اور سوائے حضرت ابوالفضلؑ کے تمام اصحاب شہداء اہلِ بیتؑ کے بعد حضور سید الشہداءؑ کی پائنتی کی جانب مدفون ہیں۔

بہرحال حضرتِ حر کے متعلق اب تک سوائے شیعوں کی مروجہ سیرت کے اور کوئی چیز ہمیں نہیں ملی کہ ان کا مدفن وہاں ہے جہاں ان کی زیارت کی جاتی ہے۔ بلکہ کتبِ مقاتل اور اخبارِ زیارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حر بھی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے باقی اصحاب کے ساتھ ہی ہیں۔ ہاں، البتہ شیخ شہیدِ اول طاب ثراہ کتاب "دروس" میں حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام کی زیارت کے فضائل کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

"جس وقت کوئی آدمی حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی زیارت کرے۔ پس چاہئے کہ وہ حضرت کے فرزند علی بن الحسین علیہ السلام کی زیارت کرے اور بہر صورت شہداء کی زیارت کرے اور حضرت کے برادر حضرت عباس کی زیارت کرے اور حضرت حر بن یزید کی ---- (تا آخر)" (الدروس الشرعیہ، کتاب المزار۔ ص ۱۵۳)

اور یہ بات صریح اور ظاہر ہے کہ ان کی قبر اس جگہ معروف اور جناب شیخ شہیدِ اول مرحوم کے نزدیک معتبر تھی اور ہماری تعین کے لئے شیخِ اول کا اسی قدر فرمانا کافی ہے۔ اور باقی باتیں جو دوسرے لوگ حر کو باقی شہداء کے درمیان سے باہر لے جانے اور ان کو کسی اور جگہ علیحدہ دفن کرنے اور اس کے اسباب کے متعلق پڑھتے ہیں۔ پس وہ ساری باتیں جعلی اور جھوٹے لوگوں کی خود ساختہ ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت قاسم بن الحسن علیہ السلام پر ان کی حیات میں دشمنوں کے ظلم و ستم کیا کم تھے کہ اے احمق کذاب (زیارتِ وارث میں اضافہ کرنے والے سے خطاب ہے) اب تو نے انہیں ان کے چچا حسینؑ اور باقی تمام چچاؤں، چچا زاد بھائیوں اور ان کے اپنے بھائیوں سے علیحدہ کردیا ہے۔ اب جو تو نے اس مظلوم شہید پر ظلم کیا ہے۔ پس ان کے مقامِ دفن کو معلوم کرتا کہ اس جگہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ اسی مانند بہت سے ایسے مقامات ہیں جنہیں لوگوں نے بزرگوں کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ حالانکہ ان کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہے اور کسی معتبر شخص نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی ان کے متعلق کوئی مستند چیز دیکھی گئی ہے۔ مثلاً وہ گھر جو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور بہت سی ایسی قبریں جن میں سے کچھ تو بے ماخذ ہیں اور ان میں بعض ایسی بھی ہیں جن کا دروغ ہونا معلوم ہے۔ جس طرح کہ شہروان میں مقداد کی قبر ہے اور ظاہراً یہ مقداد عرب شیوخ میں سے ایک تھا جب کہ بعض احمقوں نے اس قبر کو مقداد بن اسود کندی کی طرف منسوب کردیا ہے جو کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کبار میں سے تھے۔ حالانکہ ان مقداد نے مقامِ "جرف" میں وفات پائی جو مدینہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے

اور لوگوں نے ان کی لاش مقامِ جرف سے اٹھا کر بقیع کے قبرستان میں دفن کی۔
اور مختار کی قبر جس کے متعلق شیخ جلیل ابنِ نما نے کتاب "شرح ثار" میں مختار کے حالات میں تصریح فرمائی ہے کہ۔

"وان قبته لكل من خرج من باب مسلم بن عقيل كالنجم اللامع"

"جو شخص مسجدِ کوفہ کے درِ مسلم سے نکلے تو اس کے لئے مختار کا قبہ چمکتے ہوئے ستارے کی مانند ہے۔"

(رجوع کیجئے، بحار الانوار۔ج ۴۵۔ص ۳۴۷)

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مختار کی قبر ظاہر اور صحنِ مسلم سے بھی دور تھی اور اب لوگوں نے مسجد کے اندر ایک جگہ کو معین کیا ہے اور مختار کو اس جگہ مدفون سمجھا ہے اور ان لوگوں نے اس کی تصدیق کو علماء سے نقل کیا ہے۔ یہ تمام خود ساختہ دروغ ہے۔

تہران سے شاہانِ قاچاریہ میں سے کسی بادشاہ نے جنت مقام فقیہِ عصرو علامۂ دہر شیخ عبدالحسین تہرانی طاب ثراہ کی خدمتِ عالیہ میں محض مختار کی قبر بنانے کے لئے کچھ رقم تقریباً چار سو تومان بھیجے، تو علامہ مذکور نے لکھا کہ مختار کی قبر معلوم نہیں ہے لہٰذا اس رقم کا کوئی اور مصرف ہونا چاہئے۔ سلطان نے جواب میں اصرار کیا کہ یہ رقم اسی مقام پر صرف ہونی چاہئے۔ شیخ مرحوم نے تحقیق کی، حقیر (صاحبِ کتاب) بھی ان کی خدمت میں تھا۔ ہمیں "ابنِ نما" کی اس مذکورہ عبارت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ملی۔ آخر کار علامہ نے اس رقم سے اعراض فرمایا اور کسی دوسرے صاحب نے وہ رقم لے لی اور انہوں نے اسے

صرف کیا۔

بہرحال یہ کذاب بے شرم (زیارتِ وارث میں اضافہ کرنے والے کے متعلق فرماتے ہیں۔) کاش ! کوئی جگہ معین کرتا کہ اگر لوگ اس سے پوچھتے کہ اس مظلوم قاسم بن الحسن علیہ السلام کی قبر کہاں ہے تو یہ ان کو اس قبر کا پتہ دیتا۔ سبحان اللہ ! حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک سے قاسم کے پارہ پارہ جسم کو اٹھایا اور باقی شہداء اہلِ بیتؑ کے ساتھ علی اکبرؑ کے پہلو میں رکھا۔ شیخ مفیدؒ "ارشاد" میں اہلِ بیتؑ کے شہداء کے اسمائے گرامی کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"وهم كلهم مدفونون مما يلى رجلى الحسين عليه السلام فى مشهده، حفر لهم حفيرة والقوافيها جميعاً و سوى عليهم التراب الا العباس بن على عليهما السلام-----"

"وہ تمام شہداء جناب امام حسین علیہ السلام کے محلِ شہادت میں حضرتؑ کی پائنتی دفن ہیں۔ ان شہداء کے لئے ایک گڑھا کھودا گیا اور تمام شہداء کو اس میں ڈال کر مٹی برابر کردی گئی۔ سوائے عباس بن علی علیہما السلام کے۔" (کتاب الارشاد۔ص ۲۴۹)

اور یہ بے انصاف (زیارتِ وارث میں زیادتی کرنے والا) اس جسدِ شریف کو اٹھا کر نہ جانے کہاں لے گیا ہے؟ نہیں معلوم کہ اس نے اس مظلوم کو کیوں الگ کیا ہے؟ اور معلوم نہیں اس مظلوم نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا کہ اس نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا؟ اور اس سے زیادہ احمق وہ لوگ ہیں جو اس کو پڑھتے

ہیں اور اس کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ نہ صرف یہ کہ اس قبیح دروغ کو ان کی بارگاہِ انور میں بلند آواز سے پڑھتے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ کلمات زیارت کا جز ہیں۔ اور یہ چیزیں بذاتِ خود دین میں بدعت اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شریعت میں خیانت ہے۔

عمل اور اعتقادِ ناروا خواہ کتنا ہی ہو بدعت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر بڑا اور سنگین ہو تو بدعت ہے اور چھوٹا اور معمولی ہو تو بدعت نہیں ہے۔ عوام کو ایسے جزی امور اور معمولی بدعتوں (جیسے غسلِ اویس قرنی، آشِ ابوالدرداء تابع و مخلص حقیقی معاویہ اور روزہ صمت جس میں دن کے وقت خاموش رہتے ہیں وغیرہ۔) پر ان کے اپنے حال پر چھوڑ دینا اور کسی کا انہیں اس سے منع نہ کرنا ان کی جرات میں اضافہ کا موجب ہے اور اس کے نتیجے میں ہر ماہ و سال میں ایک نیا پیغمبر اور امام پیدا ہو رہا ہے اور لوگ گروہ در گروہ دینِ خدا سے نکل رہے ہیں۔

تیسرے یہ کہ مسلم بن عقیل جو شہداء اہلِ بیت علیہم السلام میں سے جلیل القدر اور عظیم الشان ہیں لیکن وہ اس سلسلہ میں داخل نہیں ہیں۔ اسی واسطے زیارتِ ناحیہ مقدسہ جو شہداء کے بارے میں ہم تک پہنچی ہے اور جس میں ان کے نام مذکور ہیں اور اسی طرح زیارتِ اول رجب جس میں ان کے اسماء ذکر فرمائے گئے ہیں میں جناب مسلم کا نام نہیں لیا گیا۔ حالانکہ ان کے دونوں بچوں کے نام لئے گئے ہیں۔ ☆

چوتھے یہ کہ اب تک ہانی کا حال صحیح طور پر سامنے نہیں آیا ہے اور نہ علماء

☆ - بحار الانوار - ج ۱۰۱ - ص ۳۳۹ نقل از مصباح الزائر - ص ۱۵۶ - وہاں صرف عبداللہ بن مسلم کا ذکر ہوا ہے حضرت کے دوسرے فرزند محمد بن مسلم کا نام نہیں ہے۔

کے نزدیک اب تک حدِ وثاقت کو پہنچا ہے۔ سیدِ اجل بحرالعلوم علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "رجال" میں بہت ہی محنت و مشقت کر کے ہانی کی مدح و تعریف کو تلاش کیا ہے۔ (رجالِ بحرالعلوم - ج ۴ - ص ۱۸ اور ۴۹) لیکن ہانی کا شمار شہداء کربلا کی صف میں نہیں کیا۔ اور اس کذاب و جعل ساز (زیارتِ وارث میں زیادتی کرنے والا) پر تعجب ہے کہ اس نے ہانی کا ذکر تو کیا مگر قیس بن مسہر صیداوی جو کہ اہلِ کوفہ کی طرف حضرت سید الشہداءؑ کا قاصد تھا، اس کے قوی الایمان ہونے کے باوجود اور حضرتؑ کے دوسرے قاصد عبداللہ بن یقطر رضیع کے علوِ مقام اور شہادت کے باوجود اور ابو رزین سلیمان جو حضرت کا غلام یا آزاد کردہ تھا اور اہلِ بصرہ کی طرف حضرت کا قاصد تھا اور اس کی شہادت بھی ابنِ زیاد غدار کے ناپاک ہاتھوں سے ہوئی۔ ان میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ لوگ ہانی سے کئی مراتب کے لحاظ سے مقدم تھے اور ان کا ذکر کرنا نہایت اولیٰ و اہم تھا۔

ان چند کلمات کی وجہ سے ہم اپنے موضوع سے باہر چلے گئے ہیں لیکن فقرۂ مذکورہ دل میں ایک گرہ تھی جو اب بھی ہے اور رہے گی۔ اور یہاں ہم نے اسے مومن بھائیوں کے سامنے عوام کی ظاہری وضع اور علماء عظام کی عدم اعتناء پر محض اظہارِ تاسف کے لئے پیش کیا ہے۔

دوازدہم : دروغ کبھی تو بات کہنے اور لکھنے میں رسمی طور پر کلام میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی شعر کے تمام اقسام میں ہوتا ہے اور اسی طرح نثر کے ایسے کلمات میں ہوتا ہے جو کئی جہات سے نظم کے قریب اور مشابہ ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ "مقاماتِ حریری" وغیرہ اور اس قسم کی اور کتابیں۔ اور ان دو قسموں

کے حکم میں فی الجملہ فرق ہے جس کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔

مطلبِ دوم :

دروغ کی مذکورہ اقسام کے احکام کے متعلق اجمالی اشارہ

پہلی تقسیم کا حکم : پس مخفی نہ رہے کہ خداوندِ عالم اور رسولؐ و ائمہ طاہرین علیہم السلام پر دروغ باندھنا تمام مسلمانوں کے نزدیک معاصیٔ کبیرہ اور گناہانِ عظیمہ میں سے ہے۔ اور اس دروغ سے اجتناب ضروریاتِ دین میں شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ ابنِ حجر عسقلانی نے کتاب "زواجر" میں علماء کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ اس قسم کا دروغ کفر کا موجب ہے۔

اور اس کے علاوہ دروغ جس کا کسی شخص کے ساتھ کوئی ربط ہی نہ ہو (ویسے ہی بولا گیا ہو)۔ اس قسم کے دروغ کے بھی گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بلکہ بعض علماء نے اس دروغ سے اجتناب کرنے کو بھی ضروریاتِ دین میں شمار کیا ہے اور گزشتہ حدیث کا مفاد بھی یہی ہے اور فقہاء عظام کی ایک جماعت نے بھی تصریح کی ہے کہ اس قسم کا دروغ کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور اس کے خلاف کسی سے نقل نہیں کیا گیا۔ اور نہ ہی اخبار و احادیث میں اس کا کوئی معترض ذکر کیا گیا ہے۔ سوائے بعض صورتوں کے جن کا حکم انشاء اللہ آگے آئے گا۔ پس اقویٰ یہ ہے کہ دروغ کی ان تمام اقسام کو گناہانِ کبیرہ میں شمار کیا جائے۔

دوسری تقسیم کا حکم : خدا اور خلفاء خدا صلوات اللہ علیہم پر ان کے دینی معاملات میں اور ان چیزوں میں جن کا بیان کرنا صرف انہیں سے مختص ہے دروغ باندھنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہونا واضح اور گزشتہ آیات و اخبار کی رو سے یقینی

ہے۔ اور بنا بر اصح اور اقویٰ ان (معصومینؑ) کے دنیوی امور میں بھی ان پر دروغ باندھنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ گزشتہ آیات و اخبار سے ظاہر ہے اور ان کے محض دینی معاملات تک مختص رہنے کی کوئی وجہ نہیں، سوائے ایک بعید از قیاس توہّم کے، جس کے ذکر کا یہ مقام نہیں۔ اور علامہ حلّی قدس سرہ نے کتاب "منتہی" اور "تحریر" میں اس چیز کی تصریح فرمائی ہے۔ نیز علماء متاخرین کی ایک جماعت جیسے صاحبِ "مستند" نے اور شیخ فقیہ نے "جواہر" اور "نجاۃ العباد" میں اور والدِ علامہ قدس سرہ نے "شرح ارشاد" میں۔ بلکہ اس چیز کو ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے اور علماء کے سابقہ طبقات میں کسی نے بھی اس کے خلاف نقل نہیں کیا۔ احتیاط اور معصومین علیہم السلام کے احترام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حکمِ مذکور میں ان کے دین و دنیا دونوں کے امور شامل ہوں۔ واللہ العالم۔

تیسری تقسیم کا حکم : پس مذکورہ تینوں اقسام کی حرمت اور ان کی وجہ سے روزے کے خراب ہونے کے بارے میں کسی فرق کا نہ پایا جانا ظاہر بلکہ قطعی ہے۔ کیونکہ ان سے نقل کی جانے والی ایسی حکایت، قول یا تقریر جو شرعی لحاظ سے ثابت ہو حجت اور قابلِ اطاعت ہے، اس پر عمل کرنا چاہئے اور اسے سنت کہتے ہیں۔

پس اسی طرح اگر ان میں سے ہر ایک قسم دروغ اور بے بنیاد ہو جائے تو یہ بات صحیح ہوگی کہ اس نے ان پر دروغ باندھا ہے اور یوں اس پر دروغ کا حکم جاری و نافذ ہوگا، اس بات کی علماء کی ایک جماعت نے تصریح کی ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

چوتھی تقسیم کا حکم : پس پہلی قسم جس میں دروغ ایک ایسے شخص سے صادر

ہوتا ہے جو اس کا عادی ہو چکا ہو اور جھوٹ اس کی سرشت کا حصہ بن چکی ہو' اس کا حکم واضح اور اخبار و فتاویٰ سے یقینی ہے۔

باقی رہی دوسری قسم۔ پس اگر دروغ خدا' رسولؐ اور ائمہؑ پر ہو تو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ عمداً ایک دروغ کا مرتکب فاسق ہے اور اس پر تمام احکامِ فسق جاری ہوجائیں گے۔ لیکن اگر مذکورہ صورت نہ ہو تو "کافی" کی ایک روایت کے مطابق جو وہاں عبدالرحمٰن بن حجاج سے روایت ہوئی ہے اس میں تامل ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادقؑ سے عرض کیا :

"کیا کذاب (یعنی ایسا دروغ گو جس کی شرع میں بہت زیادہ مذمت کی گئی ہے) ایسا شخص ہوتا ہے جو کبھی کسی چیز کی بابت دروغ کہتا ہو (کہ اگر یہ نادر جھوٹ اس سے بار بار صار ہوا ہو تو کذاب ہوجاتا ہے اور اس سے ویسا سلوک کرنا چاہئے جیسا اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔)

فرمایا : نہیں ایسا نہیں ہے' کوئی راوی اور صحابی ایسا نہیں جس سے کبھی کبھی جھوٹ صادر نہ ہوتا ہو (پس کیا تمام راویوں کی روایت اور مصاحبوں کی مصاحبت کو ترک کردینا چاہئے) البتہ کذاب ایسا شخص ہے جو دروغ کا عادی ہو۔" (کافی۔ج۲۔ص۳۴۰۔۳۴۱)

یعنی بے سوچے سمجھے جھوٹ بولے چلا جاتا ہے اور یہ اس کی عادت بن چکی ہوتی ہے اور اس پر وہ نادم نہیں ہوتا۔

مذکورہ حدیث سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ کذبِ حرام جو کبائر میں شمار ہوتا ہے ایسے ہی شخص کی کذب بیانی ہے۔ پس اگر کبھی یہ کسی شخص سے سرزد ہوجائے (اور کوئی اس سے محفوظ نہیں) تو وہ قابلِ معافی ہے اور اس جھوٹ و دروغ کا

اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔

لیکن صرف اس ایک حدیث کی بنیاد پر بہت سی دوسری احادیث کے ظاہر سے دستبردار نہیں ہوا جاسکتا۔ جن سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ دروغ ایک کبیرہ گناہ ہے' پس اس کا حال بھی انہی کے حال جیسا ہوگا۔ اور بدیہات میں سے ہے کہ ایک بھی گناہِ کبیرہ حتیٰ جو بولنے سے متعلق ہو جس کا محل زبان ہے۔ جیسے شرک' غیبت' قذف اور فتنہ وغیرہ کا گناہِ کبیرہ اور معصیت ہونا اس بات سے مشروط نہیں کہ وہ انسان سے بار بار صادر ہو' بلکہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی انسان سے ایک مرتبہ بھی عمداً صادر ہوجائے تو فسق کا موجب ہے اور اس پر حد اور تمام دوسرے احکام جاری ہوں گے۔ اور شرعاً اور عقلاً کذب کی قباحت ان میں سے کسی سے بھی کم نہیں بلکہ ان میں سے بعض کی نسبت شدید تر ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے کہ شراب سے بھی بدتر اور خبائث کے گھر کی کلید ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ۔

"شرع مطہر میں دروغ کے لئے کوئی حد و سزا مقرر نہیں کی گئی حالانکہ وہ شراب سے بدتر ہے۔ اور اس کی وجہ روزمرہ گفتگو اور بات چیت میں اس کا کثرتِ استعمال ہے۔ لہٰذا اس کا قبیح ہونا لوگوں کی نظروں میں ختم ہوگیا ہے۔ نیز دروغ گو اپنی کہی ہوئی بات میں مختلف تعبیروں اور تاویلوں کے ذریعہ شبہ ایجاد کرکے خود کو اس سے بچا سکتا ہے۔"

(الانوار النعمانیہ۔ج۳۔ص۶۱)

اور لامحالہ یہ کہنا چاہئے کہ اس حدیث میں کذاب سے مراد ایسا شخص ہے جس کی ہم نشینی اور مصاحبت سے متعدد احادیث میں منع کیا گیا ہے۔ اس معنی کی

صحت اور اس مدعا کی صداقت کی گواہی یہ ہے کہ : وہ خرابی جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ایسے شخص کی صحبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس قسم کے کذاب کے علاوہ کسی اور کاذب کی دوستی سے پیدا نہیں ہوتی۔ اور یا یہ کہ مراد ایسا شخص ہے جس کا نام خدا کذابین کے دفتر میں لکھے گا اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ ایسا شخص ہے جو مسلسل دروغ کہتا ہے اور بات یہاں تک پہنچتی ہے کہ اس کا نام اس دفتر میں رقم ہو جاتا ہے۔ پس واضح ہوا کہ جھوٹ کی ان دونوں اقسام کے معصیت اور کبیرہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اگرچہ پہلی قسم شدید تر اور مختلف جہات سے اس کی خرابیاں زیادہ ہیں۔

پانچویں تقسیم کا حکم : پس اس دروغ کی پہلی قسم کا حکم واضح ہے باقی رہی دوسری قسم تو اس کی دو قسمیں ہیں۔

⊙ - اول یہ کہ دروغ گو جو بات کہتا ہے اور جو خبر دیتا ہے وہ محض مزاح ہو، وہ اس طرح کہ وہ اپنے الفاظ سے کسی معنی کا قصد نہیں کرتا بلکہ بغیر کسی معنی کا قصد کئے ہوئے اس کی زبان سے کلمات جاری ہوں۔ جیسے وہ نیند میں یا سہواً کوئی بات کہہ دے۔ اور اس مقام کے علاوہ شرع انور میں اس قسم کے کلام کی حرمت یا جواز اور ایسے شخص سے صادر ہونے والے عہد و پیمان اور شہادتوں وغیرہ کی صحت و فساد کی حرمت و جواز کا کوئی حکم موجود نہیں۔ البتہ ظاہری قرینہ سے اس شخص سے صادر ہونے والا یہ بے قصد و ارادہ کلام، لغو اور فضول باتوں میں شمار ہوتا ہے۔

بعض علماء نے اسے دوسری مزاحیہ اور بے ہودہ و فضول گفتگوؤں میں سے قرار دیتے ہوئے دائرۂ کذب سے باہر سمجھا ہے۔ کیونکہ کذب جھوٹی خبر کو کہتے

ہیں۔ اور بغیر کسی معنی کا قصد کئے ہوئے کلام خبر نہیں ہوتا۔ پس یہ کذب کا مقام نہیں۔

لیکن بعض بزرگ محقق علماء نے متعدد احادیث کی رو سے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اور جن میں دروغ ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے خواہ وہ مزاح میں بولا جائے یا سنجیدگی سے، ایسے دروغ کو دائرۂ کذب سے باہر کرنے پر اعتراض کیا ہے اور اسے کذبِ حرام میں سے شمار کیا ہے۔

ان علماء نے اپنے اس خیال کی تائید کے لئے آنحضرتؐ کی وہ حدیث پیش کی ہے جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں اور جس میں آنحضرتؐ نے ابوذر سے فرمایا ہے۔

"اے ابوذر ! وائے ہو اس پر جو بات کہے اور جھوٹی کہے تاکہ لوگوں کے ایک گروہ کو ہنسائے۔ وائے ہو اس پر، وائے ہو اس پر، وائے ہو اس پر۔" (امالیٔ طوسی - ج ۲ - ص ۱۵۰)

کیونکہ ان مجالس میں بیان کئے جانے والے اکثر باطل قصے اور جھوٹی مضحکہ خیز حکایات مزاح اور خوش طبعی کے لئے کہی جاتی ہیں اور جو انہوں نے فرمایا ہے وہ احتیاط کے مطابق ہے، ہرچند یہ جانی پہچانی سیرت کے خلاف ہے۔

⊙ - دوسرے یہ کہ معنی کا قصد و ارادہ رکھتا ہو لیکن یہ خلافِ حقیقت جھوٹ اور حکایت شوخی و مزاح اور محفل میں موجود لوگوں کو مشغول رکھنے اور ہنسانے کے لئے بیان کرتا ہو۔ البتہ یہ قسم اس حدیث میں مذکور مزاح میں داخل ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور جس میں اس مزاح کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔

چھٹی تقسیم کا حکم : پس اس حکم کی پہلی قسم واضح ہے اور اس کا حرام ہونا

بدیہی ہے۔ اسی طرح دوسری قسم ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ ایسا دروغ ہی حرام ہو جو خرابی پیدا ہونے کا موجب ہو۔

باقی رہی تیسری قسم اس کا اجمالی حکم تو معلوم ہے کیونکہ تقیہ کے موقع پر اور جان و مال یا عزت و آبرو کے خوف کے وقت دروغ بولنا جائز ہے بلکہ ایسے بہت سے مواقع پر واجب ہے۔ اسی طرح دشمنانِ دین کے غلبہ، برادرانِ دینی کے درمیان اصلاح کی غرض سے اور اہل و عیال سے بچنے کے سلسلے میں بکثرت نصوص اور علماء و اخیار کے فتاویٰ کی رو سے دروغ جائز بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اصلاح دروغ نہیں ہے لیکن مضائقہ دو مواقع پر ہے۔

(دروغِ مصلحت آمیز کا حکم)

اول یہ کہ وقتِ ضرورت شر سے بچنے اور اس سے خلاصی کے لئے کیا دروغ مطلقاً جائز ہے یا ایسی صورت میں اس کا جواز ایسے شخص کے لئے مخصوص ہے جو توریہ کرنا نہیں جانتا یا نہیں کرسکتا۔ وہ ایسے کہ وہ کوئی بات کہے اور اس کے صحیح اور حقیقی معنی کا قصد کرے لیکن اس کلام کو کہنے سے جس کے ظاہری معنی دروغ ہیں اس کی غرض اس کے صحیح معنی ہوں اور مخاطب اسی پر قناعت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل مثالوں کی مانند ان سے دستبردار ہوجائے۔ جیسے کہ کوئی صاحبِ خانہ سے ملنا چاہے اور صاحبِ خانہ کا خادم اس کے حکم یا اس کے میلان کی وجہ سے کہے کہ "وہ یہاں نہیں ہیں" اور "یہاں" سے اس کی مراد گھر کا وہ معین مقام ہو جہاں وہ اس وقت نہیں لیکن وہ شخص جو صاحبِ خانہ سے ملنا چاہتا ہے۔ "یہاں" سے گھر مراد لے، جیسا کہ اس کا ظاہر بھی یہی ہے اور واپس چلا جائے۔

اور شیخ فقیہ ابنِ ادریس حلّی رحمہ اللہ کی کتاب "سرائر" میں ابنِ بکیر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔

"میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ کسی آدمی سے کوئی گھر میں آنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور صاحبِ خانہ اپنی کنیز سے کہتا ہے کہ تو کہہ دے "وہ یہاں نہیں ہے" یعنی گھر کی وہ معین جگہ جو خالی ہے۔ فرمایا : کوئی بات نہیں یہ دروغ نہیں۔"

(السرائر (مستطرفات)۔ ج ۳۔ ص ۶۳۲)

پس اگر توریہ کرنا جانتا ہے اور توریہ کرسکے تو توریہ سے بات کرے اور اپنے آپ کو ضرر اور شر سے بچائے اور اس مقام پر اس کے لئے دروغ کہنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ توریہ کرسکتا ہے تو اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔ اور یہی چیز اکابر محققین کی ایک جماعت کی اختیار کردہ ہے۔ لیکن اس بارے میں بہت سی آراء ہیں اور اس کا محل و میدان فقہ ہے۔ لہٰذا ہر مقلد کی تکلیف یہ ہے کہ وہ اپنے اس مجتہد کی طرف رجوع کرے جس کی اس نے تقلید کی ہوئی ہے اور وہ جس بات کی اجازت دیں اس پر عمل کرے۔

دوم یہ کہ میزانِ صلاح کیا ہے؟ اور کس قدر نفع عمومی درکار ہے جو کذب کی قباحت کے خاتمہ اور اس کے ارتکاب کی اجازت کے لئے کافی ہو؟ اسی طرح وہ دروغ جس کا ارتکاب اصلاحِ مفسدہ کی غرض سے جائز ہوا ہے مطلق دروغ ہے خواہ وہ خدا، رسولؐ اور ائمہؑ پر باندھا جائے؟ یا دروغ کی اس صنف کو چھوڑ کر مخصوص ہے؟

ان باتوں کی وضاحت فقہی کتب سے متعلق ہے اور فقہا (رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم) کے کلمات سے خدا اور رسولؐ پر دروغ باندھنے کا مطلقاً حرام ہونا ظاہر ہے' ہرچند اس میں عمومی نفع و صلاح ہو' اور انہوں نے حدیث جعل کرنے کو کسی بھی صورت میں جائز نہیں سمجھا ہے۔

شیخ شہید ثانی علیہ الرحمہ وغیرہ نے کتاب "درایت" میں جعلی اور وضع کردہ احادیث کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے' اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے :

"ایک جماعت یہ کام (یعنی جھوٹی احادیث وضع کرنا) کیا کرتی تھی' ان میں سے بعض اس کام کو مال و دولت کے حصول کے لئے کرتے تھے اور بعض خلفاء جور کے تقرب کی غرض سے۔ لیکن ان میں سے ان لوگوں کا ضرر اور نقصان بہت شدید ہے جو لوگوں میں زہد و صالحیت کی بنا پر مشہور ہیں اور لوگ ان سے سنتے تھے' ان کی باتوں کو قبول کرتے تھے اور وہ اپنے فاسد خیالات کی وجہ سے حدیث وضع کرتے تھے۔ کیونکہ سننے والے یہ جھوٹی حدیثیں ان سے سن کر نشر کرتے اور لوگ یہ سمجھ کر کے کہ یہ خدا اور رسولؐ کی جانب سے ہے ان پر عمل کرتے۔"

جیسا کہ ابو عصمت نوح بن ابی مریم مَروَزی سے نقل کیا گیا ہے کہ لوگوں نے اس سے کہا کہ تو نے یہ حدیث (یعنی وہ خبر جس کی وہ عکرمہ کی طرف نسبت دیتا تھا) عکرمہ سے کس طرح لی ہے جو عکرمہ نے ابنِ عباس سے نقل کی ہے جس میں ہر سورہ کے جدا جدا فضائل ذکر کئے گئے ہیں حالانکہ اس حدیث کا عکرمہ کے اصحاب (یعنی جو لوگ عکرمہ سے اخبار کی روایت کرتے ہیں) کے نزدیک کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ ابو عصمت

نے کہا : چونکہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن سے بے اعتنا ہو رہے ہیں اور ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی ☆ میں مشغول ہیں۔ پس میں نے اس حدیث کو قربتہً الی اللہ جعل کیا۔

اور یہ ابو عصمت کو "جامع" کہتے ہیں اور ابو حاتم بن حیان (جو اہلِ سنت کے معروف علماء جرح و تعدیل میں سے ہے) نے کہا ہے کہ ابو عصمت نے راست گوئی کے علاوہ ہر چیز کو جمع کیا ہے۔

اور ابنِ حبّان نے ابنِ مہدی سے روایت کی ہے کہ ابنِ مہدی کہتے ہیں : میں نے میسرۃ بن عبدربہ سے دریافت کیا کہ تو نے یہ احادیث کہاں سے نقل کی ہیں کہ جو شخص فلاں سورہ کو پڑھے تو اس کے لئے فلاں ثواب ہوگا؟ پس اس نے کہا : میں نے ان احادیث کو اس لئے وضع کیا ہے تاکہ لوگ قرائتِ قرآن کی طرف راغب ہوں۔

اور مؤمل بن اسماعیل سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا : مجھ سے ایک شیخ نے ایک طولانی حدیث بیان کی جس کی سند اُبی بن کعب تک پہنچتی تھی۔ اور وہ حدیث' قرآن کی ہر ہر سورہ کے پڑھنے کے ثواب کے متعلق تھی۔ پس میں نے اس شیخ سے کہا : یہ حدیث تجھ سے کس نے بیان کی ہے؟ اس نے کہا ایک شیخ نے جو مدائن میں رہتا ہے اور زندہ ہے۔ مؤمل کہتا ہے میں اس مدائنی شیخ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ یہ حدیث تجھ سے کس نے بیان کی ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ حدیث

☆ ۔ یعنی اس کی کتاب "سیرہ" جس میں اس نے پیغمبرِ اسلامؐ کے غزوات کو یکجا کیا ہے۔

ایک شیخ نے بتائی ہے جو شہرِ واسط میں رہتا ہے اور وہ زندہ ہے۔ پس میں
اس کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ مجھ سے یہ حدیث ایک شیخ نے بیان کی
ہے جو بصرہ میں رہتا ہے۔ پس میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا مجھ سے
یہ حدیث ایک شیخ نے بیان کی ہے جو عبادان (آبادان) میں رہتا ہے۔
پس میں اس کے پاس گیا اور یہی سوال کیا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور
مجھے ایک گھر میں لے گیا۔ پس میں نے وہاں صوفیوں کی ایک جماعت کو
دیکھا جن میں ایک شیخ بیٹھا تھا۔ تو مجھے لے جانے والے شیخ نے کہا کہ
اس شیخ نے مجھ سے وہ حدیث بیان کی ہے تو میں نے اس شخص سے کہا
کہ یہ حدیث تجھ سے کس نے بیان کی ہے؟ تو اس نے کہا کہ یہ حدیث
مجھ سے کسی نے بیان نہیں کی لیکن جب میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن
سے دور ہو رہے ہیں تو میں نے اس حدیث کو ان کے لئے اس نیت سے
وضع کیا ہے تاکہ یہ لوگ اپنے قلوب کو قرآن کی طرف مائل کریں۔"

(الدرایہ۔ ص۵۶-۵۸)

اور شہید ثانی نے اپنی "شرح درایہ" میں فرمایا ہے کہ اس حکایت کو علماء کی
ایک جماعت (یعنی اہلِ سنت سے تعلق رکھنے والے) نے نقل کیا ہے۔

(حوالہ سابق)

اور بالجملہ علماء میں سے کسی نے بھی وضع حدیث کی اجازت نہیں دی۔
چاہے یہ حدیث کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو اور چاہے اس سے کتنے ہی زیادہ نفع و
اصلاح کا امکان کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس دروازے کو کھولنا شریعت کی بنیادوں کو
منہدم کرنا اور ہر ماہ و سال میں ایک نیا آئین اور جدید دین پیدا کرنا ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ بعض ذاکرین اور خطیب حضرات اس شیخ صوفی عبادانی کی
تقلید کرتے ہیں۔ لیکن اس شیخ احمق نے لوگوں کی قرآن سے بے رغبتی دیکھتے
ہوئے اپنی خام خیالی میں قربۃً الی اللہ اس حدیث کو وضع کیا اور اس عمل سے
اس کا مقصد ذاتی منافع کا حصول نہ تھا۔ لیکن یہ ذاکرین اور خطیب حضرات جب
بھی منبر پر آتے ہیں نئے نئے دروغ بناتے ہیں اور جس مجلس میں آتے ہیں اپنے
تخمِ دروغ کی ایک مشت بو جاتے ہیں اور جب کبھی سامعین میں کچھ سستی اور
بے رخی دیکھتے ہیں تو فوراً کوئی نہ کوئی روایت گھڑ لیتے ہیں اور اگر کہیں کوئی معتبر
حدیث یا روایت بیان کرتے بھی ہیں تو اس میں بھی اپنی طرف سے بے اندازہ
شاخ و برگ پیدا کر دیتے ہیں۔

لہٰذا ان کی نقل کی ہوئی باتیں ضبط و حساب اور کسی کتاب میں جمع کرنے
سے بڑھی ہوئی ہیں اور انہوں نے تو کرام الکاتبین تک کو تعجب و عجز میں مبتلا
کر رکھا ہے، چنانچہ اخبار و احادیث میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ
سب کچھ محض معمولی دنیاوی نفع اور زائل ہو جانے والی متاعِ قلیل کے حصول
کے لئے کیا جاتا ہے۔

ان کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ بگڑے ہوئے معاملات کی اصلاح کے لئے
جھوٹ کا جائز ہونا ان مقامات پر نہیں ہے جہاں خدا، رسولؐ اور ائمۂ ہدیٰ
صلوات اللہ علیہم پر جھوٹ باندھا جائے۔ اس مقام میں جس بات پر تنبیہ کرنا
ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ حکایات اور امثال جو کہ حیوانات بلکہ نباتات اور
جمادات کی زبانی پائی جاتی ہیں بلکہ اس قسم کی ہزارہا امثال و حکایات بنائی اور
لکھی جاتی ہیں۔ پس اگر ایسی حکایات و امثال بغیر کسی وجہ کے یا اس کے برعکس

کسی بُرے مقصد کے لئے بنائی گئی ہوں توان کا حکم بھی باقی دروغوں کی طرح ہے۔ ان کا بیان کرنا، لکھنا، بیچنا اور خریدنا حرام اور ان پر معاملہ کرنا باطل ہے۔

اور اگر ایسی حکایات و امثال الٰہی حکمتوں کے اثرات کی وضاحت اور ان کا پتہ دینے، لوگوں کو خدا کی خلقت کی باریکیوں سے واقف کرنے، پسندیدہ اخلاق کے نتائجِ حسنہ کو ظاہر کرنے، مذموم صفات کے قبیح نتائج و آثار کو آشکارا کرنے اور اس کے علاوہ بنی نوع انسان کے ایسے مفاد سے متعلق ہوں جن کی وہ محتاج ہے۔ نیز نفوس کو خوف دلانے اور ان کی ترغیب و تکمیل کے سلسلے میں موثر ہوں تو نص و فتویٰ کے مطابق بلکہ بہ مقتضائے عقل ان کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس قسم کے دروغ کو محرمات کے دائرہ سے خارج سمجھنا چاہئے اور ان کا کلماتِ حکمت اور وعظ و نصیحت کی باتوں میں شمار کیا جانا چاہئے۔

شیخ طبرسی طاب ثراہ کی کتاب "احتجاج" میں مروی ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاویہ کی اس مجلس میں جو حضرت امام حسن علیہ السلام اور آپؑ کے پدر بزرگوار پر طعن و تشنیع کے لئے آراستہ کی گئی تھی، عثمان کے بیٹے کے کلماتِ قبیحہ کے جواب میں فرمایا :

"ہاں تو اے عمرو بن عثمان ! اس حماقت کی وجہ سے جو تیری جبلت اور سرشت میں ہے ان امور کے کشف میں غور نہیں کرسکتا۔ تیری مثال تو اس مچھر کی کہانی کی سی ہے جو کھجور کے درخت پر بیٹھا تھا اور اس نے کھجور کے درخت سے کہا : اے درخت مضبوط رہنا، کیونکہ میں تجھ سے نیچے اترنا چاہتا ہوں۔ کھجور کے درخت نے کہا : مجھے معلوم ہی نہیں کہ تو کب مجھ پر بیٹھا ہے کہ تیرا نیچے اترنا مجھ پر گراں

ہو۔" (الاحتجاج۔ج۱۔ص۴۱۰)

اور علامہ حلی "تذکرہ" (ج۲۔ ص۳۰۵) میں اور محقق ثانی "جامع المقاصد" (ج۷۔ ص۱۷۷) کی کتاب اجارہ میں انسان کے اپنے آپ کو کتابتِ قرآن کے واسطے اجارہ دینے کے جواز کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"وکذا کتب السیر والاخبار الصادقة والشعر الحق دون الکاذب، ولاباس بالامثال والحکایات وما وضع علی السن والعجماوات"

"اور اسی طرح سچے سیر و اخبار اور اشعار کا لکھنا جائز ہے، نہ کہ جھوٹے اشعار اور اخبارِ کاذبہ کا لکھنا اور ان امثال و حکایات کے لکھنے کے واسطے اجیر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جو بے زبانوں کی زبان پر بنائے گئے ہیں۔"

اور ظاہراً مذکورہ صدر دونوں بزرگوں کی حیوانات کی گفتگو سے متعلق بات سے مقصود کتاب "اخوان الصفا" ہے جو اس باب میں بے نظیر ہے یا ان کا مقصود کتاب "کلیلہ و دمنہ" ہے جس کو ہندوستان کے حکماء نے تہذیبِ صفات اور تکمیلِ اخلاق کے لئے لکھا ہے اور یہ کتاب بھی اس فن میں اپنا عدیل و مثیل نہیں رکھتی۔ وباللہ التوفیق۔

ساتویں تقسیم کا حکم : پس دروغِ جلی کا حکم تو واضح ہے اور اسی طرح دروغ کی قسم خفی بھی حرام ہے۔ دروغِ خفی وہ ہے جس میں لفظ واضح طور پر معنیٔ دروغ پر دلالت نہ کررہا ہو بلکہ دروغ گو اس دروغ کو اشارہ و کنایہ کے ساتھ یا سربستہ انداز میں کہہ رہا ہو۔ مثال کے طور پر ایسا شخص جو کبھی نمازِ شب نہ پڑھتا ہو اور

یہ چاہتا ہو کہ حاضرین کو یہ بتائے کہ میں نمازِ شب پڑھا کرتا ہوں۔ پس حاضرین سے نمازِ شب کے فروعاتِ جزئیہ اور نوادر مسائل کے متعلق اس طرح سے سوال کرے کہ تمام حاضرین یہ سمجھنے لگیں کہ یہ تو مستقل نمازِ شب پڑھنے والے ہیں۔ یا وہ دوسروں کے سامنے بہت کم غذا کھائے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہو کہ لوگ اسے بہت کم غذا کھانے والوں میں سے سمجھیں، حالانکہ حقیقت میں وہ ایسا نہیں ہے اور ایسا عمل دوسروں کو دکھانے کے لحاظ سے ریا میں بھی شمار ہوگا۔ بہرحال اس کے حکم (حرام ہونے) میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اکثر لوگ اپنے بہت سے مقاصد کو اشارہ و کنایہ کے ذریعہ بیان کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ دوسروں کو اپنی بات سمجھاتے ہیں اور اپنے مقاصد سے مطلع کرتے ہیں۔

پس اگر اس اشارہ و کنایہ میں خلافِ واقع ہوا یا اشارہ و کنایہ واقع کے مطابق جاری نہ ہوا تو یہ دروغ ہوجائے گا اور اس پر اس کا حکم آئے گا۔

اور اگر دروغ اس بناء پر مخفی ہو کہ اس کے معنی قلب میں پنہاں اور دل میں پوشیدہ ہوں تو پس اس کے حکم کا سمجھنا دور از فہم مسائل میں سے ہے اور اس قسم کے دروغ کے کہنے والے کا حکم دو مشکلوں میں منحصر ہے۔ (۱) اگر چاہے کہ نہ پڑھے تو یہ بھی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ ان میں سے اکثر واجب اور مستحبِ مؤکد ہیں جن کے پڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (۲) اور اگر چاہے کہ پڑھے تو کس طریقہ سے پڑھے؟ کیونکہ وہ خود جانتا ہے کہ جو کچھ اپنے خدا کے ساتھ راز کی باتیں کررہا ہے اور اپنے حال کی خبر دے رہا ہے یہ سب کچھ دروغ ہے جس کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں۔ ہاں، وہ لوگ جو ان کلمات کے معانی کو نہیں جانتے جنہیں پڑھتے ہیں، وہ اس خطرے اور گزند سے امان میں ہیں۔ ان

لوگوں کی مانند جو اپنے جن حالات کی خبر دیتے ہیں ان میں صادق ہوتے ہیں۔ یہ ساری مصیبت اور پریشانی تو اس گروہ کے لئے ہے جو ان کلمات کے معانی کو جانتے ہیں جنہیں زبان پر جاری کرتے ہیں۔ جب کہ جو کچھ کہتے ہیں ان کے حامل نہیں ہوتے۔ اس بارے میں مفصل گفتگو ضروری ہے جو اس رسالہ میں مناسب نہیں۔

آٹھویں تقسیم کا حکم : پس وہ دروغ جو اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے اس کا حرام ہونا تو مسلمات میں سے اور واضح ہے اور جو دروغ شرعی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے اس کا حکم مقامِ پنجم میں آجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نویں تقسیم کا حکم : پس اس دروغ کی تینوں قسمیں گناہانِ کبیرہ میں سے ہیں۔ اور خداوندِ عزوجل کے ساتھ جھوٹی قسم کھانے کی بُرائی میں بہت سی آیات اور اخبار ہیں جن میں سے کچھ میں اس طرح بھی آیا ہے کہ جھوٹی قسم گھروں کو برباد اور ویران کرتی ہے، اور جھوٹی قسم کھانے والا اپنی اس قسم کا وبال مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے، اور جھوٹی قسم نسل کو قطع کرتی ہے، اور جھوٹی قسم کھانے والے سے خدا بیزار ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص پر بہشت کو حرام کردیا ہے۔ (رجوع کیجئے وسائل الشیعہ۔ ج۱۶۔ ص۱۱۹۔ ۱۲۳) اور ایسا آدمی ان تینوں آدمیوں میں سے ایک ہے جن کے بارے میں حقِ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

"ولا ینظر اللہ الیھم ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم"

"اور نہ (خدا) ان کی طرف نظر کرے گا اور نہ انہیں پاکیزہ قرار دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔" (سورۂ آلِ عمران کی آیت ۷۷ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۴ سے ماخوذ)

دسویں تقسیم کا حکم : پس پوشیدہ نہ رہے کہ ہر ایسا فعل جس کے ذریعہ کوئی کسی دوسرے کو کوئی بات سمجھانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے صدق و کذب، حرمت و کراہت اور جواز کا حکم وہی ہوگا جو اس بارے میں کی جانے والی زبانی بات کا ہوتا ہے۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے اور اس قسم کے دروغ (دروغِ فعلی) کی مثل و نظیر غیبتِ حرام ہے۔ نیز علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قول اور فعل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ شیخ شہید ثانی قدس سرہ نے کتاب "کشف الریبہ" میں فرمایا ہے :

"یہ جان کہ یہ (یعنی غیبتِ حرام اور برادرِ مومن کو بدی سے یاد کرنا) زبان ہی تک محدود نہیں بلکہ اسے کہنا (یعنی زبان سے غیبت کرنا) اس وجہ سے حرام کیا گیا ہے کہ اس میں دوسرے کو برادرِ مومن کے عیب سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے کے سامنے اس کا ایسا تعارف پیش کرتا ہے جو اسے بُرا محسوس ہوتا ہے اور وہ ناخوش ہوتا ہے۔ پس یہاں اشارہ بھی وضاحت کی مانند ہے اور فعل بھی قول کی طرح ہے اور اشارہ کرنا، آنکھ مارنا، رمز و کنایہ اور حرکت اور جو کچھ بھی مقصود کو سمجھا سکے، اس قسم کی تمام حرکات غیبت میں داخل ہیں۔ اور یہ تمام فعل اس معنی و مقصد میں مساوی ہیں جس مقصد کے لئے زبان کے ساتھ غیبت کرنا حرام قرار دیا گیا ہے اور وہ روایت اس باب میں ہے جو بی بی عائشہ سے کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا : میرے پاس ایک عورت آئی جب وہ واپس ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ عورت کوتاہ قد ہے۔ پس پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا : تونے اس کی غیبت

کی ہے۔

اور اسی طرح محاکات (کسی کی اس کے کسی عیب میں نقل کرنا) بھی ہے جس طرح کہ کوئی آدمی اس طرح لنگڑا بن کر چلے جس طرح کوئی لنگڑا چلتا ہے۔ بلکہ یہ غیبت سے سخت تر ہے کیونکہ یہ اس عیب کی غیر کے سامنے تصویر کشی کرنا ہے، جو زبان سے غیبت سے زیادہ شدید ہے۔" (کشف الریبہ۔ ص ۱۴)

قریب قریب ایسی ہی بات استادِ اعظم انصاری طاب ثراہ نے کتاب "مکاسب" میں فرمائی ہے۔ (المکاسب۔ ص ۴۲)

اگرچہ انہوں نے ان کلمات کو بابِ غیبت میں ذکر فرمایا ہے لیکن اس مذکورہ وجہ کے لحاظ سے غیبت اور کذب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ غیبت حقیقت میں "خبرِ صادق" کی اقسام میں سے ہے کیونکہ اگر اس میں دروغ ہو تو اسے غیبت نہیں کہا جاتا بلکہ اسے "بہتان" کہتے ہیں۔ اس بناء پر بہتان دو پہلوؤں سے حرام ہوگا۔ (یعنی ایک دروغ، دوسرے غیبت۔) پس واضح ہوگیا کہ ایسی بات سمجھانے کے لئے جس کی کوئی اصلیت اور حقیقت ہی نہ ہو کسی عضو کو جنبش دینا دروغ ہے اور اس طرح کرنے والے کا شمار جھوٹوں میں ہوگا۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے زبان سے جھوٹ بولا جائے۔

گیارہویں تقسیم کا حکم : پس اس دروغ کا حکم جس کے کہنے والے کا مخاطب زندہ، سامع، عاقل ہو واضح ہے (یعنی ایسا دروغ بھی حرام ہے) اور اسی طرح وہ مخاطب جس کا شمار ظاہر میں اگرچہ زندوں میں سے نہیں ہے جیسے حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور خلفاء راشدین (ائمہ معصومین) علیہم السلام مگر

بہ مقتضائے اصولِ مذہب و اخبارِ کثیرہ اور ان معصومینؑ کے مزاراتِ مقدسہ کے اذنِ دخول کے ان فقرات کے اعتبار سے جو وہاں کہے جاتے ہیں جیسے "اشھد انک تشھد مقامی، و تسمع کلامی، و ترد سلامی" "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ میرے مقام کو دیکھتے ہیں، میرے کلام کو سنتے ہیں، میرے سلام کا جواب دیتے ہیں۔"

معصومینؑ سے ان کی قبور کے نزدیک خطاب ایسے ہی ہوتا ہے جیسے زندہ حاضرین، سامعین، صاحبانِ عقل کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے بلکہ مومنین کی قبور بھی معصومین علیہم السلام کی مراقدِ منورہ کے ساتھ ملحق ہیں۔ جیسے کہ یہ بات ان کی زیارت کے بعض فقرات سے معلوم بھی ہوتی ہے۔

ابنِ طاؤس علیہ الرحمہ نے شیخ صدوق کی کتاب "مدینۃ العلم" سے اپنی کتاب "فلاح السائل" میں نقل کیا ہے کہ اس کتاب (مدینۃ العلم) میں محمد بن مسلم سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا :

"میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ہم مرے ہوئے لوگوں کی زیارت کریں؟ فرمایا : ہاں۔ میں نے عرض کی : جب ہم ان کے پاس جاتے ہیں تو کیا وہ ہمیں پہچانتے ہیں (یا ہماری باتوں کو سنتے ہیں؟) فرمایا : ہاں، خدا کی قسم یقیناً وہ تمہارے وہاں جانے کو جانتے ہیں اور تمہارے وہاں جانے سے خوش ہوتے ہیں اور تمہارا وہاں جانا انہیں پسند ہوتا ہے۔"

(فلاح السائل۔ ص ۸۵-۸۶)

اور نیز اس جگہ (کتابِ مذکور میں) صفوان بن یحییٰ سے روایت کی گئی ہے کہ

انہوں نے کہا :

"میں نے حضرت ابی الحسن علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی : کیا مردہ اس آدمی کے سلام کو سنتا ہے جو اس پر سلام کرتا ہے؟ فرمایا : ہاں، وہ لوگ باتیں سنتے ہیں۔ حالانکہ وہ کفار ہوتے ہیں تو کیا مومنین نہیں سن سکتے؟"

یعنی مومنین باتیں سننے کے لحاظ سے کفار سے زیادہ سزاوار ہیں اور حضرت نے اپنے اس کلامِ شریف میں جنگِ بدر میں قتل ہونے والے ان کفار کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کو ایک کنویں میں ڈالا گیا تھا۔

چنانچہ شیخ مفید قدس سرہ نے کتاب "عقائدِ صدوق" کی شرح میں اور ان کے علاوہ دیگر حضرات نے روایت کی ہے کہ :

"پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم چاہِ بدر کے کنارے پر تشریف لائے پس آپؐ نے اس دن قتل کئے جانے والے مشرکین سے جنہیں کنوئیں میں ڈال دیا گیا تھا فرمایا : تم اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے کیسے بُرے ہمسائے تھے۔ تم نے اس رسولؐ کو شہربدر کردیا اور اسے اس کے وطن سے نکال دیا۔ پھر تم سب جمع ہوگئے اور اس رسولؐ کے ساتھ تم نے جنگ کی۔ پس میں نے تو وہ چیز درست پالی جس کا خدا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ (یعنی مجھے تم پر فتح و ظفر ہوئی اور تم ہلاک ہوگئے) پس حضرت عمر نے کہا : یا رسول اللہؐ یہ کیسی گفتگو ہے جو آپؐ ان بوسیدہ کھوپڑیوں سے فرما رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : اے پسرِ خطاب خاموش رہو، خدا کی قسم تم ان (مقتول مشرکین) سے زیادہ سننے

والے نہیں ہو۔" (شرح عقائدِ صدوق۔ ص۱۸۹۔ ۱۹۰، مغازی واقدی۔
ج۱۔ ص۱۱۲، کامل ابنِ اثیر۔ ج۲۔ ص۲۶)

اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ :

"آپؑ اہلِ بصرہ کی جنگ سے فارغ ہونے کے بعد صفوں کے درمیان میں پھر رہے تھے یہاں تک کہ آپؑ کا گزر کعب بن سور کے پاس سے ہوا (یہ کعب بصرہ میں قاضی تھا بصرہ کا عہدۂ قضا عمر بن خطاب نے اس کے سپرد کیا تھا اور یہ بصرہ میں مقیم رہا اور حضرت عمر اور عثمان کے زمانہ میں اہلِ بصرہ کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرتا رہا اور جب بصرہ میں فتنہ کی آگ بھڑکی تو اس نے قرآن کو اپنی گردن میں معلق کیا اور اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر بصرہ سے باہر نکلا اور امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ کعب اور اس کے لڑکے تمام قتل ہوگئے) تو آپؑ اس کے سر کی جانب کھڑے ہوگئے جب کہ وہ مقتولین میں پڑا تھا۔ پس آپؑ نے لوگوں سے فرمایا : کعب بن سور کو بٹھادو۔ پس لوگوں نے دو آدمیوں کے درمیان اسے بٹھا دیا۔ پھر آپؑ نے فرمایا : اے کعب بن سور۔

"قد وجدت ما وعدنی ربی حقاً فهل وجدت ما وعد ربک حقا؟" (سورۂ اعراف کی آیت ۴۴ سے اقتباس)

"جو کچھ میرے پروردگار نے مجھ سے نصرت و ظفر کا وعدہ فرمایا اس وعدہ کو میں نے حق پایا۔ کیا تو نے بھی اپنے پروردگار کے اس وعدہ کو حق پایا جو اس نے تیرے ساتھ کیا تھا۔ (یعنی وہ عذاب جو اللہ تعالیٰ نے ناکثین

کے لئے مہیا فرمایا ہے۔)"

پھر آپؑ نے فرمایا کعب کو لٹادو۔ پھر حضرتؑ کچھ تھوڑا سا چلے کہ آپؑ طلحہ بن عبیداللہ کے پاس سے گزرے وہ بھی گرا پڑا تھا۔ آپؑ نے فرمایا طلحہ کو بٹھادو۔ پس لوگوں نے اس کو بٹھا دیا تو جو کلام حضرتؑ نے کعب سے کیا تھا وہی طلحہ سے کیا۔

پس آپؑ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے عرض کی : اے امیرالمومنین ! آپؑ کا ان دو مقتولوں سے کلام فرمانا کیا ہے جب کہ یہ سن نہیں سکتے؟ فرمایا : خداوندِ عالم کی قسم یہ لوگ یقیناً میرے کلام کو سن رہے ہیں۔ جیسے کہ اہلِ قلیب (یعنی چاہِ بدر والوں) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنا۔"

(جمل شیخ مفید۔ ص۲۰۹۔ ۲۱۰، ارشادِ شیخ مفید۔ ص۱۳۶)

اور صفوان کی گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو سننا از روئے اعجاز اور ان کفار کے اجسادِ خبیثہ میں تصرفِ نبوی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ عوالمِ غیب و شہادت میں ان کے حالات کے اختلاف کی وجہ سے تھا۔ اسی واسطے تو معصومین علیہم السلام نے فرمایا کہ مومن اپنی قوت وجود اور صفاء روح کی وجہ سے اس مرتبہ کا زیادہ حقدار اور سزاوار ہے اور نیز ہمارے اس مذکورہ دعویٰ کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو علی بن اسباط کی کتاب "نوادر" میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے ایک آدمی سے فرمایا :

"جب تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کی زیارت طلوعِ آفتاب سے پہلے

کرتے ہو تو وہ تمہاری باتیں سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جب تم ان کی زیارت طلوعِ آفتاب کے بعد کرتے ہو تو وہ تمہاری باتیں تو سنتے ہیں لیکن تمہیں جواب نہیں دیتے۔" (نوادر۔ ص۱۲۶)

پس واضح ہوا کہ فوت شدہ مومن کو اس کی زیارت کے وقت زندہ اور حاضر مخاطب کی طرح سمجھنا چاہیئے اور اس کے ساتھ اس طرح بات کرنی چاہیئے جیسے وہ جانتا ہے، سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ بلکہ کبھی تو مردہ مومن اپنا جواب زیارت کرنے والے کے کان تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت جیسے صاحبِ کتابِ "عروس" وغیرہ نے معتبر اسناد کے ساتھ حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :

"سلمانِ فارسیؓ جمعہ کے دن کچھ قبور کے پاس سے گزرے۔ پس آپ وہاں کھڑے ہوئے اور کہا۔

"السلام علیکم یا اھل الدیار، فنعم دار قوم مومنین، یا اھل الجمع ھل علمتم ان الیوم الجمعۃ"

"اے گھروں والو تم پر سلام ہو۔ گروہِ مومنین کا گھر کیسا اچھا ہے۔ اے اہلِ جمع (اہلِ محشر) کیا تم جانتے ہو کہ آج جمعہ ہے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا : پھر سلمانِ فارسی واپس آ گئے۔ جب بستر پر سوئے تو کوئی شخص ان کے پاس آیا اور اس نے ان سے کہا : اے ابا عبداللہ ! آج تم ہمارے پاس آئے تھے اور تم نے ہمیں سلام کیا اور ہم نے تمہیں سلام کا جواب دیا۔ اور تم نے ہم سے کہا تھا کہ اے اہلِ

دیار کیا تم جانتے ہو کہ آج جمعہ ہے؟ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ جمعہ کے دن پرندے کیا کہتے ہیں؟ (یعنی روزِ جمعہ کے جاننے کے علاوہ ہم روزِ جمعہ میں ان پرندوں کی تسبیح کو بھی جانتے ہیں۔)

حضرت (امام جعفر صادق علیہ السلام) نے فرمایا کہ اس شخص نے کہا کہ پرندے کہتے ہیں۔

"سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح، سبقت رحمتک غضبک، وماعرف عظمتک من حلف باسمک کاذباً"

"اے فرشتے اور روح کے پروردگار تو پاک و پاکیزہ ہے، تیری ذات مقدس ہے، تیری رحمت تیرے غضب سے سبقت کر گئی ہے اور جس کسی نے تیرے مبارک نام کے ساتھ جھوٹی قسم کھائی اس نے تیری عظمت کو نہیں پہچانا۔" (کتاب العروس۔ ص۱۵۵۔ ۱۵۶، عقاب الاعمال۔ ص۲۷۱، امالیٔ صدوق۔ مجلس ۷۳۔ ح۵، محاسنِ برقی۔ ص۱۱۹۔ نقل از حاشیۂ عروس)

اور اگر دروغ کہنے والے کا دروغ کہنے کے وقت کوئی مخاطب نہ ہو اور اگر ہو بھی تو وہ تمیز اور ادراک نہ رکھتا ہو تو ایسا دروغ بظاہر حرام نہ ہوگا، کیونکہ جس بات کو کہنے میں افادۂ غیر نہ ہو اسے خبر شمار نہیں کیا جاتا اور صدق و کذب خبر کے اوصاف میں سے ہیں۔ پس جب تک بات خبر نہ ہوئی ہو کذب کی صفت سے متصف نہ ہوگی، لہٰذا حرام بھی نہیں ہوگی۔

لیکن شیخِ اعظم خاتمۂ فقہاء و محققین شیخ مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے "نجات

العباد" کی کتابِ صوم میں ماہِ رمضان کے روزہ کے دوران خداوندِ عالم اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر کذب کے مسئلہ میں' ان دو صورتوں میں کہ یا تو
بالکل کوئی مخاطب ہو ہی نہیں یا ہو بھی تو ادراک نہ رکھتا ہو کتابِ مذکور کے متن
میں صحتِ روزہ کا حکم فرمایا ہے لیکن اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ :

"ان دو صورتوں میں روزہ کا فاسد ہونا قوت سے خالی نہیں۔ اور فساد
اس وقت تک محقق نہ ہو گا جب تک حرمت نہ ہو اور جب حرام ہو گیا تو
پھر (حرمت) صرف روزہ کی حالت میں مخصوص نہیں۔"
(نجات العباد۔ ص ۱۹۴۔ طبع سنگی)

اور واضح ہے کہ جب اس مقام میں خدا اور رسولؐ پر کذب ثابت ہو گیا تو
ان کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی مخاطب نہ ہونے کے باوجود کذب ثابت
ہو جائے گا۔ پس ان دو مذکورہ صورتوں میں ہر کذب (چاہے خدا اور رسولؐ پر ہو یا
کسی اور پر) حرام ہے اور اس طرح ذاکرین اور خطیبوں کے اس گروہ کی تکلیف
بھی معلوم ہو گی جو مہارت کے حصول اور مشق نیز خطابت میں ملکہ کی تقویت کے
لئے خالی مساجد میں جب کہ ان میں کوئی سننے والا آدمی نہیں ہوتا بالائے منبر
مرسوم انداز میں خطابت کرتے ہیں۔ واللہ العالم۔

بارہویں تقسیم کا حکم : پس مخفی نہ رہے کہ محقق نراقی نے کتاب "مستند" میں
خدا' رسولؐ اور ائمہؑ پر روزِ صیام میں جھوٹ بولنے کے ضمن میں کہا ہے :

"اور جو اقوال اشعار اور مراثی وغیرہ میں ان کی طرف منسوب کئے
جاتے ہیں اور جن کے متعلق ہمیں یقین ہوتا ہے کہ معصومینؑ نے نہیں
فرمایا۔ پس اگر معلوم ہو جائے کہ معصومین علیہم السلام کی طرف اس

کلام کی نسبت ان شعری مبالغہ آرائیوں کی بناء پر ہے جو شاعری میں
رائج ہیں اور جنہیں اس صنف میں اچھا سمجھا جاتا ہے تو بظاہر اس بات
میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو اس دروغ کو ان کی طرف
منسوب کرنے کی وجہ سے روزہ باطل ہو جائے گا۔ اور اس قسم کی تمام
باتوں سے اجتناب احوط ہے۔" (مستند الشیعہ۔ ج ۲۔ ص ۱۰۹ طبع سنگی)

مؤلف کا خیال ہے کہ علماء کے عمل' جانی پہچانی سیرت اور بعض دوسرے
قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشعار یا وہ نثر جو شعر سے مشابہ ہو اس میں اس چیز
(معصومینؑ کی طرف غیر منقولہ اقوال کو شعری مبالغہ کے طور پر منسوب کرنا) کی فی
الجملہ اجازت ہے اور بصورتِ ظاہر علماء نے اس پر کذبِ حرام کا حکم جاری نہیں
کیا ہے۔ اس کی وجہ یا تو وہ ہے جس کی طرف "مستند" میں محقق نے اشارہ کیا کہ
بہت سی ایسی باتیں ہیں جو شعراء اشعار و مراثی اور دیگر مقامات میں کہتے ہیں اور
جس گفتار یا کردار کو کسی آدمی کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ مبالغہ' تشبیہ یا
استعارہ پر مبنی ہوتی ہیں جن میں لفظ کے ظاہری معنی جو جھوٹے ہیں مقصود نہیں
ہوتے بلکہ دوسرے معنی (مبالغہ وغیرہ) مقصود ہوتے ہیں اور اس بنیاد پر یہ کلام
قبیح جھوٹ کی آلائش سے پاک ہوتا ہے۔ اور اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ
کلام مبالغہ' تشبیہ و استعارہ کی وجہ سے فصاحت و بلاغت کی خوبیوں کا حامل ہو کر
عمدہ کلام میں محسوب ہو جاتا ہے جس طرح کہ ملک الشعراء کاشیؒ نے حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ
اس وقت کے مکالمہ کو کہ جب عمرو بن عبدود میدان میں مبارز طلب کر رہا تھا اور
اسے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے سوا کوئی جواب نہ دے رہا تھا رشتۂ نظم

میں اس طرح پرویا ہے۔

پیمبرؐ سرودش کہ عمرو است این
کہ دست یلی آختہ زآستین

پیغمبرؐ نے فرمایا : یہ عمرو ہے گویا ایک دلاور اپنی آستین چڑھائے نکلا ہے۔

علی گفت ای شاہ اینک منم
کہ یک بیشہ شیر است درجوشنم

حضرت علیؑ نے فرمایا : یہ میں ہوں گویا زرہ میں ایک شیر کی مانند۔

اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ان حضرات سے اس قسم کا کلام نہ تو عربی زبان میں صادر ہوا اور نہ ہی فارسی میں اور اس کے باوجود یہ کلام دروغِ حرام میں شمار نہیں ہوتا کیونکہ خبر کا متن یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

"اے علیؑ ! یہ عمرو بن عبدود ہے فارسِ یلیل ☆ تو امیرالمومنین علیہ السلام نے عرض کیا : میں علی ابنِ ابی طالبؑ ہوں۔"

(تفسیرِ قمی۔ج۲۔ص۱۸۳)

اور یہ بات معلوم ہے کہ اس مقام پر اس اسمِ مبارک کے معنی شجاعت، سخاوت، زہادت، شہامت اور دوسری وہ پسندیدہ صفات جن کا کسی مخلوق میں پایا جانا ممکن ہے یا جن کا ہوسکنا تصور میں آسکتا ہے۔ پس جو شخص بھی کسی شجاع کو

☆ ۔ فارس کے معنی دلاور کے ہیں اور یلیل مدینہ کے نزدیک ینبع میں ایک وادی کا نام ہے۔

کسی مورد میں جس چیز کے ساتھ تشبیہ دے یا دے سکے۔ پس یہ مقام اس تشبیہ کا واضح صادق مورد ہے۔

پس حضرت کے کلام "میں علیؑ ہوں" سے مراد یہ ہوگی کہ مثلاً میں اس قلبِ شجاع کا مالک ہوں جس میں تمام قوتیں اور شیروں کی سی بہادری جمع ہے۔ اور اسی طرح ہر وہ کلام جو اس انداز میں بولا جاتا ہے۔ اور یہ باب (مبالغہ اور تشبیہ وغیرہ) انتہائی وسیع اور عام ہے اور یہ چیز کلامِ خدا میں بھی پائی جاتی ہے۔

اور اسی طرح ایک دوسرے انداز میں کہ جو نظم بلکہ نثر میں بھی رائج اور عام ہے اور وہ اس طرح ہے کہ انسان، حیوان یا نباتات میں سے کوئی اس حالت میں ہے کہ جسے جاننے کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ حالت اور صفت زبانِ گویا رکھتی اور دانا ہوتی اور اپنی اس حالت کی خبر دینا چاہتی تو اسی طرح خبر دیتی جیسی ناقل اس سے نقل کررہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ فلاں انسان یا کسی اور نے اس طرح کیا۔

یہ کلامِ صدق ہے اور یہ دروغ کی نسبت دینا نہیں۔ کیونکہ کہنے والے کا مقصد یہ ہے کہ فلاں ہستی فلاں صفت کی حامل ہے۔ جو اس امر سے ظاہر ہے اور اسے "زبانِ حال" کہا جاتا ہے۔ اور اس بات کے پیشِ نظر کہا جاتا ہے کہ ہر موجود ایک قادر، عالم، حکیم اور رازق ہستی کے وجود کی خبر دیتا ہے۔ اور شہادت خبر ہے اور یہ خبر ہر مطلق مزاج ذی شعور کے لئے اخبارِ صادقہ میں سے ہے۔

سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور متکلمین کی ایک جماعت جو حیوانات کے درک و شعور اور نطق کی قائل نہیں وہ اس بیان کے ذریعہ ان آیات و اخبار کی تاویل کرتے ہیں جو حیوانات میں ان کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ سید "مسائلِ

طرابلسیات" میں چیونٹی کے حضرت سلیمانؑ سے حکایت کے بیان کے ضمن میں (کہ جسے خداوندِ عالم نے کلامِ مجید میں نقل کیا ہے) اس بیان کے بعد کہ جب چیونٹی نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو دیکھا تو پہلے تو خوفزدہ ہوئی اور اس سے ایسا زمزمہ پیدا ہوا جو اس کے خوفزدہ ہونے اور دوسری چیونٹیوں کو ڈرانے کی علامت تھا۔ جیسا کہ دوسرے تمام حیوانات میں بھی اسی طرح رواج ہے' یوں فرماتے ہیں۔

"وتلک الحکایة البلیغة الطویلة لا تجب ان تکون النملة قائلة لها ولا ذاهبة الیها' وانها لما خوفت من الضرر الذی اشرف النمل علیه جازان یقول الحاکی لهذه الحال تلک الحکایة البلیغة المرتبة' لانها لو کانت قائلة ناطقة ومخوفة بلسانٍ وبیانٍ لما قالت الا مثل ذالک" (رسائل الشریف المرتضیٰ۔ ج۱۔ ص۳۵۶)

"یعنی یہ بلیغ اور طویل حکایت جسے خداوندِ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بیان کیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام اور چیونٹی کے بارے میں ہے' یہ واجب نہیں کہ چیونٹی نے اسی طرح کہا ہو اور بتحقیق جب اس چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو اس ضرر سے ڈرایا جو ان کو حضرت سلیمانؑ کے لشکر کے نزدیک آنے کی وجہ سے پہنچنے والا تھا تو جو آدمی اس چیونٹی سے اس کی اس حالت کو نقل کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس طولانی حقیقت کو اسی طرح ترتیب کے ساتھ کہے کیونکہ اگر وہ چیونٹی بولنے والی ہوتی۔۔۔۔ اور اپنی زبان کے ساتھ ڈرانا چاہتی تو ضرور اسی

طرح کہتی جس طرح قرآن میں اس سے حکایت کی گئی ہے۔"

نیز انہوں نے کتاب "غرر و درر" میں اس مطلب کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور آخر میں فرمایا ہے کہ چیونٹی کی طرف بولنے کی نسبت دینا مجاز و استعارہ ہے۔ (غرر و درر۔ ج۲۔ ص۳۵۳)

اور یہیں پر اس وجہ (یعنی زبانِ حال) اور وجہ اول (یعنی مبالغہ) میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ وجہ اول میں قول کی اصل نسبت مطابقِ واقع اور حقیقی ہے اور اس کے کہنے میں مبالغہ و تشبیہ اور استعارہ ہوا ہے اور اس جگہ (زبانِ حال میں) اس کے برعکس ہے جس طرح کہ اہلِ دانش سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اور جو کچھ سیدِ جلیل وغیرہ نے چیونٹی اور ہدہد وغیرہ کے قصہ میں فرمایا ہے' اگرچہ وہ بہت سی نصوص اور محققین کی تحقیق کے خلاف ہے مگر اس جگہ ان کے کلمات کو صرف اس بات پر گواہ کے طور پر نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے کلام کی اس قسم کو دائرۂ کذب سے خارج کیا ہے گو کہ وہ کذبِ حرام سے ظاہری صورت میں کوئی امتیاز نہیں رکھتی۔ اور ہمیشہ علماء نے نظم و نثر میں اس قسم کی گفتگو کی ہے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے بیانات کو رونق بھی بخشی ہے اور اپنے دعووں کو منصۂ قبول تک بھی پہنچایا ہے لیکن چونکہ نظم میں یہ چیز (زبانِ حال) زیادہ اور اس قدر رائج ہے کہ وہ ایسے قرینہ کی محتاج نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ اس گفتگو سے مراد زبانِ حال ہے نہ کہ زبانِ دہان بخلافِ نثر کے جہاں اکثر مواقع پر انتباہ کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ دیانت کا تقاضا ہے۔ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر کوئی اسے دروغ سے منسوب کرے۔

اور اس کی مثال وہ کلام ہے جسے امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے خطبہ

میں "الھٰیکم التکاثر ---" پڑھنے کے بعد مرنے والوں کے حالات کے بیان میں فرمایا ہے۔

"ولئن عمیت آثارھم' وانقطعت اخبارھم' لقد رجعت فیھم ابصار العبر' وسمعت عنھم آذان العقول' وتکلموا من غیر جھات النطق' فقالوا : کلحت الوجوہ النواضر' وخوت الاجساد النواعم ولبسنا اھدام البلیٰ' وتکاء دنا ضیق المضجع' و توارثنا الوحشۃ' و تھکمت علینا الربوع الصموت' فانمحت محاسن اجسادنا' وتنکرت معارف صورنا' و طالت فی مساکن الوحشۃ اقامتنا' فلم نجد من کربٍ فرجاً' ولا من ضیقٍ مخرجا" (نہج البلاغہ- خطبہ نمبر٢١٨)

"اگرچہ ان کے نشانات مٹ چکے ہیں اور ان کی خبروں کا سلسلہ منقطع ہوچکا ہے لیکن چشمِ بصیرت انہیں دیکھتی اور گوشِ عقل و خرد ان کی آواز سنتے ہیں۔ وہ بولے مگر نطق و کلام کے طریقہ پر نہیں بلکہ انہوں نے زبانِ حال سے کہا۔ شگفتہ چہرے بگڑ گئے۔ نرم و نازک بدن مٹی میں مل گئے اور ہم نے بوسیدہ کفن پہن رکھے ہیں اور قبر کی تنگی نے ہمیں عاجز کردیا ہے اور ہم نے ایک دوسرے سے خوف و دہشت کا ورثہ پایا ہے۔ ہماری خاموش منزلیں ویران ہوگئیں۔ ہمارے جسموں کی رعنائیاں مٹ گئیں۔ ہماری جانی پہچانی ہوئی صورتیں بدل گئیں۔ ان وحشت

کدوں میں ہماری مدتِ رہائش دراز ہوگئی۔ نہ بے چینی سے چھٹکارا نصیب ہے اور نہ تنگی سے فراخی حاصل ہے۔"

شیخ ابوالفتوح رازی کی تفسیر میں مروی ہے :

"ایک روز کسی سائل نے سوال کیا تو حسین ابنِ علیؑ نے فرمایا : جانتے ہو کیا کہہ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا : نہیں اے فرزندِ رسولؐ۔ فرمایا : کہتا ہے میں تمہارے یزداں کا فرستادہ ہوں' اگر آپ مجھے کوئی چیز دیں گے تو لے لوں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا وگرنہ یہاں سے خالی ہاتھ چلا جاؤں گا۔"

اور علی بن طاؤسؒ نے کتاب "لہوف" کے آخر میں فرمایا ہے :

"جب حضرت سید سجاد علیہ السلام شام سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے اور اپنے اقرباء (یعنی پدرِ بزرگوار اور بھائیوں) کے گھروں میں داخل ہوئے تو آپؑ نے دیکھا کہ یہ گھر زبانِ حال سے نوحہ کر رہے ہیں اور ان گھروں کی زبانِ حال سے سوزناک طولانی کلمات نقل کئے گئے ہیں۔" (لہوف- ص ٨٤)

لیکن ان کلمات کے بارے میں پہلے کی جانے والی گفتگو میں تنبیہ کی گئی ہے اور جو کچھ ہم (صاحبِ کتاب) نے کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صاحبِ "مستند" نے مبالغاتِ شعریہ کے علاوہ دیگر صورتوں میں روزہ کے مطلقاً فساد کا جو حکم دیا ہے وہ درست نہیں۔ بلکہ زبانِ حال کا حکم بھی' اسی صورت کے حکم میں ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا۔ واللہ العالم وعلیہ التکلان۔

❑❀❑

مقامِ پنجم

اخبار و قصص کو نقل کرتے ہوئے صدق سے کیا مراد ہے؟

یہاں اس بات کی وضاحت کی جائے گی کہ اخبار و قصص کے نقل کرنے میں صدق سے کیا مراد ہے؟ یہ یاد رہے کہ اخبار و قصص نقل کرنا ہی ذاکرین اور خطیبوں کا اصل سرمایہ ہے۔ جس کے ذریعہ کبھی تو یہ متاعِ آخرت حاصل کر لیتے ہیں اور کبھی دنیاوی مال و جاہ انہیں حاصل ہوتے ہیں، جس طرح کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس صدق کا مقابل کذب بھی یہاں معلوم ہو جائے گا۔

یہاں صدق کے معانی کی وضاحت مقصود نہیں ہے کیونکہ محل و مقام کے اعتبار سے صدق کے بہت سے معانی ہیں۔ کیونکہ کبھی اس صدق کا محل و مقام قول ہوتا ہے اور کبھی فعل اور کبھی قلب اور ارادہ و عزم وغیرہ ہوتا ہے۔ نیز مجاہدینِ فی سبیل اللہ کی ہمت کے مطابق اس (صدق) کے مختلف درجات ہیں اور صدق کا جو محل و درجہ فرض کیا جائے اس کا مقابل و مخالف ایک کذب ہوگا۔

ان مفاہیم کی وضاحت اخلاق اور معانی بیان و اصول کی بعض کتب میں کی گئی ہے اور یہاں اس شرح کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں جو بات ضروری ہے وہ یہ ہے کہ صدق کے مراتب کی طرف اشارہ کیا جائے اور یہ بات بتائی جائے کہ جو کچھ آیات و اخبار سے مستفاد ہوتا ہے اس کے اعتبار سے صدق سے

کیا مراد ہے۔

پس ہم کہتے ہیں کہ مخفی نہ رہے کہ حقیقی اور واقعی صدق مقاماتِ انسانی کا آخری درجہ اور کمالاتِ نفسانیہ میں سے عالی صفت ہے۔ کیونکہ صادقِ حقیقی وہ ہے جو معارف و اصولِ دین، قلبی صفاتِ حسنہ، نفسانی اخلاقِ مذمومہ اور اعضاء و جوارح سے صادر ہونے والے اعمالِ واجبات و محرمات وغیرہ میں سے جو کچھ کہے ان کی حقیقت اس کے دل میں ہو اور اس کی صادقانہ گفتار اس کے رازِ دل کا پتہ دے رہی ہو۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جن کے حق میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

"یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم"

"اور زبان سے وہ کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہوتا۔"

(سورہ آلِ عمران ۳۔ آیت ۱۶۷)

پس اگر وہ ان لوگوں کی طرح ہوا تو وہ ان منافقوں کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا جو اپنی زبان سے تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں اور کہتے ہیں "نشھد انک لرسول اللّٰہ" "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" (سورہ منافقون ۶۳۔ آیت ۱) لیکن جو کچھ زبان سے کہتے ہیں اس کا اعتقاد اپنے دل میں نہیں رکھتے۔ خدا تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے۔ "واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون" "اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔" (سورہ منافقون ۶۳۔ آیت ۱)

لہٰذا جو کچھ کہیں اس کے مطابق عمل کریں اور اپنے اعضاء و جوارح کے کردار کو اپنی زبان سے کہی ہوئی باتوں سے ہم آہنگ کریں اور اپنے افعال کو

اپنے اقوال کے راست ہونے پر گواہ بنائیں۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے کچھ کہیں اور اپنے اعمال و کردار سے اس کی تکذیب کریں۔ کیونکہ جو بات کہنے والے کے نزدیک سچی ہو وہ اس کے خلاف عمل نہیں کرتا اور جب وہ خود ہی اپنی گفتار کے خلاف عمل کر رہا ہے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کے نزدیک سچ نہیں ہے۔

اور اس مقام کے تمام و کمال میں سے وعدے کی وفا اور خالق یا مخلوق کی طرف سے قبول کی ہوئی ذمہ داری کی ادائیگی ہے۔

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ آیۂ مبارکہ۔

"یاایھاالذین آمنوالم تقولون مالاتفعلون ○ کبر مقتاعنداللہ ان تقولوامالاتفعلون"

"ایمان والو آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔" (سورہ صف ۶۱۔ آیت ۲۔۳)

ان لوگوں کی حالت کے بیان میں ہے جو وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ اور یہ تمام تہدید و وعید اور سرزنش ان لوگوں کے لئے ہے جو وعدہ کرتے ہیں اور اس کی وفا نہیں کرتے اور خداوندِ عالم نے ایک دوسرے مقام پر اسی جماعت (وعدہ خلافی کرنے والوں) کو کاذبین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

"ومنھم من عاھداللہ لئن اتینا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین، فلما آتاھم من فضلہ بخلوابہ و تولوا وھم معرضون، فاعقبھم نفاقا فی

قلوبھم الیٰ یوم یلقونہ بما اخلفوااللہ ما وعدوہ وبما کانوایکذبون"

"ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا کہ اگر وہ اپنے فضل و کرم سے عطا کردے گا تو اس کی راہ میں صدقہ دیں گے اور نیک بندوں میں شامل ہوجائیں گے۔ اس کے بعد جب خدا نے اپنے فضل سے عطا کردیا تو بخل سے کام لیا اور کنارہ کش ہو کر پلٹ گئے۔ تو ان کے بخل نے ان کے دلوں میں نفاق راسخ کردیا اس دن تک کے لئے جب یہ خدا سے ملاقات کریں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے خدا سے کئے ہوئے وعدہ کی مخالفت کی ہے اور جھوٹ بولے ہیں۔" (سورہ توبہ ۹۔ آیت ۷۵ تا ۷۷)

اور ہم نے ان لوگوں کے حالات کو جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ میں اشارہ فرمایا ہے کتاب "کلمۂ طیبہ" کے سولھویں باب میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس کتاب میں بہت سی مفید باتیں ہوئی ہیں۔ جو شخص اس کتاب کی طرف رجوع کرے گا ان سے بہرہ مند گا۔

پس ان دو مرحلوں کے طے کرنے کے بعد جاننا چاہئے کہ جو کچھ آدمی کے دل میں سپرد اور اس کے قلب میں ودیعت ہے وہ اس سے صادر ہونے والی گفتار و عمل سے سازگار ہونا چاہئے اور اس کا گفتار و عمل ہر لحاظ سے اس چیز کے مطابق ہونا چاہئے جو کچھ اس کے دل میں ہے۔ اور یہ بات بابِ معارف میں اس طرح ہے کہ آدمی جس چیز کے وجود اور صفات و افعال کا معتقد ہے اس کا اعتقاد اس طرح ہونا چاہئے جو اس موجود کے لائق و مناسب ہو۔ جیسے کہ ذاتِ اقدس باری جل جلالہ، انبیاء عظام، اوصیاء کرام علیہم السلام اور فرشتے، روزِ قیامت،

بہشت و دوزخ ان تمام کا اسی طرح معتقد رہے کہ جس طرح اس کو ان کا علم ہے اور ان کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اور مرحلۂ اخلاق میں اس طرح ہے کہ آدمی جس صفت کا حامل ہے وہ صفت اس کے گفتار اور اعتقاد کے لحاظ سے راست ہو۔ یعنی اس صفت کی حقیقت و اصلیت اس میں پائی جاتی ہو، محض دعویٰ ہی دعویٰ نہ ہو اور وہ صفت اس پر مشتبہ نہ ہو ورنہ وہ اس مرحلہ میں کاذب ہو جائے گا۔ جیساکہ مقامِ دوم میں امیرالمومنین علیہ السلام کے اس قول "ایاکم والکذب، فان کل راج طالب، وکل خائف هارب" (تم کذب سے پرہیز کرو کیونکہ ہر چیز کا امیدوار اس کے اسباب کو طلب کرنے والا ہے اور کسی چیز سے ڈرنے والا اس کے اسباب سے بھاگنے والا ہے۔) کی شرح میں اسی مطلبِ مذکور سے متعلق کچھ بیان گزرا ہے۔

جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا یہ فقرہ شریفہ اگرچہ مقامِ خوف و رجا میں میزانِ صدق و کذب کے سمجھنے کے بیان میں ہے لیکن اس میں تمام صفاتِ حمیدہ جیسے توکل، محبت اور تسلیم و رضا وغیرہ کے واسطے ایک دستور العمل ہے اور یہ سب ایک لحاظ سے ایک دوسرے کی شریک ہیں اور ان تمام کے لئے کچھ ایسے آثار و علامات ہیں کہ انسان خود اور دوسرے اس خصلت کے صادق اور کاذب ہونے کے بارے میں پہچان سکتے ہیں۔

باقی رہا زبان اور باقی اعضا کے لحاظ سے تو اس کے معنی معلوم ہیں اور عوام الناس اس معنی کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آدمی جس چیز کی خبر دے اگر وہ خبر اسی طرح ہے جس طرح اس نے خبر دی ہے تو اس کو صدق ورنہ کذب کہتے ہیں۔ اور مجاہد فی سبیل اللہ کو چاہئے کہ ان تمام مقامات میں موحد رہے اور کسی مقام میں

کسی کو بھی حق تعالیٰ کا شریک نہ بنائے اور جو بات کہے اور جو عمل انجام دے اور جس چیز کا اعتقاد رکھے وہ صرف ذاتِ مقدسِ احدیت کے تقرب کے لئے تمام مفاسد سے خالی اور پاک ہو جیساکہ آیۂ مبارکہ "ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین" (سورہ انعام۶- آیت۱۶۲) جو کہ شروع نماز میں پڑھی جاتی ہے اور اس کا ترجمہ فصل اول میں گزرا ہے میں اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

اس مرحلہ میں صدق اپنی حقیقت اور راستی کے لحاظ سے دوسری صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ مخلوط نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس میں محض ذاتِ اقدسِ تعالیٰ شانہ کی طاعت کا قصد ہو اور آدمی یہ کرسکتا ہے کہ اس قسم کے صدق کو مرحلۂ اخلاص میں رکھ کے اس کے شجرۂ طیبہ کو دل میں لگائے اور اس درخت کی پرورش کرے اور اس سے گوناگوں ثمرات حاصل کرے۔

صدقِ کامل کی یہ قسم صاحبانِ عصمت و طہارت صلوات اللہ علیہم کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ان (معصومین علیہم السلام) کو صادقین کہا ہے اور فرمایا ہے "کونوا مع الصادقین" (سورہ توبہ۹- آیت۱۱۹) اور حکم دیا ہے کہ ہر آدمی اقوال و افعال اور عقائد و اخلاق و اطوار میں سے اپنے تمام حالات میں اپنی ہمت و طاقت کے مطابق ان (صادقین) کے ساتھ ہو۔

پس امتِ مرحومہ میں دو قسم کے لوگ ہوئے۔ ایک قسم صادقین کی ہے اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں ان (صادقین) کی متابعت کا حکم ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اس آیۂ مبارکہ میں صادقین سے مراد وہ لوگ ہوں جو محض

زبان کے راست گو اور سچے ہوں اگرچہ وہ دل میں منافق یا اعضاء و جوارح کے عمل میں عاصی ہی کیوں نہ ہوں' کیونکہ یہ بات محال ہے کہ خدا تعالیٰ کسی منافق یا عاصی کی متابعت اور معیت کا حکم دے۔

پس اس جگہ صدق سے مراد یہ ہے کہ صدق ان تمام مقامات میں ہو جن کی طرف پہلے اشارہ ہوا ہے' اور ظاہر ہے کہ اس مرتبہ تک سوائے اس آدمی کے کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی جس کو خدا تعالیٰ برگزیدہ بنائے اور جس کی خود تربیت کرے اور اللہ اس آدمی کو تکمیلِ اخلاق اور تزکیہء نفوس و تربیتِ عباد کے لئے تمام بندوں کی طرف بھیجے اور بندوں کے پاس بھی ان صادقین کے ساتھ تمسک اور ان کی مصاحبت و معیت کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ نیز یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ حقِ تعالیٰ کسی ایسی جماعت کی متابعت اور اطاعت کا حکم دے جن کی معرفت کی راہ لوگوں پر مسدود یا مشکل ہو۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان صادقین کے لئے کچھ ایسے اوصاف ذکر فرمائے ہیں کہ انسان ان اوصاف کو جس شخص میں دیکھے اسے اپنا پیشوا اور رہنما بنا سکتا ہے' پس فرمایا ہے۔

"لیس البر ان تولوا وجوهکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکة والکتاب والنبیین واتی المال علی حبه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب واقام الصلوٰة وآتی الزکوٰة والموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرین فی الباساء والضراء و حین الباس اولئک الذین صدقوا و

اولئک هم المتقون"

"نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنا رخ مشرق اور مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی اس شخص کا حصہ ہے جو اللہ اور آخرت' فرشتوں اور کتاب پر ایمان لے آئے اور اس کی محبت میں قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' غربت زدہ مسافروں' سوال کرنے والوں اور غلاموں کی آزادی کے لئے مال دے اور نماز قائم کرے اور زکات ادا کرے اور جو بھی عہد کرے اسے پورا کرے اور فقر و فاقہ میں اور پریشانیوں اور بیماریوں میں اور میدانِ جنگ کے حالات میں صبر کرنے والے ہوں تو یہی لوگ سچے ہیں اور یہی صاحبانِ تقویٰ و پرہیزگار ہیں۔" (سورہ بقرہ ۲- آیت ۱۷۷)

اور دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

"انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسوله ثم لم یرتابوا وجاهدوا باموالهم وانفسهم فی سبیل اللہ اولئک هم الصادقون"

"مومن تو بس وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے اس میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا اور اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ (دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں۔" (سورہ حجرات ۴۹- آیت ۱۵)

غور و فکر کرنے والے افراد پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ دو آیات ان تمام چیزوں کو لئے ہوئے ہیں جو مراتبِ صدق میں بیان کی گئی ہیں۔ پس وہ صادقین جن کی متابعت کا حکم امت کو دیا گیا ہے وہ ان تمام اوصاف و اعمال کے حامل

ہوں اور یہ بات اس منصف محقق شخص سے پوشیدہ نہیں جو سابقین کے احوال پر مطلع ہے کہ سوائے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور آپ کے گیارہ فرزندوں صلوات اللہ علیہم کے کوئی اور ان تمام اوصاف کا حامل نہ دیکھا گیا ہے اور نہ ہی سنا گیا ہے اور یہ بات کتبِ امامت میں وضاحت کے ساتھ تحریر کی گئی ہے اور یہ اوراق اس کا محل ذکر نہیں ہیں اور یہاں صرف مقاماتِ صدق کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا اور اس بات کا ذکر کرنا ضروری تھا کہ صدق کا یہ بلند درجہ ان بزرگواروں (معصومین علیہم السلام) کے ساتھ مختص ہے اور باقی بندے تقسیم الٰہی کے مطابق ہر درجہ میں کچھ تھوڑا سا حصہ رکھتے ہیں۔

اس صدق کا پست ترین درجہ صدقِ لسان ہے اور عام لوگ تو اس کے علاوہ کوئی اور مرتبہ جانتے ہی نہیں۔ چہ جائیکہ اس صدقِ لسان کے علاوہ کسی اور مرتبہ کو پانے یا اس کے حاصل کرنے کے درپے ہوں۔ اور لوگوں کا فہم و ہمت تو اس قدر قاصر ہیں کہ اس پست اور سہل و آسان مقام (صدقِ لسان) تک کو انہوں نے اتنی اہمیت نہیں دی ہوئی کہ اپنے مکالمات و مخاطبات اور مباحثات و مکاتبات میں اس کا خیال رکھیں اور اس کے پابند رہیں اور جس چیز کو دیکھیں یا سنیں اس کو نقل کرتے وقت کچھ تغیر کر کے اس میں کچھ کمی یا زیادتی نہ کریں اور اپنے نام کو کاذبین کے زمرہ میں داخل نہ کریں۔ اور اپنے آپ کو دروغ گو شخص کے ان عقوبات اور مفاسد میں جو پہلے گزر چکے ہیں مبتلا نہ کریں۔ بلکہ (یہاں تو معاملہ الٹا ہے) اس دروغ کا قبیح ہونا تو آہستہ آہستہ لوگوں کے درمیان سے اس طرح ختم ہو گیا ہے کہ لوگ نقلِ اخبار میں دروغ کو گناہانِ صغیرہ میں تو کجا بلکہ مکروہات میں بھی شمار نہیں کرتے۔

آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص لہسن کھائے ہوئے ہو اور اس کا کسی کے پاس سے گزر ہو تو وہ اس کے منہ سے اٹھنے والی لہسن کی بو کی وجہ سے اسے بُرا بھلا کہہ کر شرمندہ کرتے ہیں، جب کہ یہی لوگ مجالس و محافل، مساجد و منابر اور مقدس مقامات پر ایک دوسرے سے ہزارہا جھوٹ کہتے ہیں اور جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں تحریر کیا، روایات کی رو سے ان سے اٹھنے والی بو عرشِ الٰہی تک جاتی ہے اور وہ فرشتوں کو خود سے آزردہ اور بیزار کرتے ہیں، اس کے باوجود اس عمل میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے اور ان کے خیال میں بھی نہیں آتا کہ ایک فعلِ قبیح کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اس سلسلۂ کلام کا ایک تتمہ ہے جو انشاء اللہ آگے آئے گا۔ اس مقامِ پنجم میں ہمارا اہم مقصد اس صدق اور کذب کی وضاحت و تشریح ہے جسے ذاکرین اور ان جیسے لوگوں کو جاننا اور ملحوظ رکھنا چاہئے۔ نیز انہیں اخبار و قصص نقل کرنے کے سلسلے میں اپنی تکلیف سے واقف ہونا چاہئے۔ علاوہ ازایں صدقِ لسان اور کذبِ زبان سے پرہیز جس کے متعلق آپ جانتے ہیں کہ گناہانِ کبیرہ میں سے ہے اور ذاکرین بھی تمام دوسرے مکلفین کی مانند اس میں شریک ہیں اور ہم اس قسم کو بعض علماء کی پیروی میں صدق و کذبِ شرعی کہتے ہیں۔

ہم اپنے مقصد کی وضاحت یوں کریں گے کہ : جب ناقل کسی خبر اور قصہ کو کسی واسطہ سے نقل کرے اور وہ واسطہ کسی دوسرے واسطہ سے نقل کرے یہاں تک کہ یہ سلسلہ اصل خبر و قصہ تک پہنچتا ہے۔ تو اکثر ناقل کے نزدیک وہ چیز جسے وہ نقل کر رہا ہے جزمی اور قطعی نہیں ہوتی کیونکہ اس تک اس کے ذریعہ خبر پہنچی ہے جس سے اس نے سنا ہے بلکہ وہ اس بات کے راست اور دروغ ہونے

میں برابر کا امکان محسوس کرتا ہے۔ ہاں، بعض اخبار و قصص میں ایک طرف کا ظن غالب ہوتا ہے۔ لیکن اس ظن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مگر ان اخبار و قصص میں بعض ایسی ہوتی ہیں جو کسی مخصوص راہ سے حاصل ہوتی ہیں یا کسی معین شخص سے پہنچتی ہیں جیسا کہ یہ بات اپنے مقام میں ذکر کی گئی ہے۔

اور اس جگہ یہ بھی مذکور ہے کہ بنی آدم کی زندگی اور حیات بعد از موت کے اکثر امور نقلِ ناقلین اور راویوں کی روایت کے ساتھ منسلک اور مربوط ہیں، اسی لئے شرع مطہر میں اس امر (نقلِ اخبار و قصص) کے لئے ایک میزان مقرر کی گئی ہے تاکہ شرع کے ماننے والے اس میزان کے مطابق عمل کریں اور مضبوطی کے ساتھ اس سے وابستہ رہیں اور قاعدہ و قانونِ الٰہی سے تجاوز نہ کریں۔ اگر کسی شخص نے اس قانونِ الٰہی سے تجاوز کیا تو شرع میں اس کو کاذب کہا جاتا ہے۔ پس یہاں کذبِ لغوی اور عرفی کے مقابل جس میں کلام صرف واقع کے مخالف ہوتا ہے، کذب سے مراد حق کی مخالفت اور خداوندِ عالم کی رضا اور شرع میں مقرر شدہ قانون کی مخالفت کرنا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کہنے والا جو کہہ رہا ہے وہ درست ہوتا ہے اور ناقل نے اسے بچشمِ خود دیکھا ہوتا ہے لیکن اس واقعہ کو نقل کرنے کے لئے شرع میں جو شرائط مقرر ہیں اگر وہ شرطیں نہ پائی جاتی ہوں تو ناقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس واقعہ کو نقل نہ کرے۔ کیونکہ اگر اس نے نقل کیا تو اسے بھی کاذب کہا جائے گا، باوجودیکہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی نسبت دی۔ اگرچہ وہ شخص عادل، متقی، راست گو ہی کیوں نہ ہو اور اس نے یہ چیز بچشمِ خود دیکھی بھی ہو تب بھی اسے یہ بات اس وقت

تک نقل نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اس کے پاس اس بات پر ایسے چار گواہ نہ ہوں جنہوں نے اس چیز کو ایسے ہی دیکھا ہو جس طرح اس نے دیکھا ہے۔ اور اگر اس نے اس کے بغیر نقل کیا تو اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی اور وہ خداوندِ عالم کے نزدیک کاذبین میں سے ہوگا۔ کیونکہ خداوندِ عالم سورۂ نور میں آیاتِ افک میں فرماتا ہے۔

"لولا جاؤا علیه باربعة شهداء فاذلم یاتوا بالشهداء فاولئک عندالله هم الکاذبون"

"پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ یہ (یعنی وہ شوہر جو اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگاتے ہیں) چار گواہ بھی لے آتے اور جب گواہ نہیں لے آئے تو یہ اللہ کے نزدیک بالکل جھوٹے ہیں۔" (سورہ نور ۲۴۔ آیت ۱۳)

یہاں اس گروہ پر کذب کے تمام احکام جاری ہیں۔

البتہ اس مقام کے علاوہ دوسرے مقامات میں ناقل کا فریضہ یہ ہے کہ وہ کسی ثقہ شخص سے نقل کرے۔ یعنی اس سے نقل کرے جس کی نقل پر وہ مطمئن ہو۔ اور اس قسم کا آدمی وہی ہو سکتا ہے جو دروغ کہنے سے پرہیز کرتا ہو، اور راست گو ہو، اور یہ سیرت اس کے لئے ملکہ اور عادت بنی ہوئی ہو، اور جو اپنے جاننے والوں اور اپنے ساتھ زندگی بسر کرنے والوں میں اس صفت سے معروف ہو۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ زیادہ بھلکڑ نہ ہو اور اس میں زیادہ سہو و نسیان نہ ہو، اور جس چیز کو وہ نقل کر رہا ہے اس چیز کو جاننے والا اور اس پر بصیرت رکھنے والا ہو۔ اور جب ایسا ہو گا تو اس سے سننے والا ہر آدمی اس کی نقل پر مطمئن ہو گا۔

ہر زمانے میں تمام صاحبانِ عقل کے امور ایسے ہی اشخاص کی نقل اور

اخبار پر چلا کرتے ہیں۔ بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ وہ باطل مذہب پر کاربند ہے یا مذہبِ
حقا کا پیروکار ہے۔ نیز اس مقام پر اس کی زبان سے بیان کی ہوئی اور دفتر یا کسی
کتاب میں تحریر کی ہوئی روایات و نقول کے درمیان بھی کوئی فرق نہیں۔ اور
اگر وہ کسی غیر معتبر شخص سے نقل کرے تو شرع مطہر میں دروغ گو کہلائے گا لیکن
یہ فی الجملہ پہلی قسم سے فرق رکھتا ہے جس کے بارے میں بعد کی گفتگو سے معلوم
ہو جائے گا۔

ہمارے اس دعویٰ پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا وہ کلامِ معجز نظام
دلالت کرتا ہے جو آپؑ نے اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام کو وصیتوں کے ضمن
میں فرمایا۔ یہ وصیتیں طولانی ہیں اور انہیں آپؑ نے آنجنابؑ کے لئے تحریر کیا
ہے۔ اور ان میں سے اکثر سید رضیؒ نے نہج البلاغہ میں نقل کی ہیں اور ان تمام
وصیتوں کو سید رضی الدین علی بن طاؤس قدس سرہ نے ثقۃ الاسلام کلینیؒ کی
"رسائل" سے کتاب "کشف المحجہ" میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے خود اپنی سند
سے حضرت باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ اور ان وصایا کے فقرات میں
سے ایک یہ فقرہ بھی ہے۔

"ولا تحدث الا عن ثقة فتكون كذابا، والكذب ذل"

"حدیث نقل نہ کرنا مگر کسی ثقہ سے (یعنی اگر تو نے کسی غیر ثقہ سے
حدیث کو نقل کیا) تو تو دروغ گو ہو جائے اور دروغ گوئی ذلت اور خواری
ہے۔" (کشف المحجہ۔ ص ۱۷۲)

یعنی دروغ گوئی دنیا و آخرت میں ذلت اور خواری کا سبب ہے، یا انسان کی
دنائتِ طبع اور پستیٔ فطرت کی علامت ہے اور اسی خبر کے قریب قریب وہ روایت

ہے جو امیرالمومنین علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں مروی ہے کہ جو مکتوب آپؑ
نے حارث ہمدانی کو لکھا اس میں فرمایا۔

"ولا تحدث الناس بكل ما سمعت فكفى بذالك كذبا"

"جو بات بھی سنو اسے لوگوں سے واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتے نہ
پھرنا، کہ تمہارے جھوٹا قرار پانے کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا۔"
(نہج البلاغہ۔ مکتوب نمبر ۶۹)

اور ان دو مذکورہ روایتوں کی موید وہ روایت ہے جس کو شیخ صدوق علیہ
الرحمہ نے کتاب "معانی الاخبار" میں عبدالاعلیٰ بن اعین سے روایت کیا ہے کہ
اس نے کہا :

"میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک
حدیث ہے جسے لوگ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم نے فرمایا : "بنی اسرائیل کے متعلق واقعات بیان کر" (بنی
اسرائیل کی حکایات اور قصے بیان کر) کہ اس میں کوئی حرج اور منع
نہیں ہے تو آپؑ (امام صادقؑ) نے فرمایا : ہاں (یعنی یہ حدیث
درست ہے) تو میں نے عرض کیا : ہم جو کچھ بنی اسرائیل کے متعلق
سنیں اسے نقل کریں تو کیا ہمارے اوپر کوئی حرج نہیں ہے؟ فرمایا : کیا
تو نے یہ نہیں سنا کہ آدمی کے جھوٹا بننے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ
ہر سنی ہوئی بات کو نقل کرے؟" (معانی الاخبار۔ ص ۱۵۹)

اور علامہ مجلسی قدس سرہ نے بحار میں اس مذکورہ خبر کی شرح میں فرمایا ہے

کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس آدمی کے کلام کو نقل کرنا درست نہیں ہے جس کی نقل پر اطمینان نہ ہو۔(بحارالانوار۔ج۲۔ص۱۶۰)

اور اسی باب سے وہ حدیث ہے جو گزری ہے کہ "مصلح (لوگوں میں اصلاح کرنے والا) دروغ گو نہیں ہے۔" کیونکہ اس کا کلام موافقِ حق اور مطابقِ رضاء الٰہی ہے، ہرچند خلافِ واقع ہو۔

ان تمام معتبر روایات کا ماحصل یہ ہے کہ مکلف مقامِ نقل میں چاہے کوئی دینی مطلب رکھتا ہو یا کوئی دنیاوی مطلب، جب کہ وہ نقل کی وجہ سے دوسرے کو کسی امرِ واقعی کا فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تو جب وہ اس امر کو کسی واسطہ سے یا کسی کتاب سے نقل کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ ایسے ثقہ شخص سے نقل کرے جس کی نقل پر اسے اطمینان ہو۔ تو پس اگر اس فرمان کو مانتے ہوئے کوئی خطا ظاہر بھی ہوگئی، یا واقع اس طرح نہ ہوا جس طرح کہ اس نے سنا ہے یا کسی کتاب سے نقل کیا ہے، تو اس کی یہ خطا خداوندِ عالم کے نزدیک قابلِ مواخذہ اور لوگوں کی توبیخ و ملامت کا سبب نہیں ہوگی۔ نیز اس ثقہ سے اس خبر کو نقل کرنے کی وجہ سے ناقل کی ندامت کا سبب اور موجب بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ناقل اس امر میں خالقِ جل وعلاء کے نزدیک عذر رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے موثق ذریعہ سے نقل کرنے کی اجازت دی ہے نیز اس صورت میں وہ لوگوں کے نزدیک بھی عذر رکھتا ہے کیوں کہ ان کی زندگی کے امور کا دار و مدار ثقہ شخص کی بات نقل کرنے اور اس کی اخبار پر اعتماد کرنے پر ہی ہے۔

لیکن وہ اگر کہیں نقل کرتے ہوئے تساہل سے کام لے اور ثقہ و غیر ثقہ میں کوئی فرق نہ رکھے اور جو کچھ جس سے سنے اور جس مؤلف کی کتاب میں جو کچھ

دیکھے نقل کردے تو اس صورت میں اگر دروغ ظاہر ہو یا اس سے کوئی نقصان مترتب ہو تو نہ ہی اس کا عذر درگاہِ الٰہی میں قبول ہوگا اور نہ بندگانِ خدا کے سامنے۔ لہٰذا جو کچھ مذمت و ملامت جھوٹوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور جو عقوبت اور عذاب ان کے لئے ہے اس کے لئے بھی جاری ہوجائیں گے اور وہ یہ عذر نہیں کرسکتا کہ "مجھے تو اس کے دروغ ہونے کا پتہ ہی نہ تھا، کیونکہ میں نے یہ خیال کیا کہ یہ راست ہے اس لئے اسے نقل کردیا۔" ایسی صورت میں اس سے کہا جائے گا کہ کیا ہم نے تجھے بتایا نہیں تھا کہ ہر شخص سے جو کچھ سننا اسے نقل نہ کرنا اور ہر جگہ جو کچھ دیکھنا اسے بیان نہ کرنا اور اس راہ پر نہ چلنا۔ کیونکہ اگر تو کسی کنوئیں میں گر پڑا، یا کسی ڈاکو نے تجھے پکڑ لیا تو تیرا کوئی فریاد رس اور نجات دہندہ نہ ہوگا۔ پس تو دروغ کہنے کے عذاب میں معذب ہوگا اور اس دروغ کی بنا پر مرتب ہونے والے نقصانات کا تجھ سے حساب لیا جائے گا۔ اور تجھے ان مفاسد کی وجہ سے (عذاب کے فرشتے) پکڑ لیں گے اگرچہ تجھے بیان کرتے وقت یہ علم نہ تھا کہ یہ دروغ ہے۔

اور سچے غور و فکر کرنے والے سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ آیہ مبارکہ "یاایھا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی مافعلتم نادمین" (ایمان والو! اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ سورہ حجرات۴۹۔ آیت۶) میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ابھی کہی ہے، کیونکہ وہ سبب جو اس آیہ شریفہ میں فاسق کی خبر پر عمل کرنے سے روکنے

کے لئے ذکر ہوا ہے' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس کام کا علم نہ ہو اس کو کرنا
عقلی اور شرعی طور پر مذموم اور ممنوع ہے اور اس صورت میں اس عمل پر جو بُرا
انجام اور نتیجہ مترتب ہوگا وہ عامل کے دامن گیر ہوگا اور وہ عامل اپنے کئے پر
پشیمان ہوگا۔

بنابرایں وہ ناقلِ حدیث جو نہ خود ہی اس خبر و حدیث کے سچا ہونے کا علم و
اطلاع رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس شرع کی جانب سے کوئی دستور العمل ہے
کہ اس خبر و حدیث کو سچا سمجھے تو پس اس کا نقل کرتے ہوئے غیر ثقہ پر اعتماد کرنا
جہالت اور نادانی ہوگی اور اس نقل کی وجہ سے جو خلل پیدا ہوگا وہ اس کے
دامن گیر ہوگا اور آخرکار وہ اپنے اس عمل پر پشیمان ہوگا۔

بخلاف اس شخص کے جس نے روایات کو ایک موثق ذریعہ سے نقل کیا
ہے اگرچہ اسے خود ان روایات کے صدق کا علم نہ تھا۔ لیکن چونکہ اس کے
پاس شرع انور کی طرف سے دستور العمل ہے کہ موثق ذریعہ کے کہے ہوئے اور
اس کی نقل کو صدق سمجھے اور اس بات کو حقیقت جانے جس کی وہ خبر دے۔ پس
جب وہ شرع شریف کے اس دستور العمل کے مطابق عمل کرے اور ثقہ شخص
سے نقل کرے تو یہ کام اس نے جہالت اور نادانستگی میں نہیں کیا۔ اور بالفرض
اگر موثق ذریعہ کی بیان کی ہوئی بات خلافِ واقع ہوئی اور یہ بات نقل کرنے کی
وجہ سے کوئی فساد یا کئی مفاسد مترتب ہوئے تو چونکہ اس کا عمل شرع مطہر کے
دستور العمل کے مطابق تھا لہٰذا ان مفاسد کے نتائج کسی وجہ سے بھی اس شخص
کے دامن گیر نہ ہوں گے اور نہ ہی یہ عمل اس کے لئے باعثِ پشیمانی ہوگا اور
خداوندِ جل و سبحانہ اور مخلوق کے نزدیک معذور ہوگا۔

اس کی مثال وہ قابلِ اطاعت حاکم ہے جس نے دو مومن عادل افراد کی
شہادت کی وجہ سے کسی چور کا ہاتھ قطع کردیا ہو اور قطع کرنے کے بعد معلوم ہوا
کہ چور کوئی دوسرا آدمی تھا اور سزا کسی اور کو ملی ہے۔ تو اس صورت میں حاکم
کے اوپر کوئی حرج نہیں اور اسے عمل پر پشیمان ہونا نہیں پڑے گا' کیونکہ شرع
مطہر میں ایسے مقام میں جو میزان اور دستور العمل مقرر کیا گیا ہے حاکم نے اس
کے مطابق عمل کیا ہے۔ ہاں' اس خرابی کا تدارک دوسری جگہ سے کیا جائے
گا۔

البتہ اس مقام میں پشیمانی اور وبال اس آدمی کے لئے ہے جس تک بالآخر
یہ دروغ منتہی ہوگا کہ اس نے یہ دروغ عمداً کہا ہے یا مقدماتِ نقل میں کوتاہی کا
مرتکب ہوا ہے اور اسی سے متعلق وہ قول ہے جو امیرالمومنین علیہ السلام نے
فرمایا ہے' جیسا کہ "کافی" میں ہے۔

"اذا حدثتم بحدیث فاسندوہ الی الذی حدثکم' فان
کان حقا فلکم' وان کان کذبا فعلیہ"

"جب کبھی تم کسی کے لئے کوئی حدیث نقل کرنا چاہو تو نقل کرتے ہوئے
اس شخص کا نام ذکر کرو جس نے تم سے یہ حدیث نقل کی اور تمہارے
لئے مستند ہے۔ (یا اگر کسی نے تمہارے لئے حدیث نقل کی اور تم اسے
دوسروں کو نقل کرنا چاہتے ہو تو اس شخص کا نام لو مثلاً یوں کہو کہ فلاں
نے کہا ہے کہ حضرت صادقؑ نے یوں فرمایا۔) پس اگر یہ سچا ہوا تو اس
حدیث کو روایت کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ثواب تم سب کے لئے
ہوگا اور اگر جھوٹ ہوا تو اس کا ضرر اسی ناقل کو پہنچے گا جس نے

تمہارے لئے یہ جھوٹ نقل کیا۔"

بیان کی گئی روایات اور مقرر کئے ہوئے قانون کے اعتبار سے اس "ناقل" سے مراد وہ شخص ہے جو ثقہ ہو۔ پس اس کے یا اس دوسرے کے کلام کا دروغ ہونا جس نے اس کے لئے نقل کیا ہے اسی طرح ہے جس کی طرف ابھی ابھی اشارہ کیا گیا ہے یا اس کی کیفیت کوئی اور ہوگی جس کی طرف انشاء اللہ عنقریب اشارہ کیا جائے گا۔

چند تنبیہات

اس مقام بلکہ گزشتہ مقامات کے لئے چند تنبیہ ہیں، جس کی طرف اشارہ کرنا لازم ہے۔

تنبیہ اول :

(ثقہ سے نقل کرنے میں مکمل تحقیق کا لازم ہونا)

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ اپنے اور دوسروں کے دین و دنیا کے امور نقل کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ موثق ذریعہ سے نقل کرے، جس کے معنی بیان ہو چکے ہیں۔ خواہ یہ نقل اس کی زبان سے ادا ہوئی ہو، یا اس کی کتاب میں درج ہو، کیونکہ ذاکرین اور دوسرے لوگوں کی نقل اکثر انہی احصار میں منحصر ہوتی ہے۔ یعنی اکثر وہ اپنی بات انہی ذرائع کا حوالہ دے کر بیان کرتے ہیں۔

اور آپ نے یہ بات بھی جان لی ہے کہ ثقہ شخص سے بات نقل کرنے میں کوئی کھٹکا اور خدشہ نہیں ہوتا اور اگر اس کی دی ہوئی خبر اور روایت خلافِ واقع ثابت ہو تو نقل کرنے والے کے لئے نہ تو کوئی حرج ہے اور نہ ملامت۔

پس یہ بات بھی جاننا چاہئے کہ اکثر اوقات ثقہ شخص ایک خبر کو نقل کرتا ہے لیکن دوسرے ثقات اسی خبر کے برخلاف نقل کرتے ہیں۔ اور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ جس خبر کو نقل کرتا ہے وہ مذہب کے بعض قواعد و اصول کے منافی ہوتی ہے۔ ثقہ شخص بلکہ مومنِ عادل کا اس قسم کی خبر کو نقل کرنا اس کی وثاقت اور عدالت کے منافی نہیں ہوتا کیونکہ زمانۂ قدیم سے ہی احادیث و اخبار اور قصص و حکایات کے اختلاف کے بہت سے اسباب ہیں جن کو علماء اسلام نے بھی ضبط کیا ہے اور ائمۂ طاہرین علیہم السلام نے ان اختلافات کے معالجہ اور اس بارے میں مکلف کے فریضہ پر بارہا ہدایات دی ہیں۔ ان قوانین میں بھی اختلاف پیدا ہوا اور علماء عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بارے میں بہت محنتیں کیں اور تکالیف اٹھائیں یہاں تک کہ علماء کے ہر گروہ نے اپنے مشرب و مذاق کے مطابق جو وہ مبانی فقہ میں رکھتے تھے کوئی نہ کوئی معین طریقہ اور ایک سلسلہ پیشِ نظر رکھا، جس کا ذکر کرنا یہاں مناسب نہیں۔

یہاں ہمارا مقصد ذاکرین اور خطیب حضرات کو یہ تنبیہ کرنا ہے کہ اگر وہ کسی عالم کی کتاب میں کوئی خبر یا حکایت دیکھیں تو اگرچہ اسے یہاں سے نقل کرنے میں انہیں کچھ مانع نہیں۔ لیکن انہیں چاہئے کہ کچھ تامل کریں اور یہ دیکھیں بلکہ اس بارے میں تحقیق کریں کہ مبادا کسی اور عالم نے اس کے برخلاف تحریر کیا ہو اور اس پہلی خبر کا خلافِ واقعہ ہونا ظاہر اور واضح ہو، اور وہ اس طرح کہ ظاہراً اس کلام کی تاویل کی گئی ہو۔ پس اس مقام میں اول تو ذاکر یا خطیب کو چاہئے کہ اپنی نقل کی سند کا ذکر کرے اور ایسی خبر کو اپنے جزم و یقین کے ساتھ بیان نہ کرے کہ مثلاً امام علیہ السلام اس طرح تھے، یا انہوں نے اس طرح فرمایا اور

اس طرح کیا۔ اور دوسرے یہ کہ اس خبر کے بارے میں دیگر علماء کی مخالفت کا بھی ذکر کرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سامعین مبالغہ کا شکار رہیں۔ خصوصاً اگر اس کتاب کے مؤلف کا شمار بزرگ علماء میں ہوتا ہو۔

(متناقض نقول کے دو نمونے)

ہم مذکورہ بات کی وضاحت کے لئے دو نمونے پیش کرتے ہیں۔

نمونہ اول : (کیا حضرت علیؑ نے صرف ایک ضربت کھائی؟)

عالمِ جلیلِ بے نظیر و عدیل شیخ مفید رحمہ اللہ علیہ نے کتاب "ارشاد" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے معجزات کے ذکر کے ضمن میں فرمایا ہے۔

"ومن آیات اللہ الخارقۃ للعادۃ فی امیرالمومنین علیہ السلام انہ لم یعھد لاحد من مبارزۃ الاقران و منازلۃ الابطال مثل ما عرف لہ علیہ السلام من کثرۃ ذالک علی مر الزمان، ثم انہ لم یوجد فی مما رسی الحروب الا من عرتہ بشر ونیل منہ بجراح اوشین الا امیرالمومنین علیہ السلام فانہ لم ینلہ مع طول زمان حروبہ جراح من علو ولاشین، ولا وصل الیہ احد منھم بسوءٍ حتیٰ کان من امرہ مع ابن ملجم علی اغتیالہ ما کان، و ھذا اعجوبۃ افردہ اللہ بالایات فیھا، وخصہ بالعلم الباھر فی معناھا، ودل بذالک علی مکانہ منہ وتخصصہ بکرامتہ التی بان

بفضلھا من کافۃ الانام"

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ :

"میدانِ جنگ میں جتنی مدت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے دشمنوں سے جنگ و مجادلہ کرتے ہوئے گزاری اس قدر مدتِ جنگ دیگر شجاعانِ زمانہ اور دلیرانِ روزگار میں سے کسی بہادر اور دلیر کو پیش نہیں آئی اور ہمیشہ جنگ میں مشغول رہنے والے بہادروں میں سے کوئی ایسا بہادر نہیں ملتا جس نے دشمن کی طرف سے کوئی نہ کوئی زخم نہ کھایا ہو۔ یا اس کے اعضاء میں کوئی ایسا عیب اور نقص ظاہر نہ ہوا ہو جس کی وجہ سے وہ دلیر بدشکل ہوگیا ہو سوائے امیرالمومنین علیہ السلام کے۔ باوجودیکہ آپؑ نے طویل مدت جنگ و جہاد میں گزاری مگر اس کے باوجود دشمن کی طرف سے آپؑ کے بدنِ مبارک پر کوئی زخم نہیں لگا اور آپؑ کے جسمِ مبارک میں کوئی عیب اور نقص ظاہر نہیں ہوا سوائے ابن ملجم کی ضربت کے جو اس نے مکر و حیلہ سے آپؑ کو لگائی۔ اور یہ وہ نمایاں معجزہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس امرِ عجیب سے تمام دلیرانِ روزگار میں صرف آپؑ ہی کو ممتاز فرمایا ہے۔" (کتاب الارشاد۔ ص ۱۶۲)

اور شیخ مفید رحمہ اللہ علیہ کی اس بات کی موید وہ روایت ہے جو شیخ شاذان بن جبرئیل نے کتاب "فضائل" میں ولادتِ امیرالمومنینؑ کے واقعہ میں نقل کی ہے کہ جب آپؑ کی ولادتِ باسعادت ہوئی تو حوا و مریم علیہما السلام اور ان کے علاوہ دو اور عورتیں حاضر ہوئیں اور انہوں نے آپؑ کو معطر کیا اور ایک پارچہ میں لپیٹا۔ پس جناب ابوطالبؑ نے چاہا کہ عرب کے دستور کے مطابق اسی حالت

میں آپؑ کی ختنہ کریں (جس طرح کہ لوگ بچے کی کمسنی میں ہی ختنہ کرتے ہیں) پس ان عورتوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ مولود پاک وپاکیزہ پیدا کیا گیا ہے اور یہ مولود حرارتِ آہن صرف ایک ایسے آدمی کے ہاتھ سے چکھے گا جس کو خدا تعالیٰ، اس کا رسولؐ، اس کے فرشتے، آسمان و زمین، پہاڑ اور دریا دشمن رکھتے ہوں گے اور آتشِ جہنم اس کی مشتاق ہوگی۔ ابو طالبؑ نے پوچھا وہ کون ہوگا؟ کہا : ابنِ ملجم مرادی۔۔۔۔۔(الفضائل۔ص۹۸)

اس کے باوجود شیخِ معظم مفیدؒ کے مذکورہ کلام اور اس خبر کے مضمون پر یقین نہیں کیا جاسکتا اور اس کلام اور خبر کو ان کے ظاہر ہی پر رہنے دینا چاہئے کیونکہ یہ کلام بہت سی ایسی اخبار کے منافی ہے جن میں سے بعض کو خود شیخِ معظم مفیدؒ نے روایت کیا ہے۔ اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

اول : شیخِ جلیل مفیدؒ نے کتاب "اختصاص" میں روایت کی ہے کہ جب جناب امیر علیہ السلام جنگِ احد سے واپس تشریف لائے تو آپؑ کے بدنِ مبارک پر اسی زخم تھے۔ جب لوگ روئی کی بتیاں ایک زخم سے داخل کرتے تو وہ بتیاں دوسرے زخم سے باہر نکل آتیں۔ یہاں تک کہ ان دو عورتوں نے جو جراح تھیں اور معالجہ کرتی تھیں (جیسے کہ آگے آئے گا) عرض کی کہ اس قسم کی بتیاں ایک زخم سے دوسرے زخم میں چلی جاتی ہیں، ہمیں تو ان کی جان کا خطرہ ہے۔ جب کہ جناب امیر المومنینؑ اس حالت میں درد کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ آپؑ کو ایک چمڑے پر لٹایا گیا۔ جب حضرت رسولِ خداؐ کی نظر آپؑ پر پڑی تو ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ رونے لگے۔۔۔۔۔(اختصاص۔ص۱۵۸)

دوم : شیخِ معظم مفیدؒ نے اسی کتاب "اختصاص" میں روایت کی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں نے ان زخموں کے نشان جو آپؑ کے بدن پر سر سے لے کر قدموں تک تھے گنے تو ان نشانات کی تعداد ہزار تک پہنچی۔ (حوالہ سابق)

سوم : انہی عالمِ کامل (شیخ مفیدؒ) نے اسی کتاب "اختصاص" میں اور شیخ صدوقؒ نے کتاب "خصال" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور محمد بن حنفیہ سے ایک طولانی حدیث کو روایت کیا ہے کہ جنگِ نہروان کے بعد ایک یہودی عالم جناب امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو جنابؑ نے اس کے لئے ان سات مقامات کا ذکر کیا جہاں خدا تعالیٰ نے حیاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپؑ کا امتحان لیا ہے اور اس کے علاوہ دیگر سات مقامات کا ذکر کیا جہاں وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد خدا نے آپؑ کا امتحان لیا ہے اور آپؑ نے ان تمام مقامات میں صبر کیا۔ پہلے سات مقامات میں سے چوتھے مقام میں غزوۂ احد کا ایک اجمال بیان کیا اور اس کے آخر میں فرمایا :

"میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ستر اور کچھ زخموں کے ساتھ مجروح ہوا جن میں سے یہ اور یہ ہیں۔ اور آپؑ نے اپنی ردا اٹھائی اور اپنے دستِ مبارک کو ایک ایک زخم کے نشان پر رکھا۔۔۔" (اختصاص۔ص۱۶۸، خصال۔ص۳۶۸)

چہارم : نیز انہی دو کتابوں (اختصاص اور خصال) میں اسی طولانی خبرِ شریف میں مذکور ہے کہ آپؑ نے پہلے سات مقامات میں سے پانچویں مقام میں غزوۂ خندق کا اجمال بیان کیا اور عمر بن عبدود کے ساتھ اپنے مقابلے کا ذکر کیا اور

رمایا :

"اس نے مجھے یہ ضربت لگائی اور آپؑ نے اپنے سرِ مبارک کی طرف
اشارہ کیا۔۔۔۔" (اختصاص-ص۱۶۷، خصال-ص۳۶۸)

جم : شیخ طبرسی قدس سرہ نے تفسیر "مجمع البیان" میں روایت کی ہے کہ لوگ
نگِ احد کے دن علی علیہ السلام کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت
ں اس حالت میں لائے کہ آپؑ کے بدن شریف پر ساٹھ سے زیادہ زخم تھے جو
یزے، شمشیر اور تیر کے تھے۔ پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے
ستِ مبارک کو ان زخموں پر ملا تو وہ زخم خدا تعالیٰ کے اذن سے اس طرح مٹ
گئے کہ گویا کوئی زخم ہی نہ تھا۔(مجمع البیان-ج۱-ص۵۰۹- سورۂ آلِ عمران کی
آیت ۱۴۰ کے ضمن میں)

ششم : جلیلِ مقدم علی بن ابراہیم قمی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں جنگ احد
کے قصہ کے ضمن میں معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے تمام
صحاب فرار ہوگئے اور امیرالمومنین علیہ السلام ان مشرکین کے ساتھ مسلسل
ر سرپیکار رہے۔ یہاں تک کہ آپؑ کے روئے مبارک، سر و سینہ، شکم، دونوں
ہاتھوں اور دونوں پاؤں پر نوّے زخم لگے۔ اس کے بعد مشرکین خائف ہوگئے اور
ان سے دور ہوگئے اور انہوں نے سنا کہ ایک منادی آسمان پر ندا کر رہا ہے۔

"لافتیٰ الا علی، لاسیف الا ذوالفقار"

(تفسیر قمی-ج۱-ص۱۲۲)

ہفتم : عالمِ نبیل قطب راوندی نے کتاب "خرائج" میں روایت کی ہے کہ
جنگِ احد میں امیرالمومنین علیہ السلام کے بدن پر چالیس زخم لگے۔ پس رسولِ

خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے دہانِ مبارک میں پانی لیا اور ان زخموں پر
چھڑکا۔ اس کے بعد گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ جناب امیرالمومنینؑ کے بدن پر کوئی
زخم ہی نہ تھا۔(بحار الانوار-ج۲۰-ص۷۸)

ہشتم : رشید الدین محمد بن شہر آشوب نے کتاب "مناقب" میں روایت کی ہے
کہ احد کے دن حضرت علی علیہ السلام کو سولہ ضربتیں اس وقت لگیں جب کہ
آپؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے ہو کر مشرکین کو آنحضرتؐ
سے دور کر رہے تھے۔ آپؑ ہر ضربت کے لگنے کی وجہ سے زمین پر تشریف لے
آتے تھے اور آپؑ کو جبرائیل آکر اٹھاتے تھے۔(مناقب-ج۲-ص۲۴۰)

نہم : نیز اسی جگہ (کتابِ مناقب) میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے
روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا : جنگِ احد کے دن مجھے سولہ ضربتیں
لگیں جن میں سے چار ضربتوں کی وجہ سے میں زمین پر گر پڑا۔ پس ایک خوب رو
پاکیزہ بو آدمی میرے پاس آیا اور اس نے میرے بازو کو پکڑا اور مجھے اٹھایا اور مجھ
سے کہا : ان مشرکین پر حملہ کیجئے کیونکہ آپؑ خداوندِ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ
کی اطاعت میں لڑ رہے ہیں اور وہ دونوں آپؑ سے راضی ہیں۔ پھر میں پیغمبر صلی
اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آیا اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا انہیں بتایا۔ آنحضرتؐ
نے فرمایا : خدا آپؑ کی آنکھوں کو روشن رکھے وہ آدمی جبرئیلؑ تھے۔

(مناقب-ج۲-ص۲۴۰)

دہم : امین الاسلام شیخ طبرسی نے "مجمع البیان" میں معتبر سند کے ساتھ حذیفہ
سے روایت کی ہے کہ جنگِ خندق کے دن عمرو بن عبدود گھوڑے سے نیچے اترا
اور اس نے شمشیر کو نیام سے کھینچا۔ گویا وہ آگ کا ایک شعلہ تھی۔ پھر غضب

فرمایا :

"اس نے مجھے یہ ضربت لگائی اور آپؑ نے اپنے سرِ مبارک کی طرف اشارہ کیا۔۔۔" (اختصاص۔ص۱۶۷، خصال۔ص۳۶۸)

پنجم : شیخ طبرسی قدس سرہ نے تفسیر "مجمع البیان" میں روایت کی ہے کہ لوگ جنگِ احد کے دن علی علیہ السلام کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں لائے کہ آپؑ کے بدن شریف پر ساٹھ سے زیادہ زخم تھے جو نیزے، شمشیر اور تیر کے تھے۔ پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو ان زخموں پر ملا تو وہ زخم خدا تعالیٰ کے اذن سے اس طرح مٹ گئے کہ گویا کوئی زخم ہی نہ تھا۔ (مجمع البیان۔ج۱۔ص۵۰۹۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴۰ کے ضمن میں)

ششم : جلیلِ مقدم علی بن ابراہیم قمی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں جنگ احد کے قصہ کے ضمن میں معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے تمام اصحاب فرار ہوگئے اور امیرالمومنین علیہ السلام ان مشرکین کے ساتھ مسلسل برسرِپیکار رہے۔ یہاں تک کہ آپؑ کے روئے مبارک، سر و سینہ، شکم، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں پر نوّے زخم لگے۔ اس کے بعد مشرکین خائف ہوگئے اور ان سے دور ہوگئے اور انہوں نے سنا کہ ایک منادی آسمان پر ندا کر رہا ہے۔

"لا فتیٰ الا علی، لا سیف الا ذوالفقار"

(تفسیر قمی۔ج۱۔ص۱۲۲)

ہفتم : عالمِ نبیل قطب راوندی نے کتاب "خرائج" میں روایت کی ہے کہ جنگِ احد میں امیرالمومنین علیہ السلام کے بدن پر چالیس زخم لگے۔ پس رسولِ

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہانِ مبارک میں پانی لیا اور ان زخموں پر چھڑکا۔ اس کے بعد گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ جناب امیرالمومنینؑ کے بدن پر کوئی زخم ہی نہ تھا۔ (بحار الانوار۔ج۲۰۔ص۷۸)

ہشتم : رشید الدین محمد بن شہر آشوب نے کتاب "مناقب" میں روایت کی ہے کہ احد کے دن حضرت علی علیہ السلام کو سولہ ضربتیں اس وقت لگیں جب کہ آپؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوکر مشرکین کو آنحضرتؐ سے دور کر رہے تھے۔ آپؑ ہر ضربت کے لگنے کی وجہ سے زمین پر تشریف لے آتے تھے اور آپؑ کو جبرائیل آکر اٹھاتے تھے۔ (مناقب۔ج۲۔ص۲۴۰)

نہم : نیز اسی جگہ (کتابِ مناقب) میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا : جنگِ احد کے دن مجھے سولہ ضربتیں لگیں جن میں سے چار ضربتوں کی وجہ سے میں زمین پر گر پڑا۔ پس ایک خوب رو پاکیزہ بو آدمی میرے پاس آیا اور اس نے میرے بازو کو پکڑا اور مجھے اٹھایا اور مجھ سے کہا : ان مشرکین پر حملہ کیجئے کیونکہ آپؑ خداوندِ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں لڑ رہے ہیں اور وہ دونوں آپؑ سے راضی ہیں۔ پھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا انہیں بتایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : خدا آپؑ کی آنکھوں کو روشن رکھے وہ آدمی جبرئیلؑ تھے۔

(مناقب۔ج۲۔ص۲۴۰)

دہم : امین الاسلام شیخ طبرسی نے "مجمع البیان" میں معتبر سند کے ساتھ حذیفہ سے روایت کی ہے کہ جنگِ خندق کے دن عمرو بن عبدود گھوڑے سے نیچے اترا اور اس نے شمشیر کو نیام سے کھینچا۔ گویا وہ آگ کا ایک شعلہ تھی۔ پھر غضب

آلود ہو کر علی علیہ السلام کی طرف بڑھا۔ حضرتؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے آپؑ کے سر پر سپر تھی۔ عمرو نے آپؑ کے سر پر ایک ضربت ماری' سپر دو ٹکڑے ہو گئی اور تلوار سپر سے نکلتی ہوئی آپؑ کے سرِ مبارک پر لگی اور سر کو مجروح کردیا۔

(مجمع البیان۔ ج۴۔ ص ۳۴۳)

یازدہم : علی بن ابراہیم قمی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کے قریب قریب ایک روایت ذکر کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے جب عمرو کو قتل کرلیا تو اس کے بعد اس کا سر کاٹا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ عمرو کی ضربت کی وجہ سے آپؑ کے سرِ مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور قتلِ عمرو کی وجہ سے آپؑ کی شمشیر سے اس کا خون ٹپک رہا تھا۔ (تفسیرِ قمی۔ ج۲۔ ص ۱۸۴۔۱۸۵)

دوازدہم : نیز ابنِ شہر آشوب نے کتاب "مناقب" میں روایت کی ہے کہ جنگِ خندق میں امیرالمومنین علیہ السلام کا سرِ مبارک عمرو بن عبدود کی ضربت کی وجہ سے مجروح ہوا۔ آپؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہؐ نے اس زخم پر پٹی باندھی اور اس پر دم کیا۔ پس وہ زخم مندمل ہو گیا اور آپؑ نے فرمایا : میں اس وقت کہاں ہوں گا جب کہ یہ اس کے ساتھ رنگ جائے گی؟" (بحار الانوار۔ ج۴۲۔ ص ۱۹۵ نقل از مناقب) (یعنی حضرت علی علیہ السلام کے محاسن یا رخسار خونِ سر سے رنگے ہو جائیں گے۔ اور یہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے ابنِ ملجم کی ضربت سے مجروح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔)

سیزدہم : شیخ طوسی کے فرزند ابو علی نے اپنی "امالی" میں حضرت رضا علیہ

السلام سے اور انہوں نے اپنے آباءِ کرام سے اور انہوں نے حضرت سجاد علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے ایک حدیث میں جو اپنے جدِّ بزرگوار جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی کیفیتِ شہادت کے ضمن میں بیان فرمائی' فرمایا : ابنِ ملجم کی ضربت آپؑ کو ایسی حالت میں لگی جب کہ آپؑ سجدہ میں تھے اور آپؑ کے سرِ مبارک پر وہ ضربت اسی جگہ لگی جہاں کہ پہلے ایک ضربت کا نشان تھا۔ (امالیٔ طوسی۔ ج۱۔ ص ۳۷۵)

چہاردہم : ابنِ شہر آشوب نے اپنی کتاب "مناقب" میں ابان بن عثمان کی کتاب سے نقل کیا ہے اور ابان نے روایت کی ہے کہ جنگِ احد میں امیرالمومنینؑ کے بدن پر ساٹھ سے زیادہ زخم لگے۔ پس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امِّ سلیم اور امِّ عطیہ کو حکم دیا کہ وہ دونوں ان زخموں کا علاج کریں۔ ان دونوں نے عرض کی کہ ہمیں ان کا خدشہ ہے۔ (یعنی ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں یہ زخم جنابؑ کی موت کا سبب نہ ہو جائیں۔) پس پیغمبرؐ اور باقی مسلمان آپؑ کے پاس ایسی حالت میں آئے کہ آپؑ کے جسمِ مبارک پر ایک بہت بڑا زخم بنا ہوا تھا۔ (یعنی زخموں کے ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے گویا ایک زخم محسوب ہوتا تھا۔) پس سرکارِ رسالت اپنے دستِ مبارک کو ان زخموں پر ملتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس شخص نے راہِ خدا میں اس قسم کے مصائب دیکھے تو اس نے اپنے اور خداوندِ عالم کے درمیان نیکی اور احسان کو انتہا تک پہنچا دیا اور اپنے عذر کو تمام کردیا۔ پس وہ تمام زخم مندمل ہو گئے۔

(مناقب۔ ج۲۔ ص ۱۱۹)

مؤلف فرماتے ہیں کہ جنگِ احد میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے

آلود ہو کر علی علیہ السلام کی طرف بڑھا۔ حضرتؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے آپؑ کے سر پر سپر تھی۔ عمرو نے آپؑ کے سر پر ایک ضربت ماری، سپر دو ٹکڑے ہو گئی اور تلوار سپر سے نکلتی ہوئی آپؑ کے سرِ مبارک پر لگی اور سر کو مجروح کر دیا۔

(مجمع البیان۔ ج ۴۔ ص ۳۴۳)

یازدہم : علی بن ابراہیم قمی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اسی روایت کے قریب قریب ایک روایت ذکر کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے جب عمرو کو قتل کر لیا تو اس کے بعد اس کا سر کاٹا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ عمرو کی ضربت کی وجہ سے آپؑ کے سرِ مبارک سے خون بہہ رہا تھا اور قتلِ عمرو کی وجہ سے آپؑ کی شمشیر سے اس کا خون ٹپک رہا تھا۔ (تفسیرِ قمی۔ ج ۲۔ ص ۱۸۴۔۱۸۵)

دوازدہم : نیز ابنِ شہر آشوب نے کتاب "مناقب" میں روایت کی ہے کہ جنگِ خندق میں امیرالمومنین علیہ السلام کا سرِ مبارک عمرو بن عبدود کی ضربت کی وجہ سے مجروح ہوا۔ آپؑ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہؐ نے اس زخم پر پٹی باندھی اور اس پر دم کیا۔ پس وہ زخم مندمل ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا : میں اس وقت کہاں ہوں گا جب کہ یہ اس کے ساتھ رنگ جائے گی؟" (بحارالانوار۔ ج ۴۲۔ ص ۱۹۵ نقل از مناقب) (یعنی حضرت علی علیہ السلام کے محاسن یا رخسار خونِ سر سے رنگے ہو جائیں گے۔ اور یہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے ابنِ ملجم کی ضربت سے مجروح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔)

سیزدہم : شیخ طوسی کے فرزند ابو علی نے اپنی "امالی" میں حضرت رضا علیہ

السلام سے اور انہوں نے اپنے آباء کرام سے اور انہوں نے حضرت سجاد علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے ایک حدیث میں جو اپنے جدِّ بزرگوار جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی کیفیتِ شہادت کے ضمن میں بیان فرمائی، فرمایا : ابنِ ملجم کی ضربت آپؑ کو ایسی حالت میں لگی جب کہ آپؑ سجدہ میں تھے اور آپؑ کے سرِ مبارک پر وہ ضربت اسی جگہ لگی جہاں کہ پہلے ایک ضربت کا نشان تھا۔ (امالیٔ طوسی۔ ج ۱۔ ص ۳۷۵)

چہاردہم : ابنِ شہر آشوب نے اپنی کتاب "مناقب" میں ابان بن عثمان کی کتاب سے نقل کیا ہے اور ابان نے روایت کی ہے کہ جنگِ احد میں امیرالمومنینؑ کے بدن پر ساٹھ سے زیادہ زخم لگے۔ پس پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امّ سلیم اور امّ عطیہ کو حکم دیا کہ وہ دونوں ان زخموں کا علاج کریں۔ ان دونوں نے عرض کی کہ ہمیں ان کا خدشہ ہے۔ (یعنی ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں یہ زخم جنابؑ کی موت کا سبب نہ ہو جائیں۔) پس پیغمبرؐ اور باقی مسلمان آپؑ کے پاس ایسی حالت میں آئے کہ آپؑ کے جسمِ مبارک پر ایک بہت بڑا زخم بنا ہوا تھا۔ (یعنی زخموں کے ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے گویا ایک زخم محسوب ہوتا تھا۔) پس سرکارِ رسالت اپنے دستِ مبارک کو ان زخموں پر ملتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس شخص نے راہِ خدا میں اس قسم کے مصائب دیکھے تو اس نے اپنے اور خداوندِ عالم کے درمیان نیکی اور احسان کو انتہا تک پہنچا دیا اور اپنے عذر کو تمام کر دیا۔ پس وہ تمام زخم مندمل ہو گئے۔

(مناقب۔ ج ۲۔ ص ۱۱۹)

مؤلف فرماتے ہیں کہ جنگِ احد میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے

زخموں کی تعداد میں جو اختلاف ہے اس طرح جمع ہونے کے قابل ہے جس سے
اخبار میں کوئی اختلاف نہ رہے اور اس کا اپنے محل پر ذکر کیا جانا ضروری ہے۔
پانزدہم : وہ مشہور و معروف روایت جو ایامِ قدیم میں محلِ گفتگو تھی اور اس کا
ماحصل (چونکہ اس روایت کا اصلی ماخذ اس وقت نظر میں نہیں ہے اس لئے
اس کا ماحصل لکھا جاتا ہے) یہ ہے کہ کسی جنگ میں (ظاہراً جنگِ صفین میں)
جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے پائے مبارک میں ایک تیر ایسے پیوست ہوگیا
کہ اس کا نکالنا حضور کے وجودِ مبارک کے لئے زیادہ رنج و تکلیف کا باعث تھا۔
پس لوگوں نے وہ تیر نماز کی حالت میں نکالا۔ جب آپؑ کے نفسِ مقدسہ کی بدن
کی طرف کوئی توجہ نہ ہوتی تھی۔

اور جو کلام شیخ اجل مفید نے کتابِ ارشاد میں فرمایا ہے (امیرالمومنین علیہ
السلام کو کسی جنگ میں کوئی زخم اور ضربت نہیں لگی) اور جو خبر مذکور ہے (جو شیخ
شاذان نے کتاب فضائل میں نقل کی ہے جس میں جناب امیرالمومنین علیہ
السلام کی ولادت کے وقت حوا اور مریم علیہما السلام کا آنا اور جناب ابوطالب
کے ساتھ ان کا گفتگو کرنا مذکور ہے) ان دونوں کے ظاہر کو باور نہ کرنے کے لئے
اس قدر اخبارِ صریحہ کافی ہیں جن کو اعیانِ علماء فن نے نقل کیا ہے۔ پس ناچار
ان دونوں کے کلام کی تاویل کرنا چاہئے کہ یہاں جن زخموں کی نفی کی گئی ہے ان
سے مراد وہ زخم ہیں جو قوتِ قلب اور شجاعت کے منافی ہوں۔ جیسے وہ زخم جو پسِ
پشت ہوتے ہیں جو کہ صاحبِ زخم کے میدانِ جنگ سے فرار کرنے کی علامت
ہوتے ہیں' یا ان سے مراد وہ زخم ہیں جن سے بدن میں کوئی نقص یا عیب پیدا ہوتا
ہے اور عام طور پر اس قسم کے زخم والے آدمی کا کوئی مخصوص نام پڑ جاتا ہے'

جیسے ''اعلم'' اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کا بالائی لب کٹا اور ''اثرم'' اسے جس
کا دانت ٹوٹا ہوا ہو اور ''اقصم'' اس کو جس کے سامنے والے دانت ٹوٹے ہوئے
ہوں اور ''اشتر'' اسے جس کی آنکھ کی زیریں پلک منقلب ہو اور ''اخرم'' جس کی
ناک کی ایک طرف کٹی ہوئی ہو اور ''اعور'' وہ جس کی ایک آنکھ کور ہو اور
''اعمیٰ'' وہ جس کی دونوں آنکھیں کور ہوں اور اس قسم کے اور بھی بہت سے نام
ہیں اور غور کرنے والے آدمی کے لئے شاید اس قسم کی اور بھی تاویلات پیدا
ہوسکیں۔

باقی رہی کتاب ''فضائل'' کی خبر تو پوشیدہ نہ رہے کہ اس کتاب کے مؤلف
اگرچہ بڑے علماء میں سے ہیں لیکن ظاہراً انہوں نے یہ کتاب اپنی عمر کے اوائل
میں لکھی ہے اس لئے یقین کرنے اور حکم لگانے کے قابل نہیں۔ اور اس کتاب
میں بہت سے عجیب و غریب اخبار پائے ہیں۔ اسی واسطے اساتذۂ فن اس پر
چنداں اعتماد نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ اس خبرِ مذکور کے متن میں ایک بہت بڑا
عیب ہے جو خبر کا اعتبار ختم کرتا ہے اور وہ یہ کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی
ولادت کا تمام قصہ اور جنابِ فاطمہ بنت اسد کی اعانت کے لئے ان معظم خواتین
(حوا و مریم وغیرہما) کا تشریف لانا اور جناب کے تمام کرامات اور ان خواتین کے
ساتھ جناب ابوطالبؑ کا گفتگو کرنا مولفِ کتابِ فضائل نے ان تمام باتوں کا
جناب ابوطالبؑ کے گھر ہونا نقل کیا ہے اور یہ چیز ان کثیر اخبار' علماء اخیار کی
نص اور تمام زمانوں میں جو مضامین' خطبے اور اشعار پڑھے جاتے رہے ہیں' جن
سے یہ ثابت ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کعبہ کے
اندر ہوئی کے مخالف ہے اور کعبہ کے اندر ولادت کا ہونا آنجنابؑ کے ان

زخموں کی تعداد میں جو اختلاف ہے اس طرح جمع ہونے کے قابل ہے جس سے اخبار میں کوئی اختلاف نہ رہے اور اس کا اپنے محل پر ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

پانزدہم : وہ مشہور و معروف روایت جو ایامِ قدیم میں محلِ گفتگو تھی اور اس کا ما حصل (چونکہ اس روایت کا اصلی ماخذ اس وقت نظر میں نہیں ہے اس لئے اس کا ما حصل لکھا جاتا ہے) یہ ہے کہ کسی جنگ میں (ظاہراً جنگِ صفین میں) جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے پائے مبارک میں ایک تیر ایسے پیوست ہوگیا کہ اس کا نکالنا حضور کے وجودِ مبارک کے لئے زیادہ رنج و تکلیف کا باعث تھا۔ پس لوگوں نے وہ تیر نماز کی حالت میں نکالا۔ جب آپؑ کے نفسِ مقدسہ کی بدن کی طرف کوئی توجہ نہ ہوتی تھی۔

اور جو کلام شیخِ اجل مفید نے کتابِ ارشاد میں فرمایا ہے (امیرالمومنین علیہ السلام کو کسی جنگ میں کوئی زخم اور ضربت نہیں لگی) اور جو خبر مذکور ہے (جو شیخ شاذان نے کتاب فضائل میں نقل کی ہے جس میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادت کے وقت حوا اور مریم علیہما السلام کا آنا اور جناب ابوطالب کے ساتھ ان کا گفتگو کرنا مذکور ہے) ان دونوں کے ظاہر کو باور نہ کرنے کے لئے اس قدر اخبارِ صریحہ کافی ہیں جن کو اعیانِ علماء فن نے نقل کیا ہے۔ پس ناچار ان دونوں کے کلام کی تاویل کرنا چاہئے کہ یہاں جن زخموں کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد وہ زخم ہیں جو قوتِ قلب اور شجاعت کے منافی ہوں۔ جیسے وہ زخم جو پسِ پشت ہوتے ہیں جو کہ صاحبِ زخم کے میدانِ جنگ سے فرار کرنے کی علامت ہوتے ہیں، یا ان سے مراد وہ زخم ہیں جن سے بدن میں کوئی نقص یا عیب پیدا ہوتا ہے اور عام طور پر اس قسم کے زخم والے آدمی کا کوئی مخصوص نام پڑ جاتا ہے،

جیسے "اعلم" اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کا بالائی لب کٹا اور "اثرم" اسے جس کا دانت ٹوٹا ہوا ہو اور "اقصم" اس کو جس کے سامنے والے دانت ٹوٹے ہوئے ہوں اور "اشتر" اسے جس کی آنکھ کی زیریں پلک منقلب ہو اور "اخرم" جس کی ناک کی ایک طرف کٹی ہوئی ہو اور "اعور" وہ جس کی ایک آنکھ کور ہو اور "اعمیٰ" وہ جس کی دونوں آنکھیں کور ہوں اور اس قسم کے اور بھی بہت سے نام ہیں اور غور کرنے والے آدمی کے لئے شاید اس قسم کی اور بھی تاویلات پیدا ہو سکیں۔

باقی رہی کتاب "فضائل" کی خبر تو پوشیدہ نہ رہے کہ اس کتاب کے مؤلف اگرچہ بڑے علماء میں سے ہیں لیکن ظاہراً انہوں نے یہ کتاب اپنی عمر کے اوائل میں لکھی ہے اس لئے یقین کرنے اور حکم لگانے کے قابل نہیں۔ اور اس کتاب میں بہت سے عجیب و غریب اخبار پائے ہیں۔ اسی واسطے اساتذۂ فن اس پر چنداں اعتماد نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ اس خبرِ مذکور کے متن میں ایک بہت بڑا عیب ہے جو خبر کا اعتبار ختم کرتا ہے اور وہ یہ کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادت کا تمام قصہ اور جنابِ فاطمہ بنت اسد کی اعانت کے لئے ان معظم خواتین (حوا و مریم وغیرہما) کا تشریف لانا اور جناب کے تمام کرامات اور ان خواتین کے ساتھ جناب ابوطالبؑ کا گفتگو کرنا مولفِ کتابِ فضائل نے ان تمام باتوں کا جناب ابوطالبؑ کے گھر ہونا نقل کیا ہے اور یہ چیز ان کثیر اخبار، علماء اخیار کی نص اور تمام زمانوں میں جو مضامین، خطبے اور اشعار پڑھے جاتے رہے ہیں، جن سے یہ ثابت ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کعبہ کے اندر ہوئی کے مخالف ہے اور کعبہ کے اندر ولادت کا ہونا آنجنابؑ کے ان

خصائص میں سے ہے جو کہ انبیاء و اوصیاء میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس فضیلت و خصوصیت میں آپؑ کا کوئی شریک ہے اور بعید نہیں کہ یہ چیز ضروریاتِ مذہبِ امامیہ میں سے ہو جس کی بنا پر ہم فخر کرتے ہیں۔ پس جب اس روایت کی اصل ہی درست نہ ہو تو فرع کے لئے کوئی مقام باقی نہ رہا، چہ جائیکہ اس کے ذریعہ تمام قابل اعتماد اخبار کی مخالفت کی جائے۔

دوسرا نمونہ

(کیا اہلِ بیتؑ شام سے کربلا واپس آئے؟)

سیدِ جلیل علی بن طاؤس قدس اللہ سرہ نے کتاب "لھوف" کے اواخر میں فرمایا ہے۔

"ولما رجع نساء الحسین علیہ السلام و عیالہ من الشام وبلغوا العراق قالوا للدلیل مر بنا علی طریق کربلا، فوصلوا الیٰ موضع المصرع فوجدوا جابر بن عبداللہ الانصاری رحمہ اللہ و جماعۃ من بنی ہاشم و رجالا من آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قد ورد والزیارۃ قبر الحسین علیہ السلام، فوافوا فی وقتٍ واحدٍ، وتلاقوا بالبکاء والحزن واللطم، واقاموا الماتم المقرحۃ للاکباد، واجتمع الیھم نساء ذالک السواد فاقاموا علیٰ ذالک ایاما۔"

حاصلِ ترجمہ یہ ہے کہ :

"جب سید الشہداء علیہ السلام کے اہل و عیال شام سے واپسی پر عراق پہنچے تو انہوں نے راہ نما (نعمان بن بشیر) سے کہا کہ ہمیں کربلا کے راستہ سے لے جا۔ پس وہ سب مقتلِ شہداء میں پہنچے تو وہاں جابر بن عبداللہ الانصاری رحمہ اللہ اور بنی ہاشم کا ایک گروہ اور اولادِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے کچھ لوگوں کو پایا۔ جو کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لئے آئے تھے۔ یہ سب لوگ ایک ہی وقت میں پہنچے، سب کی ملاقات ہوئی اور سب رونے پیٹنے میں مشغول ہوئے۔ انہوں نے جگر سوز ماتم برپا کیا اور ان کے پاس اطرافِ کربلا سے قبائلِ عرب کی عورتیں تعزیہ داری کے لئے آئیں اور وہاں کئی دن تعزیہ داری میں مشغول رہیں۔" (لہوف۔ ص ۸۲)

اسی عبارت کو مختصراً جعفر بن نما علیہ الرحمہ نے کتاب "مثیر الاحزان" میں ذکر کیا ہے۔ (مثیر الاحزان۔ ص ۱۰۷) یہ کتاب سید ابن طاؤس کی وفات کے چوبیس سال بعد تالیف کی گئی ہے۔

(سید بن طاؤس کے نظریہ کا جائزہ)

پس ہم کہتے ہیں کہ سیدِ معظم مذکور (سیدِ جلیل علی بن طاؤس قدس سرہ) تمام علمائے اعلام کے نزدیک جلیل القدر، عظیم الشان، صاحبِ کراماتِ باہرہ و مناقبِ فاخرہ ہیں اور ان کی مؤلفات و تصانیف اساتذہ و اربابِ فن کے نزدیک مقبول و مطبوع ہیں۔ لیکن متدبّر منصف پر یہ بات مخفی نہیں کہ بزرگانِ دین کی مؤلفات چاہے وہ فکری و نظری مسائل سے مربوط ہوں، چاہے معلومات،

خصائص میں سے ہے جو کہ انبیاء واوصیاء میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اس فضیلت و خصوصیت میں آپؑ کا کوئی شریک ہے اور بعید نہیں کہ یہ چیز ضروریاتِ مذہبِ امامیہ میں سے ہو جس کی بنا پر ہم فخر کرتے ہیں۔ پس جب اس روایت کی اصل ہی درست نہ ہو تو فرع کے لئے کوئی مقام باقی نہ رہا' چہ جائیکہ اس کے ذریعہ تمام قابلِ اعتماد اخبار کی مخالفت کی جائے۔

دوسرا نمونہ

(کیا اہلِ بیتؑ شام سے کربلا واپس آئے؟)

سیدِ جلیل علی بن طاؤس قدس اللہ سرہ نے کتاب "لھوف" کے اواخر میں فرمایا ہے۔

"ولما رجع نساء الحسين عليه السلام وعياله من الشام وبلغوا العراق قالوا للدليل مر بنا على طريق كربلا' فوصلوا الى موضع المصرع فوجدوا جابر بن عبدالله الانصاري رحمه الله وجماعة من بني هاشم ورجالا من آل رسول الله صلى الله عليه واله قد ورد والزيارة قبر الحسين عليه السلام' فوافوا في وقتٍ واحدٍ' وتلاقوا بالبكاء والحزن واللطم' واقاموا الماتم المقرحة للاكباد' واجتمع اليهم نساء ذالك السواد فاقاموا على ذالك اياما۔"

حاصلِ ترجمہ یہ ہے کہ :

"جب سید الشہداء علیہ السلام کے اہل و عیال شام سے واپسی پر عراق پہنچے تو انہوں نے راہ نما (نعمان بن بشیر) سے کہا کہ ہمیں کربلا کے راستہ سے لے جا۔ پس وہ سب مقتلِ شہداء میں پہنچے تو وہاں جابر بن عبداللہ الانصاری رحمہ اللہ اور بنی ہاشم کا ایک گروہ اور اولادِ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سے کچھ لوگوں کو پایا۔ جو کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے لئے آئے تھے۔ یہ سب لوگ ایک ہی وقت میں پہنچے' سب کی ملاقات ہوئی اور سب رونے پیٹنے میں مشغول ہوئے۔ انہوں نے جگر سوز ماتم برپا کیا اور ان کے پاس اطرافِ کربلا سے قبائلِ عرب کی عورتیں تعزیہ داری کے لئے آئیں اور وہاں کئی دن تعزیہ داری میں مشغول رہیں۔" (لہوف۔ ص ۸۲)

اسی عبارت کو مختصراً جعفر بن نما علیہ الرحمہ نے کتاب "مثیر الاحزان" میں ذکر کیا ہے۔ (مثیر الاحزان۔ ص ۱۰۷) یہ کتاب سید ابن طاؤس کی وفات کے چوبیس سال بعد تالیف کی گئی ہے۔

(سید بن طاؤس کے نظریہ کا جائزہ)

پس ہم کہتے ہیں کہ سیدِ معظم مذکور (سیدِ جلیل علی بن طاؤس قدس سرہ) تمام علمائے اعلام کے نزدیک جلیل القدر' عظیم الشان' صاحبِ کراماتِ باہرہ و مناقبِ فاخرہ ہیں اور ان کی مؤلفات و تصانیف اساتذہ و اربابِ فن کے نزدیک مقبول و مطبوع ہیں۔ لیکن متدبّر منصف پر یہ بات مخفی نہیں کہ بزرگانِ دین کی مؤلفات چاہے وہ فکری و نظری مسائل سے مربوط ہوں' چاہے معلومات'

اطلاعات، اخبار و روایت پر مشتمل۔ یہ تمام کی تمام مئولفات اور تصانیف ان مئولفین کی عمر کے اعتبار سے ایک ہی طرح اور نظم و ترتیب کی نہیں ہوتیں۔ مثلاً وہ کتاب جو مئولفین اوائلِ تحصیلِ علم اور آغازِ شباب میں لکھتے ہیں عام طور پر ان کی اس کتاب سے جسے وہ ایامِ تکمیل اور اواخرِ عمر میں تالیف کرتے ہیں، پختگی، تحریر اور جامعیت میں مشابہت نہیں رکھتی۔ اگرچہ جب بھی کوئی کتاب کسی عالم کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اس وقت یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ انہوں نے یہ کتاب اپنی اس جلالت اور بزرگی کے زمانہ میں تالیف کی ہوگی جس تک وہ ماہ و سال گزرنے کے بعد تدریجاً پہنچے تھے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اور یہ بات اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو مئولفین کی ان مئولفات کو دیکھتا ہے جو انہوں نے اپنی اوائلِ عمر میں تالیف کیں اور جو اواخرِ عمر میں لکھی ہیں اور سیدِ جلیل مذکور نے کتاب "لہوف" کو اپنی عمر کے اوائل میں تالیف فرمایا ہے۔ اور ہمارے اس دعویٰ پر دو چیزیں شاہد ہیں۔

اول یہ کہ : سیدِ مذکور کا اپنی ان تمام مئولفات میں، جو موجود ہیں اور جن سے علماء روایات کو نقل کرتے ہیں، یہ طریقہ رہا ہے کہ انہیں جس قدر میسر ہو سکا اور روایات سے واقفیت تھی انہوں نے ان کے ماخذ نقل کئے اور ان کی سند کا ذکر کیا۔ مگر اس کتاب (لہوف) اور کتاب "مصباح الزائر" میں ان کی اس سیرت کے خلاف ہوا۔ کیونکہ انہوں نے ان دونوں کتابوں میں ماخذ اور سند کو ذکر نہیں کیا۔ اور اس کی اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان دونوں کتابوں کی تالیف کے ایام میں ابھی وہ پختہ نہیں ہوئے تھے اور ان کی اطلاعات بھی کم تھیں۔ ان کی ایک تالیف جو "لہوف" سے بھی زیادہ مختصر ہے، جیسے "مجتنیٰ" اس

کتاب میں کوئی ایسی نقل نہیں جس کا ماخذ ذکر نہ کیا ہو اور جو غیر مستند ہو۔ پس اگر اس کتاب "لہوف" میں نقل شدہ روایات پر کوئی اعتراض بھی ہو تو یہ چیز ان کی بزرگی، مقام، زیادتیِ علم اور احادیث و آثار پر ان کی کثرتِ اطلاع کے منافی نہیں کیونکہ انہیں یہ مقام و منزلت ان دو کتابوں کی تالیف کے بعد حاصل ہوئی۔

دوم یہ کہ : سیدِ معظم مذکور نے کتاب "اجازات" میں جہاں اپنی مولفات کو ذکر کیا ہے تو وہاں یہ تصریح کی ہے کہ۔

"میں نے کتاب مصباح الزائر اوائلِ عمر میں لکھی ہے۔"

(بحار الانوار۔ ج ۱۰۷۔ ص ۳۹)

اور انہوں نے کتاب "لہوف" کے اول میں فرمایا ہے کہ۔

"میں نے "مصباح الزائر" تحریر کی ہے۔ اگر کسی زائر کے پاس یہ ہو تو اسے زیارت کی کسی چھوٹی یا بڑی کتاب کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ چاہا کہ جب زائر زیارتِ عاشورا کے لئے مشرف ہو تو اپنے ساتھ کوئی مقتل نہ لے جائے۔ اس لئے میں نے زوار کی تنگیِ وقت کے مناسب اس مختصر کتاب کو مقتل میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے ساتھ منضم ہو جائے۔" (لہوف۔ ص ۶)

یہ کلام واضح کرتا ہے کہ "لہوف" کو "مصباح الزائر" کے متمم کے طور پر تحریر کیا ہے اور یہ اوائلِ عمر میں تالیف کی گئی ہے اور یہ بات اس کتاب میں سید کی دوسری کتب کی مانند پختگی نہ پائے جانے کی وجہ کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔

اور جب یہ مقدمہ واضح ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ جس طرح سید مذکور نے

کتاب "لہوف" میں ذکر کیا ہے کہ اہلِ بیتؑ کا اربعین کو کربلا معلیٰ میں پہنچنا بہت
سے امور، متعدد اخبار اور علماء اخیار میں سے ایک جماعت کی تصریح کے منافی
ہے۔ ہم اس کی جانب اختصار سے کام لے کر اشارہ کر رہے ہیں۔

اول یہ کہ : خود سید معظم مذکور کچھ مدت کے بعد اس روایت کی بعض
خرابیوں کی طرف متوجہ ہوئے، جو انہوں نے اس مجہول راوی سے نقل کی ہے۔
اسی لئے انہوں نے کتاب "اقبال" میں بیس صفر کے اعمال کو لکھتے ہوئے اس
روایت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد جو انہوں نے سابقاً کتاب "لہوف" میں
لکھی ہے فرمایا ہے کہ یہ چیز (اہلِ بیتؑ کا اربعین کو کربلا میں پہنچنا) بعید ہے۔
کیونکہ عبید اللہ ابنِ زیاد نے یزید کو واقعۂ کربلا کے بارے میں تحریر کیا اور اہلِ
بیت علیہم السلام کو شام بھیجنے کے لئے اس سے اجازت طلب کی اور جواب آنے
سے پہلے انہیں شام کی طرف نہ بھیجا۔ اور یہ کہ اس عمل (یعنی خط لکھنا اور یزید
کا جواب آنا) کے لئے تقریباً بیس روز یا اس سے زیادہ درکار ہیں۔ اور دوسری
وجہ یہ ہے کہ جب اہلِ بیت علیہم السلام کو شام بھیجا گیا تو مروی ہے کہ پورا ایک
ماہ اہلِ بیت علیہم السلام کو ایک ایسے مکان میں رکھا گیا جو سردی اور گرمی سے
ان کی حفاظت نہیں کرتا تھا۔ اور یہ صورتِ حال اس بات کی مقتضی ہے کہ اہلِ
بیت علیہم السلام کربلا یا مدینہ میں اربعین کے بعد پہنچے ہوں۔ (اقبال - ص۵۸۹)

یہ سید مذکور کے اس کلام کا خلاصہ ہے جو آپ نے کتاب "اقبال" میں تحریر
فرمایا ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ سید مذکور نے کتاب "لہوف" میں پسرِ مرجانہ
کا یزید سے اجازت لینا اور جواب آنے کے بعد اہلِ بیت علیہم السلام کو شام بھیجنا
یہ سب کچھ ذکر کیا ہے اور اس کے باوجود اس روایت (روزِ اربعین اہلِ بیت

علیہم السلام کا کربلا میں پہنچنا اور عزاداریٔ سید الشہداء میں مشغول ہونا) کو اس
راوی سے نقل فرمایا ہے۔ یہ دونوں چیزیں ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں۔

دوم یہ کہ : فنِ حدیث کے ماہرین اور قابلِ اعتماد اہلِ سیر و تواریخ میں
سے کسی نے بھی ذکرِ مقتل کے سیاق میں اس واقع (روزِ اربعین اہلِ بیت علیہم
السلام کے کربلا میں پہنچنے) کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ حالانکہ کئی وجوہ کی بنا پر اس
کا ذکر کرنا مناسب اور محلِ اعتنا تھا۔ بلکہ ان کے سیاقِ کلام سے اس واقعہ کا انکار
معلوم ہوتا ہے۔

شیخ مفید نے کتاب "ارشاد" میں فرمایا ہے۔

"ثم امر بالنسوة ان ينزلن في دار عليحدة معهن
اخوهن علي بن الحسين عليهما السلام فافرد لهم
دار يتصل بدار يزيد، فاقاموا اياما ثم ندب النعمان بن
بشير وقال له : تجهز لتخرج بهؤلاء النسوة الى
المدينة۔ (الى ان قال) وانفذ معهم في جملة النعمان
بن بشير رسولا تقدم اليه ان يسير بهم في الليل و
يكونوا امامه حيث لا يفوتون طرفه، فاذا نزلوا
انتحى عنهم و تفرق هو واصحابه حولهم كهيئة
الحرس لهم، و ينزل منهم بحيث ان اراد انسان من
جماعتهم وضوء او قضاء حاجة لم يحتشم، فسار
معهم في جملة النعمان ولم يزل ينازلهم في الطريق
ويرفق بهم (كما وصاه يزيد) و يرعاهم حتى دخلوا

الـمـديـنـة" (ارشاد- ص۲۴۶-۲۴۷)

جتنی مقدار ہماری گفتگو سے مربوط ہے اس کا حاصلِ ترجمہ یہ ☆ ہے کہ۔

"یزید نے نعمان بن بشیر سے کہا (یہ ان دس صحابہ میں سے تھا جو معاویہ کے ساتھ تھے۔) سفر کی تیاری کرو اور ان مخدراتِ عصمت کو مدینہ پہنچا دو۔ اور اسے وصیت کی کہ رات کو چلنا اور اہلِ بیت علیہم السلام کے پیچھے پیچھے اس طرح رہنا کہ وہ تیری نظر سے اوجھل نہ ہوں اور جب وہ کسی مقام پر منزل کریں تو ان کی منزل سے دور اترنا تاکہ اگر ان میں سے کوئی وضو یا قضاء حاجت کا ارادہ کرے تو شرم میں مبتلا نہ ہو اور اس موقع پر اہلِ بیت علیہم السلام کے اردگرد نگہبانوں کی طرح پھیل جانا۔ پس اس نے یزید کی وصیت پر عمل کیا اور اہلِ بیتِ عصمت کو آرام اور مدارات کے ساتھ لے گیا۔ یہاں تک کہ اہلِ بیت علیہم السلام مدینہ میں داخل ہوئے۔"

اور ایسا نہیں ہوا کہ اہلِ بیت علیہم السلام اپنے سفر میں کربلا گئے ہوں اور جابر سے ملاقات کی ہو اور وہاں کئی دن عزاداریٔ سید الشہداء میں مشغول رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ مفید قدس سرہ نے اس روایت کو کسی قابلِ اعتماد جگہ پر نہ دیکھا ہو' یا دیکھا ہو لیکن اس مقام میں اس کی طرف اشارہ نہ کیا ہو۔ اور اسی عبارت کے قریب قریب عبارت کا ابنِ اثیر نے کتاب "کامل التواریخ" جلد ۳۔

☆ - پہلے حصے کا ترجمہ یہ ہے کہ : پس حکم دیا کہ خواتین کو ایک علیحدہ گھر میں ٹھہرایا جائے۔ ان کے بھائی امام سجادؑ بھی ان کے ساتھ تھے۔ پس یزید کے گھر سے متصل ایک گھر ان کے لئے تیار کیا گیا۔ وہاں یہ لوگ چند دن ٹھہرے اور پھر۔۔۔۔۔

صفحہ ۴۴۰ میں ذکر کیا ہے اور طبری نے اپنی تاریخ میں جو کہ معتبر تاریخوں میں سے ہے مختصراً اس باب میں گفتگو کی ہے۔ (تاریخِ طبری- ج ۴- ص ۳۵۳) اور کسی بھی جگہ پر عراق کے سفر کا تذکرہ نہیں۔

سوئم یہ کہ : شیخ مفید قدس سرہ نے کتاب "مسار الشیعة" میں وقائع ماہ صفر کے ذیل میں فرمایا ہے۔

"وفی الیوم العشرین منه کان رجوع حرم سیدنا و مولانا ابی عبدالله الحسین علیه السلام من الشام الیٰ مدینة الرسول صلی الله علیه و آله وسلم وهو الیوم الذی ورد فیه جابر بن عبدالله الانصاری' صاحب رسول الله صلی الله علیه واله وسلم من المدینة الی کربلا لزیارة (قبر) ابی عبدالله علیه السلام' وکان اول من زاره (من المسلمین) و یستحب زیارته"

"اور بیس صفر حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام کے اہلِ حرم کی شام سے مدینہ طیبہ واپسی کی تاریخ ہے اور یہ وہ دن ہے کہ جس دن جابر بن عبداللہ انصاری حضرت ابی عبداللہ الحسین علیہ السلام کی (قبر کی) زیارت کے لئے مدینہ سے کربلا پہنچے۔ اور جابر پہلے (مسلمان) زائر ہیں اور زیارت مستحب ہے۔"

اور اسی عبارت کے قریب قریب عبارت کو شیخ طوسیؒ نے کتاب "المتہجد" صفحہ ۷۳۰ میں اور علامہ حلیؒ نے کتاب "منہاج الصلاح" میں اور کفعمیؒ

نے اپنی "مصباح" کے صفحہ ۴۸۹ اور ۵۱۰ میں دو مقامات پر ذکر کیا ہے۔ عبارت کا ظاہر یہ بتاتا ہے کہ اہلِ بیت علیہم السلام نے اربعین کے دن شام سے سفر کا آغاز کیا، نہ یہ کہ روزِ اربعین مدینہ میں داخل ہوئے۔ جیسا کہ بعض علماء نے توہم کیا ہے۔ کیونکہ کسی قافلہ کا دمشق سے مدینہ ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں پہنچنا معروف نہیں ہے۔ خاص طور پر ایسا قافلہ جسے یزید کی نعمان کو دی گئی ہدایات کی روشنی میں ایک خاص اہتمام سے سفر کرنا ہو۔ نیز یہ کہ مدینہ اور شام کا درمیانی فاصلہ بھی دو سو فرسخ ہے۔ اور اگر مراد وہ ہوتی تو عبارت کو تبدیل نہ کرتے اور جابر جن کے اربعین کے روز کربلا پہنچنے میں اختلاف نہیں ان کے لئے "ورود" کا لفظ اور یہاں "رجوع" کا لفظ استعمال نہ کرتے۔ بہرحال یہ کلمات اہلِ بیتؑ کے کربلا نہ آنے پر صریح دلالت کرتے ہیں ورنہ ماہِ صفر کے واقعات میں ان کی آمد کا ذکر کئی وجوہ کی بنا پر اولیٰ ہے۔

چہارم یہ کہ : جابر کے کربلا معاً پہنچنے کی تفصیل دو معتبر کتابوں میں موجود ہے اور وہاں اہلِ بیتِ اطہارؑ کے کربلا پہنچنے اور جابر سے ملاقات کرنے کا یکسر ذکر نہیں ہے۔

⊙ - اول، شیخ جلیل القدر عماد الدین ابوالقاسم طبری آملی جو کہ شیخ طوسی کے پسر ابو علی کے شاگردوں میں سے ہیں نے کتاب "بشارة المصطفیٰ" جس کا شمار نفیس کتابوں میں ہوتا ہے میں اعمش سے سنداً روایت کی ہے اور یہ اعمش بزرگ محدثین میں سے ہیں اور انہوں نے عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی کوفی جدلی سے (یہ عطیہ بھی رواتِ امامیہ میں سے ہیں اور اہلِ سنت نے اپنی کتبِ رجال میں تصریح کی ہے کہ عطیہ راست گو تھے اور انہوں نے ۱۱۱ھ میں وفات پائی

ہے۔) ☆ روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں :

"میں جابر کے ساتھ حسین بن علی (صلوات اللہ علیہما) کی زیارت کے لئے باہر گیا۔ اس مقام پر انہوں نے جابر اور اپنے کربلا پہنچنے کی کیفیت کو بیان کیا ہے اور اس کا اجمال یہ ہے کہ جابر نے غسل کیا اور اپنے آپ کو احرامِ حج باندھنے والوں کے مشابہ بنایا اور سعد (خوشبو کی ایک قسم ہے) خوشبو لگائی۔ اور چونکہ جابر نابینا تھے لہٰذا عطیہ نے ان کا ہاتھ قبرِ مطہر تک پہنچایا۔ پس جابر بے ہوش ہوگئے، ان پر پانی چھڑکا، وہ ہوش میں آئے سوزِ دل کے ساتھ آنحضرتؑ کی خدمت میں کچھ جگر سوز کلمات عرض کئے، پھر شہداء پر سلام کیا اور اپنے آخر کلام میں عرض کیا : ہم بھی اس امر میں شریک تھے جس میں آپ داخل ہوئے۔ (یعنی مجادلہ و مقاتلہ اور خاتم الانبیاءؐ کی ذریت کی نصرت اور شہادت) عطیہ نے عرض کیا : ہم نے کوئی تکلیف نہیں اٹھائی اور نہ ہی ہم نے اعداءِ دین کو کوئی تلوار ماری۔ اور اس گروہ (شہداء) کے سردنوں سے جدا ہوئے، ان کی عورتیں بیوہ ہوئیں اور ان کے بچے یتیم ہوگئے۔ ہم اجر میں ان کے ساتھ کیسے شریک ہوسکتے ہیں؟ جواب میں جابر نے یہ حدیثِ نبویؐ ذکر کی جسے انہوں نے سرکارِ رسالتؐ سے خود سنا تھا کہ جو شخص کسی قوم کے عمل کو پسند کرے گا تو وہ اس عمل کے ثواب میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوگا۔ پھر جابر نے کہا کہ میری اور میرے ساتھیوں کی وہی

☆ - اگر کچھ لوگوں نے ان کو ضعیف کہا ہے تو اس کی وجہ ان کا تمام اصحابِ پیغمبرؐ پر حضرت علیؑ کی فضیلت کا قائل اور شیعہ ہونا ہے۔

نیت ہے جو حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کی تھی۔ پھر جابر نے
فرمایا کہ مجھے کوفہ والے گھروں کی طرف لے چلو۔ جب کچھ مسافت طے
ہوگئی تو فرمایا : اے عطیہ کیا میں تجھے کچھ وصیت کروں؟ اور مجھے یہ
گمان نہیں کہ اس سفر کے بعد تیرے ساتھ ملاقات کروں۔ پس جابر نے
عطیہ کو محبانِ آلِ محمد علیہم السلام کی دوستی اور ان کے دشمنوں کے ساتھ
دشمنی کا حکم دیا۔" (بشارۃ المصطفیٰؐ۔ ص ۷۴-۷۵)

اور اس معتبر خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر نے کربلا میں چند ساعت سے
زیادہ قیام نہیں کیا اور نہ ہی کسی سے ملاقات کی۔ اس روایت سے یہ ثابت
ہیں ہوتا کہ اہلِ بیت علیہم السلام کربلا میں آئے ہوں اور انہوں نے جابر سے
لاقات کی ہو۔ کیونکہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ عطیہ جابر کے ساتھ زیارت کے
فر کا تو ذکر کرے لیکن اہلِ بیتِ عصمت کے پہنچنے اور ان کی جابر سے ملاقات کی
طرف اشارہ بھی نہ کرے۔

⊙ - دوم، مذکورہ سیدِ جلیل طاب ثراہ نے کتاب "مصباح الزائر" میں روزِ
ربعین کے اعمال کے ذیل میں عطا سے روایت کی ہے۔ (ظاہراً یہ وہی عطیہ ہیں
ن کا گزشتہ خبر میں ذکر آیا ہے) انہوں نے کہا : میں بیسویں صفر کو جابر کے
ساتھ تھا۔ جب ہم غاضریہ پہنچے۔ یہاں عطا نے غسل، سعد اور بیہوشی کا قصہ ذکر
کیا۔ پھر جابر کے افاقہ کے بعد اس نے جابر سے وہ زیارت نقل کی ہے کہ جس
کے ذریعے جابر نے آنحضرتؐ کو سلام کیا اور وہ زیارت، زیارتِ آل اللہ کے نام
سے مشہور ہے۔ اور نیز جابر نے ایک مختصر زیارت علی بن حسین علیہما السلام کے
لئے پڑھی۔ اور نیز ایک مختصر زیارت شہداء کے لئے۔ پھر جابر ابی الفضل علیہ

السلام کی قبر کے سرہانے آئے اور زیارت کی، نماز بجا لائے اور چلے
گئے۔ (مصباح الزائر۔ ص ۱۵۱، نقل از بحار الانوار۔ ج ۱۰۱۔ ص ۳۲۹) اور اس خبر
میں بھی اس واقعہ (اہلِ بیت علیہم السلام کے کربلا پہنچنے اور جابر سے ملاقات) کی
طرف سرے سے اشارہ بھی نہیں ہے۔

لہٰذا ہمیں اس بات میں گمان نہیں کہ کوئی صاحبِ عقلِ سلیم اس بات کو
مان لے کہ حضرت سجاد علیہ السلام اس دن کربلا میں تشریف لائے ہوں۔ کیونکہ
ظاہراً اگر آپؑ تشریف لاتے تو پہلی زیارت آنجنابؑ کی ہوتی، جب کہ اس کی
طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا اور آپؑ سے کوئی زیارت اور گفتگو نقل نہیں ہوئی
اور جابر سے زیارت منقول ہے جس پر آج تک شیعہ عمل کرتے ہیں۔

پنجم یہ کہ : ابو مخنف لوط بن یحییٰ جو بزرگ محدثین میں سے ہیں، اربابِ
سیر و تواریخ کے نزدیک معتمد ہیں اور ان کا مقتل اعتبار کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا ہوا
ہے جیسا کہ بڑے بڑے قدیم علماء کے اس مقتل اور ان کی دیگر مؤلفات سے
روایات کو نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن افسوس کہ اصل مقتل جو صحیح
اور بے عیب ہے وہ لوگوں کے پاس موجود نہیں اور یہ موجودہ مقتل جس کو لوگ
ان کی طرف منسوب کرتے ہیں بعض ایسے مطالبِ منکرہ پر مشتمل ہے جو اصولِ
مذہب کے مخالف ہیں۔ البتہ ان باتوں کو بعض دشمنوں اور جہلاء نے اپنی کچھ
اغراضِ بد کی وجہ سے اس کتاب میں داخل کیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب حدِ
اعتبار و اعتماد سے گر گئی ہے۔ اور اس کے منفردات پر کوئی وثوق نہیں ہے۔ اسی
لئے ہم نے اہلِ بیت علیہم السلام کے روزِ اربعین کربلا پہنچنے کے واقعہ کو مقتلِ
ابو مخنف کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔ حالانکہ اس مقتل کی یہ عبارت

لہوف" کے قریب قریب ہے۔ عالمِ جلیل شیخ خلف آلِ عصفور نے اپنے رسالہ
ں جس میں "تیس مسائل کے جوابات" ہیں اس مقتل کے بڑے بڑے
نکرات کو اصولِ مذہب پر تطبیق دینے کے سلسلے میں کافی زحمت و مشقت اٹھائی
ہے لیکن اس رسالہ میں تامل کرنے والے پر پوشیدہ نہیں کہ تطبیق کرنے میں
وائے زحمت جھیلنے کے کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہوا۔

بہرحال اس طویل عرصہ اور زمانے میں اس مقتل کے کئی نسخے دیکھے گئے ہیں
ن میں کمی یا زیادتی پائی جاتی ہے۔ البتہ یہ سب نسخے اس بات پر متفق ہیں کہ
لِ بیتِ جلالت کو کوفہ سے تکریت، موصل، نصیبین اور حلب کے راستہ
ام لے جایا گیا۔ یہ راستہ سلطانی راستہ ہے۔ اس کا اکثر حصہ آباد ہے، بہت
سے دیہات اور بھرے پرے شہروں سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس راستہ پر کوفہ سے
ام تک تقریباً چالیس منزلیں ہیں۔

اس راستہ سے اہلِ بیتؑ کے سفر کے دوران متعدد واقعات اور بعض
رامات کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمام جعلی ہوں، بالخصوص جب
لہ ان میں سے بعض کے جعل کرنے کا کوئی محرک بھی معلوم نہیں ہوتا۔ علاوہ
زایں تمام معتبر کتب میں اس بات پر بکثرت شواہد ملتے ہیں کہ سفر کا راستہ یہی
ا۔ جیسے "قنسرین" کے گرجے کے راہب کا قصہ اور وہاں سرِ مبارک سے
رامت کا ظاہر ہونا، جیسے کہ ابنِ شہر آشوب نے اپنی "مناقب" (جلد ۴۔
ں ۶۰) میں لکھا ہے۔ (قنسرین حلب کا ایک مقام ہے جو سن ۳۵۱ھ میں روم کی
رت گری کے نتیجے میں برباد ہوا) اور یحییٰ یہودی حرانی کا قصہ، اس کا وہاں سے
گزرتے ہوئے سرِ منور سے تلاوتِ قرآن سننا اور اس کا اسلام قبول کرنا اور

شہادت، جیسے کہ فاضل متبحرِ جلیل سید جلال الدین عطاء اللہ بن السید غیاث
الدین فضل اللہ بن سید عبدالرحمٰن محدث معروف نے کتاب "روضۃ الاحباب"
میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: یحییٰ کی قبر وہاں موجود ہے اور یحییٰ شہید کے نام
سے معروف ہے۔ اور اس کے سرہانے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور حران جزیرۂ
بلاد میں فرات کے مشرقی جانب ایک شہر تھا اور وہ فرات اور دجلہ کے درمیان
ایک بلاد ہے۔ نیز حران حلب کے مضافات میں سے ایک قریہ بھی ہے۔ اور ان
دونوں میں سے ہر ایک کا امکان ہو سکتا ہے۔ روضۃ الاحباب کے مولف نے ان
منازل میں سے اکثر کا نام ذکر کیا ہے اور واقعات کو بھی نقل کیا ہے لیکن اس
بارے میں ابو مخنف کے اقوال سے اختلاف کیا ہے۔ اور عالمِ جلیلِ بصیر
عمادالدین حسن بن علی طبرسی جو خوبصورت تالیفات جیسے "اسرار الامامۃ" وغیرہ
کے مؤلف ہیں نے کتاب "کامل السقیفۃ" میں جو "کاملِ بہائی" کے نام
سے مشہور ہے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اہلِ بیت علیہم السلام نے اپنے اس
سفر (کوفہ سے شام) میں شہر آمد، موصل، نصیبین، بعلبک، میافارقین
اور شیزر کو عبور کیا۔ (کاملِ بہائی۔ ص ۲۹۱۔ ۲۹۲) شہر آمد، موصل کی طرح دجلہ
کے کنارے پر واقعہ ہے اور بعلبک شام سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع ہے
اور میافارقین دیارِ بکر کے نزدیک ہے جو بلادِ جزیرہ میں سے ہے اور شیزر شہر حماۃ
کے قریب حلب اور شام کے درمیان ہے۔

ان مقامات کے حوالے سے قصص و حکایات اور معجزات نقل کئے گئے
ہیں۔ اور شہر معرّۃ (جو حلب کے مضافات میں شامل ہے اور اس سے دو فرسخ کے
فاصلہ پر ہے) میں بعض علماء کے بقول سید الشہداء علیہ السلام کا سرِ مبارک رکھنے

کا مقام ہے اور اس منزل (معرّہ) کا ذکر اور یہ کہ وہاں کے رہنے والوں نے ابنِ زیاد کے لشکر کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ یہ تمام واقعات کتبِ مقاتل میں موجود ہیں۔ نیز ملا حسین کاشفی نے ان تمام مذکورہ منازل سے اہلِ بیت علیہم السلام کے گزرنے کے وقت جو واقعات پیش آئے انہیں کتاب "روضۃ الشہداء" میں نقل کیا ہے۔ (روضۃ الشہداء۔ ص ۳۶۷) اور اس کے بعد ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات ہیں جو اس وقت پیشِ نظر نہیں ہیں۔ اس مقام پر ہم ان میں سے ہر ایک کا ذکر کرنا اور ان کو بطورِ شاہد پیش کرنا نہیں چاہتے۔ ہر چند ان میں سے بعض نہایت اعتبار تک پہنچے ہوئے ہیں بلکہ مجموعی طور پر ان سے ایک منصف آدمی اس بات پر مکمل اطمینان حاصل کر سکتا ہے کہ اہلِ بیت علیہم السلام کے سفر کا راستہ یہی تھا۔ علاوہ ازایں اب تک اس چیز کا کوئی مخالف اور اخبار اور کلماتِ اصحاب سے کوئی خلاف میری نظر سے نہیں گزرا۔ چنانچہ جب عاقل شخص، اہلِ بیت علیہم السلام کے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک سفر میں غور کرے۔ اور ان کے ان دونوں شہروں میں ٹھہرنے کے کم از کم ایام تصور کرے۔ اور پھر شام سے کربلا تک کے سفر میں غور کرے تو ان تمام سفروں اور قیام کے چالیس روز میں ختم ہونے کو ناممکنات اور محالات میں شمار کرے گا۔

اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اگر اس سے چشم پوشی کریں اور فرض کر لیں کہ اہلِ بیت علیہم السلام کا یہ سفر "بریہ" اور غربی فرات کی طرف سے تھا تو غور و فکر کے بعد اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ چیز بھی پہلی کی نظیر و مثیل ہے۔ کیونکہ خطِ مستقیم سے کوفہ سے لے کر شام تک ایک سو چھتر فرسخ ہیں۔ اور اہلِ بیت علیہم السلام محرم کی بارہویں تاریخ کو کوفہ میں داخل ہوئے اور تیرہ محرم کو وہ شرمناک

مجلس منعقد ہوئی۔ پھر قاصد کا شام جانا اور شام سے یزید کا جواب لے کر واپس کوفہ میں آنا بھی بیس روز سے کم ایام میں نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ کتاب "اقبال" میں سیدِ معظم علی بن طاؤس قدس سرہ نے کہا ہے اور ابنِ زیاد کا یزید سے اجازت لینا اور جواب آنے کے بعد اسیران کربلا کو شام بھیجنا سید نے کتاب "لہوف" میں بھی ذکر کیا ہے اور ابنِ اثیر نے کتاب "کامل" میں نقل کیا ہے کہ۔

"جب اولاد حسین علیہ السلام کوفہ پہنچی تو ابنِ زیاد نے ان کو محبوس و مقید کیا اور ایک قاصد کو یزید کی جانب روانہ کیا اور اس کو ان کے متعلق خبر دی۔ ایک دن اس مقام پر جہاں یہ آلِ حسینؑ محبوس تھے ایک پتھر گرا جس کے ساتھ ایک مکتوب بندھا ہوا تھا اور اس میں لکھا ہوا تھا: ایک قاصد تمہارے معاملہ کے لئے یزید کے پاس گیا ہے اور وہ قاصد فلاں دن وہاں پہنچے گا اور فلاں دن واپس آئے گا۔ پس اگر تم تکبیر کی آواز سنو تو یقین کر لینا کہ تمہیں قتل کر دیں گے ورنہ تمہیں امان دیں گے۔ پس ابھی قاصد کے واپس آنے میں دو یا تین روز باقی تھے کہ ایک دوسرا پتھر گرا جس کے ساتھ ایک مکتوب بندھا تھا جس میں لکھا تھا کہ اپنی وصیتیں کر لو کیونکہ قاصد کے یہاں پہنچنے کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ جب قاصد واپس آیا تو معلوم ہوا کہ یزید نے حکم دیا ہے کہ اسیرانِ کربلا کو اس کی طرف بھیجا جائے۔" (کامل۔ ج ۳۔ ص ۴۳۳)

اور بعض افاضل نے مزار "بحار" کے حواشی میں جو امکان ظاہر کیا ہے کہ ابنِ زیاد کا یزید سے اجازت لینا اور اس کے جواب کا آنا کبوتر کے توسط سے تھا فاسد ہے۔ جیسا کہ سابقہ زمانے میں بادشاہوں کا دستور تھا کہ وہ قاصد بنانے اور

اپنے خطوط کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانے کے لئے کبوتروں کی تربیت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ کام بنی امیہ کے زمانے اور بنی عباس کی حکومت کے اوائل میں رائج اور متعارف نہ تھا۔ بلکہ شہاب الدین احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ العمری ☆ نے کتاب "تعریف" میں تصریح کی ہے کہ کبوتروں کی یہ قسم جسے لوگ حمام ہدیٰ اور حمامِ رسائل کہتے ہیں اصل میں شہرِ موصل میں ہوتی تھی اور فاطمی سلاطین ان کبوتروں پر بہت زیادہ توجہ دیتے تھے اور اس نے محی الدین ابن عبدالظاہر کی کتاب "تمائم الحمائم" سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس بادشاہ نے ان کبوتروں کو موصل سے منتقل کیا وہ نورالدین محمود ابنِ زنگی تھا۔ (سن ۵۶۵ھ)

اور کتاب "اقبال" سے یہ بات پہلے ذکر کی گئی ہے کہ اہلِ بیتِ عصمت ایک ماہ زندانِ شام میں رہے اور زندان سے نکلنے کے بعد سات دن عزاداری میں مشغول رہے۔ جیساکہ کتاب "کاملِ بہائی" میں ہے۔ (کاملِ بہائی۔ ص۳۰۲) اور محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ یزید نے انہیں دس روز اپنے گھر میں رکھا اور اس کے بعد انہیں روانہ کردیا۔ اہلِ بیت علیہم السلام اپنی واپسی کے دوران نہایت اجلال و اکرام اور سکینہ و وقار کے ساتھ رات کو سفر کرتے تھے جیساکہ کلامِ شیخ مفیدؒ سے یہ بات پہلے گزری ہے اور دوسرے مورخین علماء سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر اہلِ بیت علیہم السلام اسی خطِ مستقیم پر ہر شب میں آٹھ فرسخ طے کرتے تو ان کے اس سفر کی مدت

☆ - مورخ اور جغرافیادان۔ متوفی ۷۴۹ھ، صاحبِ کتاب التعریف بالمصطلح الشریف۔ (اعلام زِرِکلی۔ج۱۔ص۲۶۸)

بائیس روز ہوتی ہے۔ حالانکہ پانی اور دوسری ضروریات کے نہ ہونے کی وجہ سے اس راستہ سے سفر کرنا میسّر نہ تھا پھر خصوصاً وہ قافلہ جس میں مستورات، بچے اور کمزور آدمی ہوں۔

ششم یہ کہ : حضرت سجاد علیہ السلام اور مردانِ بنی ہاشم کی ایک جماعت کا اسی روز (روزِ اربعین) کربلا میں پہنچنا اور جابر کے ساتھ ایک ہی دن بلکہ ایک ہی وقت میں حضرت ابی عبداللہ علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونا، متناسب نہیں۔ جابر کو حضرت سیدالشہداء کا اول زائر کہا جاتا ہے اور یہ ان کے فضائل میں شمار ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم نے پہلے ذکر کیا شیخ مفید قدس سرہ نے کتاب "مسارالشیعۃ" میں کہا ہے "وھو اول من زارہ" وہ جس نے سب سے پہلے سیدالشہداء علیہ السلام کی زیارت کی۔

اور شیخ ابراہیم کفعمیؒ نے "جنۃ" کی اکتالیسویں فصل کے حاشیہ میں کہا ہے۔

"وانما سمیت زیارۃ الاربعین لان وقتھا یوم العشرین من صفر، وذالک لاربعین یوما من مقتل الحسین علیہ السلام وھو الیوم الذی ورد فیہ جابر بن عبداللہ الانصاری صاحب النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من المدینۃ الیٰ کربلا لزیارۃ الحسین علیہ السلام وھو اول من زارہ من الناس"

"جو زیارت کتاب کے متن میں مذکورہ ہے اسے زیارتِ اربعین اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا وقت بیسویں صفر ہے کہ جب حضرت ابی

عبداللہ علیہ السلام کی شہادت کو چالیس روز گزر گئے۔ اور بیسویں صفر وہ روز ہے جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی جابر بن عبداللہ انصاری امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے مدینہ سے کربلا میں داخل ہوئے اور لوگوں میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آپؑ کی زیارت کی۔" (مصباح کفعمی۔ ص ۴۸۹)

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

زائرِ اول جنابِ جابر است
جاں فدائی آں کہ اول زائر است

ہفتم یہ کہ: جس کسی شخص نے کتبِ مقاتل کو دیکھا ہے اس پر یہ بات مخفی نہیں کہ جب یزید پلید نے ندامت ظاہر کی، اور عذر چاہا، اور آل اللہ کو اس بات کا اختیار دیا کہ وہ شام میں رہیں یا اپنے اصلی وطن مدینہ طیبہ واپس چلے جائیں، اور اہلِ بیتؑ نے واپسی کا فیصلہ کیا، اور شام سے مدینہ واپسی کا عزم لے کر نکلے تو وہاں کہیں بھی عراق اور کربلا کا ذکر نہیں آیا اور اس طرف سے جانا طے نہیں ہوا تھا۔ نیز خود شام ہی سے عراق اور حجاز کو جانے والے راستے جدا جدا ہوتے تھے اور ان دونوں راستوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے، جیسا کہ وہاں آنے جانے والوں سے سنا گیا ہے اور ان تینوں شہروں (شام، عراق، حجاز) کے ایک دوسرے کے طول کے اختلاف کی وجہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ پس جو کوئی شام سے عراق جانا چاہے تو شام ہی سے عازمِ راہِ عراق ہوگا اور عراق کے راستہ سے ہی سفر کرے گا۔ اور اگر اہلِ بیت علیہم السلام شام سے اس عزم (کربلا میں جانا) کے ساتھ رخصت ہوتے۔ (جیسا کہ کتاب "لہوف" کی عبارت سے ظاہر

ہوتا ہے) تو اس خبیث (یزید) کو اطلاع دیئے اور اس سے اجازت لئے بغیر اہلِ بیت علیہم السلام کے لئے یہ بات (کربلا جانا) کسی صورت میسّر نہ ہوسکتی تھی اور ممکن نہ تھا کہ اس مجلس میں اس عزم کا ذکر نہ ہوتا۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ وہ عراق کا سفر سوائے بیتِ مقدسہ کی زیارت کے کسی اور مقصد کے لئے نہ کرتے۔ اور یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ اگر اہلِ بیت علیہم السلام عزمِ عراق کا اظہار کرتے اور اس سے اس بات کی اجازت چاہتے تو یزید اپنی اس بد باطنی اور فطرت کی پلیدی کی وجہ سے اس بات پر راضی ہوجاتا اور مصارفِ سفر کو دوگنا کردیتا۔ اور اس دنائتِ طبع اور بے حیائی کی بناء پر جو اس میں پائی جاتی تھی دو سو دینار دے کر کہتا کہ: یہ تمہاری ضائع شدہ چیزوں کا عوض ہے۔

بہرحال یہ امر ایسا محال ہے جو اس راوی کے کلام کے وثوق کو یکدم ختم کردیتا ہے جس سے "لہوف" میں نقل ہوا ہے۔ (البتہ یہ راوی اہلِ سیر و تاریخ میں سے ہے) اور جب اسے ان پہلے بیان شدہ شواہد کے ساتھ منضم کیا جائے تو اس امکان کی اساس ہی ختم ہوجائے گی۔

اس کے باوجود محض اسی مذکورہ کلام کی بنیاد پر ذاکرین اور خطیبوں کا اس وقوع کو یقینی انداز میں بیان کرنا، ان کی انتہائی جہالت اور جسارت کا عکاس ہے۔ کاش یہ لوگ کتاب "لہوف" یا مقتلِ "ابی مخنف" کی انہی چند سطور پر اکتفا کرتے اور اس کو ریشہ درخت کی مانند قلبِ ویران کی شورزار زمین میں کاشت نہ کرتے۔ اور پھر اس سے اتنے سارے شاخ و برگ نہ اگاتے اور اس کے بعد اس سے دروغ بافی کے طرح طرح کے پھل نہ چنتے اور خداوندِ عالم کی حجتِ بالغہ سیدِ سجاد علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے جابر کے ساتھ خیالی ملاقات کے وقت

بہت سے دروغ نقل نہ کرتے۔ ان ذاکرین کے ذریعہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے تابعی محدث عطیہ کوفی کو جابر انصاری کا غلامِ مملوک بنا ڈالا اور پھر اسے جابر کے ذریعہ اس وقت آزاد کرایا جب وہ جابر کے لئے اہلِ بیتؑ کے کربلا میں داخلے کی خوشخبری لے کر آیا۔ "ولنعم ما قیل : مااجراھم علی الرحمٰن و علی انتھاک حرمۃ الرسول و آلہ" "وہ خدا اور پیغمبرؐ اور ان کی آلؑ کی ہتک پر کتنی جسارت کرتے ہیں۔"

تنبیہ دوم :

(مؤلف کا موثق ہونا، کتاب کے معتبر ہونے کی دلیل نہیں)

مخفی نہ رہے کہ باوثوق آدمی کی خبر اور اس کی نقل سے بلکہ مومنِ عادل کی نقل سے جو انتہائی بات سامع کے لئے پیدا ہوتی ہے وہ اس خبر کی صداقت کا ظن یا اطمینان ہے۔ کیونکہ مذکورہ ناقل (ثقہ آدمی یا مومنِ عادل) عمداً جھوٹ نہیں بولتا اور ان محسوس امور کے بارے میں، جن کے متعلق وہ خبر دے رہا ہے، نسیان اور خطا کا امکان بعید ہے اور اس پر توجہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس ناقل کے بعد واسطہ نہ ہو اور اگر ایک یا ایک سے زائد واسطے ہوں بلکہ یہ سلسلہ زیادہ اور عہد طولانی ہو اور باوثوق عالم کی کتاب سے نقل ہو اور اس نے اسی طرح کسی دوسری کتاب سے روایت نقل کی ہو، جیسے اس زمانے سے لے کر ائمہ علیہم السلام کے زمانے تک کے ناقلین اور رواۃ و اربابِ سیر و تواریخ میں اس طبقہ کے مؤلفین ہیں تو اس قسم کی خبر پر عدم اطمینان کی بکثرت وجوہ ہیں جیسے خطا و نسیان کا کثرت سے پایا جانا، نسخ و تحریف ہو جانا، کاتب کا اپنی طرف سے کچھ گھٹا

بڑھا دینا، اس کتاب کی جس مولف کی طرف نسبت دی جا رہی ہے اس کی کتاب نہ ہونا، ناقل جس صاحبِ کتاب پر اپنی عدم بصیرت و بے خبری کی وجہ سے اطمینان رکھتا ہے اسے اس صاحبِ کتاب کی عدم وثاقت کا معلوم ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

لہٰذا متدین اور درست کار ناقل کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی خبر یا حکایت کو کسی ایسی کتاب میں دیکھتے ہی جس کتاب کو لوگ کسی عالم کی طرف منسوب کرتے ہوں اس پر اکتفا کر لے۔ کیونکہ اکثر اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ کتاب اس عالم نے اپنی عمر کے اوائل میں لکھی ہوتی ہے اور اس وقت وہ صحیح روایت کو سقیم سے اور ثقہ آدمی کو غیر ثقہ سے تمیز دینے کے قابل نہیں ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ تنبیہ (تنبیہ اول) میں اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی کتاب میں ضعیف، بے بنیاد، بے ماخذ اور ثقہ حضرات کی مخالف روایات بلکہ یقینی جھوٹی احادیث بھی پائی جاتی ہیں۔ جیسے کہ کتاب "محرق القلوب" تالیف عالم جلیل اخوند ملا مہدی نراقی جو افاضل علماء دہر میں سے اور عصر کے "مھدیین خمسہ" ☆ میں سے ایک ہیں۔ باوجود یہ کہ بزرگانِ دین نے ان کے علم و فضل کے اعلیٰ مقام کا اعتراف کیا ہے اور فقہ وغیرہ میں ان کی تالیفات جیسے "لوامع" اور "مشکلات العلوم" وغیرہ خود اس بات

☆ - مخفی نہ رہے کہ ایک زمانے میں پانچ جلیل القدر علماء گزرے ہیں جن میں سے ہر ایک کا نام مہدی تھا۔ اول علامہ طباطبائی سید مہدی بحرالعلوم طاب ثراہ، دوم سیدِ جلیل مرزا مہدی خراسانی شہید جد آقایان عظام مشہد مقدس، (سوم کا ذکر نہیں ہوا، مترجم) چہارم فقیہ نبیہ آقا اخوند ملا مہدی ہرندی، پنجم عالمِ کامل اخوند ملا مہدی نراقی کاشی اعلی اللہ تعالیٰ مقامہم۔

کی شاہدِ صادق اور اس مقصد کے اثبات کے لئے وافی ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کتاب (محرق القلوب) میں ایسے ایسے مطالبِ منکرہ پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر ناظرِ بصیر تعجب میں پڑ جاتا ہے کہ ایسے عالِم نے یہ مطالب تحریر کئے ہیں۔

مثلاً انہوں نے کسی عالم یا کتاب کی طرف نسبت دیئے بغیر روزِ عاشورا کے قضایا و واقعات میں یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ۔

"جب بعض اعوان و انصار میدانِ جنگ میں شہید ہوگئے تو ناگاہ ریگستان سے ایک مکمل مسلح سوار ظاہر ہوا جو ایک کوہ پیکر مرکب پر سوار تھا۔ سر پر فولادی خود رکھے ہوئے تھا۔ شانے پر سپر مدوّر لٹکائے ہوئے تھا۔ چمکتی بجلی کی مانند جوہردار یمانی تلوار حمائل کئے ہوئے تھا۔ سترہ گز کا نیزہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا۔ غرض تمام اسبابِ حرب سجائے ہوئے "کالبرق اللامع و البدر الساطع" (چمکتی ہوئی بجلی اور بدر منیر) کی مانند میدان کے درمیان پہنچا۔ اعدائے دین کو بھگانے اور اپنے گھوڑے کو جولان دینے کے بعد اس نے اپنا رخ سپاہِ مخالف کی طرف کیا اور کہا : جو مجھے نہیں پہچانتا پہچان لے کہ میں ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، عمرِ سعد کا چچازاد بھائی ہوں۔

پھر اس نے اپنا منہ امام حسین علیہ السلام کی طرف کیا اور کہا "السلام علیک یا ابا عبداللہ" اگر میرا چچازاد بھائی عمرِ سعد آپؑ سے جنگ کے لئے آیا ہے تو میں آپؑ پر اپنی جان نثار کرنے کے لئے آیا ہوں۔"

تا آخر اس کے مبارزے اور قتل ہونے کا قصہ جو تمام کا تمام یقینی جھوٹ

ہے۔ کیونکہ ہاشم مشہور و معروف بہادروں میں سے تھا اس لئے لوگ اسے "مرقال" کہتے تھے ☆ ۔ یہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے خاص ملازمانِ رکاب ظفر انتساب میں سے تھا، جنگِ صفین میں عساکرِ منصورہ کا علمدار تھا اور علماءِ رجال اور غزوۂ صفین کے مولفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسی روز کہ جس روز اللہ کے لشکر میں سے عمارِ یاسر اور ایک اور جماعت درجۂ شہادت پر فائز ہوئی اور لشکرِ معاویہ میں سے ذوالکلاع معروف اور عبیداللہ پسرِ عمر ہلاک ہوئے، ہاشم بھی اسی روز شہید ہوئے اور کتابِ صفین میں نصر بن مزاحم نے کئی لوگوں سے ہاشم کی شہادت کی کیفیت اور اس کی شجاعت، قوتِ ایمان اور دلیری کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ نصر بن مزاحم نے ہاشم کے لئے بعض مراثی بھی ذکر کئے ہیں جو لوگوں نے ان کے لئے کہے ہیں (کتاب صفین۔ ص ۳۵۳-۳۵۹)۔ لہٰذا جو کچھ کتاب "محرق" اور اس سے پہلے کاشفی کی "روضہ" میں ہے اس کے جھوٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اور اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے جو مولفِ "محرق القلوب" نے لکھی ہے کہ۔

"جب پسرِ سعد نے ہاشم سے جنگ کے لئے ایک ہزار سوار بھیجے تو حضرت سیدالشہداءؑ نے اپنے بھائی فضل کو اپنے انصار میں سے دس آدمیوں کے ساتھ ہاشم کی مدد کے لئے روانہ کیا۔"

تا آخر جعلی قصہ ہے جسے کتاب سے محو کیا جانا چاہئے۔

☆ - مرقال ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دلاوری کے ساتھ میدانِ جنگ کی سمت دوڑتا ہوا جائے۔

سبحان اللہ ‘علمائے انساب اور ائمہ علیہم السلام کے حالاتِ زندگی رقم کرنے والے مؤلفین نے انتہائی عرق ریزی اور زحمتوں سے امیرالمومنین علیؑ کی ذکور و اناث اولادوں کا تاریخ میں ذکر کیا ہے اور اگر کسی نے حضرتؑ کے کسی ایسے فرزند کا بھی نام لیا ہے جس کا ذکر کمیاب ہے‘ تو اس کی طرف بھی ان لوگوں نے اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس صف میں فضل نامی کوئی فرزند ابھی تک نہیں دیکھا گیا۔

اس کتاب میں بارہا ایسی باتوں کا ذکر ہوا ہے‘ بلکہ کہیں کہیں تو عربی عبارتوں کے ترجمہ میں ایسی باتیں ملتی ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ کتاب مولف نے اوائلِ عمر اور مقاماتِ علمیہ میں داخل ہونے سے قبل کے برسوں میں تالیف کی ہے۔ جیسے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عابس کا ایک غلام تھا جس کا نام شوذب تھا یہاں تک کہ کہتے ہیں : غلام نے کہا "اے مولا-----(تا آخر)"

حالانکہ خبر کا متن یہ ہے۔

"وجاء عابس بن شبیب الشاکری و معه شوذب مولیٰ شاکر ----(تا آخر)" (تاریخ طبری- ج۴- ص۳۳۸)

شاکر یمن میں طائفۂ ہمدان میں سے ایک قبیلہ ہے جو شاکر بن ربیعہ بن مالک کی اولاد میں سے ہیں اور عابس کا تعلق اس قبیلہ سے تھا۔

لغتِ عرب میں مولیٰ کے کئی معانی ہیں اور ہر جگہ کی مناسبت سے ان میں سے کوئی ایک معنی مراد ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس لفظ مولیٰ کو کسی طائفہ اور قبیلہ کی طرف نسبت دی جائے۔ جیسے کہا جائے کہ مولیٰ بنی اسد‘ مولیٰ ازد‘ مولیٰ ثقیف تو عام طور پر ان دو میں سے کوئی ایک معنی مراد ہوتے ہیں۔

اول : حلیف‘ یعنی ہم پیمان۔ یعنی کسی قبیلہ کا ایک فرد اپنی تقویت اور دشمنوں سے حفاظت کی غرض سے کسی باقوت و شوکت قبیلہ کے پاس چلا جاتا ہے اور اس سے پیمان باندھ لیتا ہے۔ ایسے ہی جیسے جاہلیت اور اسلام میں عرب قبائل کے درمیان مرسوم تھا۔ پس وہ قبیلہ مشکلات اور سختیوں اور دشمن کے حملوں کے وقت اس کی مدد کرتا ہے۔

دوم : نزیل‘ یعنی وہ جو بعض اغراض جیسے وسعتِ معاش یا سازگار حالات کی وجہ سے اپنے قبیلہ سے ہجرت کرتا ہے اور کسی دوسرے قبیلہ میں قیام کرتا ہے اور اسی قبیلہ کی رفتار و کردار اور رسومِ زندگی کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ہر قبیلہ کے موالی اکثر قواعدِ مرسومہ میں انہی دو معنوں (حلیف اور نزیل) کے اعتبار سے اس قبیلہ کے حکم میں ہوتے ہیں اور شوذب مولیٰ شاکر کا مطلب یہ ہے کہ شوذب عابس کے قبیلہ کا حلیف یا نزیل تھا۔ لہٰذا اس سفرِ مبارک میں وہ اس کا مصاحب تھا۔ نہ یہ کہ وہ اس کا غلام اور تابع تھا کیونکہ غلام کے معنی کو ہرگز قبیلہ سے نسبت نہیں دیتے اور شاید اس کا مقام عابس سے بلند تھا۔ کیونکہ اس کے حق میں علماء کہتے ہیں کہ "وکان متقدما فی الشیعة" (اور وہ شیعہ میں پیش پیش تھا) اور مثال کے لئے یہی ایک مورد کافی ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مؤلف کتاب اپنی مہارت و قدرت‘ کثرتِ تبحر اور زیادتیِ معلومات کے اظہار اور یہ بتانے کے لئے کہ میرے پاس کتب کا بے انتہا ذخیرہ موجود ہے اور میری مؤلفہ کتاب ہر چیز کو شامل کئے ہوئے ہے‘ جس کسی نے جس کتاب میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے اسے اپنی کتاب میں تحریر کردیتا ہے۔ اور

اس وجہ سے جو بڑی بڑی خرابیاں مترتب ہوتی ہیں ان سے غفلت برتا ہے۔ اور ان تمام خرابیوں میں سے کم ترین خرابی اس کتاب میں جمع شدہ واضح جھوٹی اور آپس میں متضاد باتوں کی وجہ سے بیگانوں کی طرف سے دین و ایمان کا مذاق اڑانا اور اس کتاب میں موجود قابلِ استہزاء اخبار کی خرابی کا سہارا لے کر تمام اخبارِ امامیہ کو بے وقعت بتانا ہے۔ چنانچہ کبھی بیگانے لوگوں کی یہ جماعت خود ائمہ علیہم السلام کی قبورِ مطہرہ کے متعلق کچھ کرامات جعل کر کے شہرت دیتے ہیں اور پھر کچھ مدت کے بعد ان کرامات کا جھوٹا اور بے اصل ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور اس افتراء اور اس کی تشہیر پر ان کا مقصد عوام کالانعام کو یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ شیعہ لوگ اپنے ائمہ علیہم السلام کے جو کرامات اور معجزات نقل کرتے ہیں وہ تمام اسی طرح کے جھوٹے ہوتے ہیں۔

پس اس قسم کی واہیات باتوں اور بے بنیاد اخبار کو اپنی کتاب میں درج کرنا اور خود اپنے ہاتھ سے دشمن کو اپنے اوپر مسلط کرنا خلافِ عقل و دیانت ہے۔

اور اسی قبیل کی کتب میں سے آقایانِ برغانی و قزوینی کی مؤلفات ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنی بعض مؤلفات میں گہری نظر سے پڑھنے والوں پر کام آسان کردیا ہے۔ کیونکہ ان مؤلفات میں روایات و حکایات کے ماخذ کا ذکر کیا ہے۔ للذا اس میں معتبر اور غیر معتبر کو معلوم اور صحیح و سقیم کو علیحدہ علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جو چیزیں بے ماخذ ہیں یا جن کے کثرت سے بے بنیاد ہونے کی وجہ سے وہ ذکر کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں ان کا ذکر "ایک روایت کے مطابق" یا "ایک روایت میں ہے" یا "بعض نے کہا ہے" جیسے الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور یوں یہ پڑھنے والے کے دھوکہ میں پڑنے کا سبب نہیں بنتیں۔ لیکن اس سے

بہتر یہ تھا کہ انہیں درمیان میں لاتے ہی نہیں، کیونکہ ہر پڑھنے والا تمیز دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ للذا یہی وجہ ہے کہ درست کار علماء اس قسم کی روایات کی نقل سے پرہیز کرتے رہے ہیں، باوجود یہ کہ انہوں نے ان روایات کو ماخذ میں دیکھا بھی اور وہ خود تمام عمر کتب کی تالیف میں مشغول بھی رہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مؤلفِ کتاب اپنے اخلاص کی کثرت اور فضائلِ اہلِ بیتؑ کو نشر کرنے اور ساداتِ انام علیہم السلام کے مصائب پر رونے کے شوق کی وجہ سے صحیح روایت کو سقیم سے تمیز دینے کی صلاحیت کا حامل ہونے کے باوجود ان روایات کی طرف بالکل کوئی توجہ نہیں کرتا اور نہ ہی ان کے درمیان کوئی فرق رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی غرض ان مصائب کی عظمت کا اظہار اور قلوب کو رقیق کرنا ہوتی ہے۔ پس اس گروہ کے بعض لوگوں کے نزدیک جو چیز بھی اس بات کا موجب ہو وہ اسے "خوش آمدید" کہیں گے۔ بلکہ ان لوگوں نے اس کام کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ واہیات روایات اور جھوٹی حکایات کو کچھ ضعیف اعتبارات، اور ناقص نکات اور بے بنیاد خوبیوں کے ذکر کے بعد اپنے خیال کے مطابق محکم کیا اور ان واہیات روایات اور جھوٹی حکایات کو معتبر احادیث کی صف میں درج کردیا۔

(مؤلف کی جانب کتاب منسوب کرتے ہوئے احتیاط)

مجھے یاد ہے کہ جب میں کربلا معلیٰ میں تھا اور اپنے عصر کے علامہ شیخ عبدالحسین تہرانی طاب ثراہ جو تبحرِ علم اور فضل و اتقان میں اپنا عدیل و مثیل نہیں رکھتے تھے سے استفادہ کر رہا تھا تو حلّہ سے ایک سید عرب ذاکر آیا۔ (اس کا

باپ مشہور و معروف ذاکروں میں سے تھا) اس ذاکر کے پاس اپنے باپ کی
میراث سے ایک کتاب کے کچھ کہنہ اجزاء تھے۔ وہ ان اجزاء کو شیخ استاد کی
خدمت میں لایا۔ وہ چاہتا تھا کہ علامہ طاب ثراہ اسے کتاب کے معتبر یا غیر معتبر
ہونے کے متعلق بتائیں۔ اس کتاب کے کہنہ اجزاء کا نہ اول تھا اور نہ ہی آخر'
اس کے حاشیہ پر لکھا تھا کہ یہ کتاب فلاں شخص کی مؤلفات میں سے ہے اور جبلِ
عامل کے ایک عالم جو محقق صاحبِ "معالم" کے تلامذہ میں سے تھے کا نام لکھا
ہوا تھا۔ لہٰذا جب جبلِ عامل کے اس عالم کے حالاتِ زندگی کو دیکھا گیا تو اس عالم
کی مؤلفات میں سرے سے کسی "مقتل" کا نام ہی نہیں لکھا تھا اور جب علامہ
نے خود ان اجزاء کتاب کا مطالعہ کیا تو ان میں واضح جھوٹی باتوں اور واہیات
روایات کی کثرت کی بناء پر یہ احتمال نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ کتاب کسی عالم کی
مؤلفات میں سے ہو۔

پس علامہ نے اس سید کو اس کتاب کی روایات نشر کرنے اور نقل کرنے
سے منع فرمایا۔ لیکن چند روز کے بعد کسی مناسبت سے مرحوم فاضل دربندی
اخوند ملا آقا کو اس کتاب کے متعلق علم ہوا تو انہوں نے اسے اس سید سے لے
لیا اور اپنی کتاب "اسرار الشہادۃ" میں جو اس وقت ان کے زیرِ تالیف تھی
اس کتاب کے اجزاء کو جا بجا نقل کیا اور اپنی اس کتاب کی جعلی اور واہیات
روایات کی تعداد میں اضافہ کیا اور مخالفین کے لئے طعنہ زنی' مزاح اور استہزاء
کے دروازے کھول دیئے اور ان کی ہمت اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے
کوفیوں کے لشکر کی تعداد کو چھ لاکھ سوار اور دو کروڑ پیادہ تک پہنچا دیا اور ذاکرین
اور خطباء کے لئے ایک وسیع میدان فراہم کردیا کہ جس قدر بھی ان کا طائرِ خیال

پرواز کرے اس کی انتہاء کو نہ پہنچ سکے اور وہ بالائے منبر انتہائی قوتِ قلب سے'
سند کے ساتھ یہ کہیں کہ فاضل دربندی نے یہ فرمایا ہے۔

فاضل مذکور ممتاز علماء اور معروف افاضل میں سے تھے اور خامسِ آل
علیہم السلام کے ساتھ اخلاص میں بے نظیر تھے۔ لیکن ان کی یہ کتاب (اسرار
الشہادۃ) علماء فن اور نقادینِ احادیث و سیر کے نزدیک بے وقعت اور بے اعتبار
ہے اور کسی کا اس کتاب پر اعتماد کرنا اس ناقل کی خرابی اور بے بصیرتی کی دلیل
ہے۔ کیونکہ فاضل دربندی نے خود اس کتاب (اسرار الشہادۃ) میں ان اجزاء
کتاب کی روایات کے ضعف اور ان میں جھوٹ اور جعل کی علامات ظاہر ہونے
کے متعلق تصریح کی ہے لیکن ان اجزاء کو کتاب میں نقل کرنے کے لئے ایک
ایسا عذر پیش کیا ہے جو خرابی میں روایات اجزاء کے ساتھ شریک ہے۔ اور
عجیب و غریب باتوں میں سے ایک یہ بات ہے کہ مرحوم مذکور "فاضل دربندی"
نے مجھ سے بالمشافہ یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے ایامِ سابقہ میں یہ بات سنی
تھی کہ فلاں عالم نے کہا یا یہ روایت نقل کی کہ عاشورا کا دن ستّر گھنٹے کا تھا' مجھے
اس وقت ان کی یہ بات عجیب محسوس ہوئی اور اس کی نقل سے متعجب ہوا تھا
لیکن اب جب کہ میں نے روزِ عاشورا کے واقعات میں تامل کیا ہے تو مجھے یقین
ہوگیا ہے کہ اس عالم کی بات درست تھی کیونکہ وہ تمام واقعات اتنے ہی وقت
میں واقع ہوسکتے ہیں۔

یہ ہم نے فاضل دربندی کی گفتگو کا ماحصل بیان کیا ہے' طویل عرصہ گزر
جانے کی بنا پر ان کے بعینہ الفاظ ذہن میں نہیں رہے ہیں۔ اور انہوں نے اس
کتاب (اسرار الشہادۃ) میں بھی اس روایت کی تقویت کی ہے اور اس فقرہ سے

ان کے سلیقہ کا اندازہ لگا لینا چاہئے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب کا مؤلف معتبر کتب سے نقل کرتا ہے لیکن عدم مہارت اور علماء اربابِ سیر اور مورخین کے حالات سے ناواقفیت اور بے خبری' نیز ان میں سے ثقات اور غیر ثقات کو تمیز دینے کی قوت نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ سیر و تواریخ کی کسی کتاب پر اعتماد کر بیٹھتا ہے اور اپنے اکثر منقولات کی نقل کا مدار اسی کتاب کو بنا لیتا ہے' لیکن وہ کتاب اہلِ خبرہ کے نزدیک چنداں معتبر نہیں ہوتی اور وہ اس میں بہت سی واہیات باتوں کی نشاندہی کرتے ہیں' لہٰذا اس مؤلف کی کتاب میں بہت سے منکرات پائے جاتے ہیں۔ مقاتل کی بعض کتب اسی مضمون کی پائی جاتی ہیں کیونکہ ان کتب کا ذکر کرنا خرابی سے خالی نہ تھا اس لئے ہم نے ان کی طرف اشارہ نہیں کیا۔

اور ان تمام کلمات کا نتیجہ یہ ہے کہ جو ذاکر اور خطیب اچھے کام پر بنا رکھنا چاہتا ہے اور اس بات کا مشتاق ہے کہ اپنے آپ کو سید الشہداء علیہ السلام کے ملازمانِ خاص کی صف میں شامل کرے اور اپنے اندر قابلِ اعتماد کتاب کی تمیز کی قوت نہیں پاتا چاہے وہ ثقہ غیر عالم کی کتاب ہو' چاہے کسی متقی عالمِ دین کی' تو اسے چاہئے کہ وہ اساتذۂ اہلِ فن سے رجوع کرے اور ان کے فرامین سے تجاوز نہ کرے۔ بصورتِ دیگر وہ شیطان کے فریب کی وجہ سے تازہ گوئی کی رسم رکھ کر ہر کتاب سے اگرچہ وہ لغویات کی بیاض ہی کیوں نہ ہو نقل کرتا ہے اور اس کو بصورتِ جزم و یقین بیان کرتا ہے۔ البتہ اس طرح وہ اپنے آپ کو مقاماتِ گزشتہ میں مذکورہ تمام خرابیوں کے لئے تیار رکھے۔

(ایک ذاکر کے خواب کا بیان)

شہر کرمان شاہ میں ایک شخص عالمِ کامل' جامع فرید آقا محمد علیؒ صاحبِ "مقامع" وغیرہ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے دانتوں سے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے بدنِ مبارک کا گوشت کاٹ رہا ہوں۔ آقا محمد علی اس شخص سے واقف نہ تھے۔ سر جھکا کر کچھ دیر سوچتے رہے پھر اس سے فرمایا : شاید تو ذاکری کیا کرتا ہے؟ اس نے عرض کی : جی ہاں۔ آقا نے فرمایا : یا تو ذاکری ترک کردے یا روایات کو معتبر کتب سے نقل کیا کر۔

تنبیہ سوم :

(بعض ذاکرین کی دروغ سازی کا یہودیوں کی مسنا کے مشابہ ہونا)

مخفی نہ رہے کہ علماء یہود یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ جن چالیس شب و روز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طورِ سینا پر خداوندِ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ کیا تو ان پر تورات کی الواح نازل ہوئیں اور تورات کی ان الواح میں چھ سو تیرہ احکام سے زیادہ کوئی حکم نہ لکھا تھا۔ اور نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام پر متعدد قانون اور مطالب لساناً القا ہوئے اور آپؑ کے سینہ میں ثبت ہوگئے۔ یہ لسانی قانون اور مطالب اس مکتوبی قانون کے لئے بطورِ معانی اور شرح کے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مناجات سے فارغ ہو کر کوہِ طور

سے واپس آئے تو ہارون کو اپنے خیمہ میں طلب کیا اور اولاً ان کو مکتوب قانون یعنی تورات کی تعلیم دی اور اس کے بعد انہیں زبانی قانون اور لسانی روایات سکھائیں۔

پس ہردو قانون کے سیکھنے کے بعد ہارون اٹھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ہارون کے دو بیٹے ایلعازار اور اتامار داخل ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے باپ کی طرح ہردو قوانین کو سیکھا۔ اس کے بعد ہارون کا ایک بیٹا جناب موسیٰؑ کی بائیں جانب بیٹھ گیا اور دوسرا جناب ہارونؑ کی دائیں جانب۔

اس کے بعد وہ ستّر شیخ آئے جنہیں لوگ مشائخِ سبعین کہتے ہیں اور انہوں نے بھی ہردو قوانین کو سیکھا اور خیمہ میں بیٹھ گئے۔

اس کے بعد وہ لوگ آئے جو حصولِ علم کے مشتاق تھے اور انہوں نے بھی اس طریقے سے دونوں قوانین کو سیکھا اور وہ اس طرح کہ ہارون اٹھے اور دونوں قوانین ان لوگوں پر پڑھے۔ پھر ان کے دونوں بیٹے اٹھے اور دونوں قوانین ان پر پڑھے۔ پھر مشائخِ سبعین نے ان قوانین کو ایک مرتبہ پڑھا اور حصولِ علم کے مشتاق ان لوگوں نے ان قوانین کو چار مرتبہ سنا اور حفظ کرکے چلے گئے۔

اور یہود کہتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس مکتوب قانون کے تیرہ نسخے لکھے اور ہر فرقہ کو ایک نسخہ دیا اور جو روایات زبانی تھیں وہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع کو تفویض کیں اور یوشع کا جب وقتِ وفات قریب آیا تو اس نے وہ زبانی روایات مشائخ کے سپرد کیں اور مشائخ نے پیمبروں تک پہنچائیں۔ یہاں تک کہ وہ روایات جناب ارمیا تک پہنچیں اور انہوں نے

یارخ کو دیں۔ یارخ نے عزرا کے سپرد کیں اور عزرا نے شمعون صادق اور شمعون نے ایتیینی کونوس کو، اس نے یوئی بن یختان کو اور اس نے موسیٰ بن یوسیر کو اور اس نے تتھان اربلی اور یوشع بن برخیا کو اور ان دونوں نے یہودا بن یحیا اور شمعون بن شطاہ کو اور ان دونوں نے شمایا اور ابی طلیون کو اور ان دونوں نے ھلل کو اور اس نے اپنے بیٹے شمعون کو اور اس نے اپنے بیٹے کملئیل کو جو کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور اس نے اپنے بیٹے شمعون کو اور اس نے اپنے بیٹے کملئیل کو اور اس نے اپنے بیٹے شمعون کو اور اس نے اپنے بیٹے یہوداحق دوش یعنی مقدس کو دیں۔

اس طولانی مدت کے بعد جب کہ وہ روایات اور قانون سینہ بہ سینہ چلتے رہے اس یہودا نے ان روایات و قانون کو چالیس سال کی مدت میں نہایت مشقت و محنت کے ساتھ کتاب میں جمع کردیا اور اس کتاب کا نام "مسنا" رکھا اور یہود اس کتاب کی انتہائی تعظیم کرتے ہیں اور اس بات کے معتقد ہیں کہ یہ سب کچھ خداوندِ عالم کی طرف سے اور واجب الاطاعت ہے۔ یہودیوں کے درمیان اس کتاب کی درس و تدریس کا انتہائی رواج ہے۔ بلکہ یہودی کہتے ہیں کہ قانونِ مکتوب یعنی تورات بمنزلِ آب ہے اور "مسنا" ابازیر سے ملی شراب کی مانند ہے اور کبھی اول (تورات) کو نمک سے تشبیہ دیتے ہیں اور دوم (مسنا) کو مرچ اور مزید اریجوں سے۔

اور یہود کے بزرگ علماء نے مسنا کی دو تفسیریں لکھی ہیں ایک تفسیر تیسری صدی میں اورشلیم یعنی بیت المقدس میں اور دوسری تفسیر چھٹی صدی کے آغاز میں شہر بابل میں اور ان تفسیروں کو "کمرا اور شلیم" اور "کمرا

بابل" کہتے ہیں اور کمرا بہ معنی کمال ہے۔ یعنی ان تفسیروں میں سے ہر تفسیر
کمالِ تورات ہے اور ان دونوں تفسیروں کے مجموعہ کو "کمرا الان" کہتے ہیں
اور جب یہ تفسیریں مسنا کے ساتھ جمع ہو جائیں تو پھر اس کو "طالموت" کہتے
ہیں اور کبھی ان دونوں تفسیروں میں تمیز دینے کے لئے "طالموتِ اور
شلیم"، "طالموتِ بابل" کہتے ہیں اور ان تفسیروں میں سے پہلی تفسیر
کے مشکل سے سمجھ میں آنے اور دوسری کے سہل ہونے کی وجہ سے یہود کی
رغبت دوسری تفسیر کی طرف کثرت سے ہے اور اس کی طرف زیادہ توجہ ہے۔

اس مقام میں یہ یہودیوں کے اعتقاد کا خلاصہ ہے۔ اس ساری بات کا
حاصل یہ ہے کہ شبِ طور میں خداوندِ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جنابِ موسیٰ
علیہ السلام کے قلب پر بہت سے کلمات نازل ہوئے اور تقریباً دو ہزار سال ان
کلمات کا محل و مقام انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کے سینے رہے اور یہ کلمات سینہ
بہ سینہ منتقل ہوتے چلے آئے اور جب منزلِ آخر میں یہودا حق دوش کے سینہ میں
پہنچے تو یہودا نے ان کلمات کو اپنے سینہ سے باہر نکالا اور ایک کتاب میں لکھ دیا
جس کا نام "مسنا" تھا۔ اور اس تمام اعتقاد اور دعویٰ کا صدق و کذب یا اس
اعتقاد و دعویٰ کے بعض کا صدق اور بعض کا کذب ہمیں معلوم نہیں ہے اور اہلِ
بیتِ عصمت علیہم السلام کی طرف سے اس بارے میں کوئی چیز ہماری نظر تک
نہیں پہنچی۔

البتہ صدوقؒ نے کتاب "خصال" میں ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"خداوندِ عزّوجل نے کچھ راز کہے اور وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کلمے تھے

جو خداوندِ عالم نے تین شبانہ روز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے
فرمائے اور اس مدت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ کھایا پیا نہیں
اور جب بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے تو اپنے کانوں میں کلامِ حق
تعالیٰ کی حلاوت کے جاگزین ہونے کی وجہ سے لوگوں کی باتوں سے تنگ
دل ہوئے۔"

اور یہ خبر (جو کتابِ خصال میں ہے) فی الجملہ یہودیوں کے اصل دعویٰ کی
تصدیق کرتی ہے۔

بہرحال مومن بھائیوں پر مخفی نہ رہے کہ ان اخبار کو مدِّنظر رکھتے ہوئے جو
مسلمانوں کے نزدیک متواتر ہیں کہ "رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا
کہ جو کچھ پچھلی امتوں میں گزرا ہے اس کی نظیر اس امت (امتِ محمدیہ) میں واقع
ہوگی۔" (خصال۔ ص ۶۴۲) اور اہلِ بیتؑ کی روایات میں ان بعض وقائع اور
ان کی نظیر کی جانب اشارہ ہوا ہے۔ اور علماء نے اپنی فکرِ ثاقب سے اس امت
(امتِ محمدیہ) کے بعض واقعات اور قصص کو گزشتہ امتوں کے واقعات پر منطبق
کیا ہے۔ خصوصاً اس امتِ محمدیہ کے بعض واقعات اور قصص بنی اسرائیل کے
واقعات اور قصص سے ملتے جلتے ہیں تو ان اخبارِ متواترہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے بنی
اسرائیل کے اس قصۂ مذکورہ کی کوئی نظیر اس امتِ محمدیہ میں بھی ہونی چاہیئے۔
ر ہمارے عصر کے قریب تک یہ تطبیق نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی ایسے آدمی کو ہم
نے دیکھا ہے جس نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا ہو لیکن ذاکرین اور خطیبوں کے
ایک گروہ نے اخبارِ نبویہ کی صداقت کو مذکورہ مورد میں واضح اور ہویدا کر دیا ہے
اور اپنے اقوال و افعال کے ذریعے اس واقعہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قانونِ

مکتوبی اور روایاتِ لسانی کا نازل ہونا اور اس کا سلسلہ) کی نظیر کو اس امت میں محسوس اور عیاں کردیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ذاکرین اور خطیب اس باب میں بہت سی روایات کو عربی زبان میں ادا کرتے ہیں (کیونکہ عربی زبان گروہ ذاکرین میں سے اکثر کے نزدیک سند کی صحت اور خبر کے متن کے قوی ہونے کے بہترین اسباب میں سے ہے اور ان میں سے بعض روایات نہایت فصیح و بلیغ ہیں) جو کہ ذاکرین کی زبانوں پر جاری ہیں اور ذاکرین ان اخبار کو پوری قوتِ قلب کے ساتھ بالائے منابر پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان سب کے لئے ایک مخصوص راوی معین کرکے اس راوی کا نام لیتے ہیں اور مجالسِ ماتم کو ان اخبار وحکایات کے ذریعے ایک نئی رونق دے کر دلوں کو رقیق بناتے اور تڑپاتے اور آنکھوں کو رلاتے اور گریہ وفغاں کو بلند کراتے ہیں۔

لیکن گزشتہ کئی برسوں میں بقدرِ قوت، وبضاعت اور ہر ممکن ہمت صرف کرکے خود میں، اور اہلِ علم کی ایک جماعت اس چیز کے درپے ہوئے کہ ان اخبار (جو ذاکرین اور خطیب حضرات پڑھتے ہیں) کے ماخذ اور اس کتاب کو تلاش کریں جس سے ذاکرین کا یہ گروہ روایات کو لیتا ہے، لیکن انتہائی کوشش کے باوجود اب تک اس ماخذ اور کتاب کا کوئی نشان نہ ملا۔ اساتیدِ فنِ حدیث و خبر کی کتب میں اور گزشتہ زمانوں کے بے حد وحساب صاحبانِ کتب میں ان کی کوئی نشانی نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ مؤلفین کی اس جماعت کی کتب میں بھی جو اس مقام میں ضعیف اخبار کو نقل کرنے میں نہایت چشم پوشی سے کام لیتے ہیں اور ماخذ کے بارے میں بارہا سوال ہوا تو کبھی تو انہوں نے بعض علماء جیسے سید جزائری

اور اس قسم کے دوسرے مؤلفین جو اس (نقلِ روایات) میں تسامح کرنے والوں کی صنف میں سے ہیں کی کتاب کا حوالہ دیا۔ لیکن طویل عمر صرف کرنے اور بہت مشقت اٹھانے کے بعد جب کتاب ہاتھ آئی تو معلوم ہوا کہ حوالہ بے محل (غلط) تھا۔

اور کبھی ایسی کتاب کا حوالہ دیا جس کا ذکر اہلِ فن نے کیا ہی نہیں اور کبھی ایسے عالمِ جلیل کے مقتل کا حوالہ دیا کہ کسی نے بھی اس عالم کی مؤلفات میں کسی مقتل کا نام ذکر نہیں کیا اور کبھی ایسے شہروں کا حوالہ دیا جیسے بحرین و قطیف کہ جن کی تحقیق کی راہ ہی مسدود ہے اور اس قسم کے اور ان جیسے سبک عذر پیش کرتے ہیں اور اس راز کو دوسروں سے مخفی رکھتے ہیں۔

اور چونکہ یہ پورا گروہ (ذاکرین اور خطیب) معتبر لوگوں میں شمار ہوتا ہے اور وہ عمداً دروغ گوئی سے لازماً گریز کرتے ہیں ☆۔ پس اخوتِ مسلمانی کے تقاضہ کے تحت ان ذاکرین اور خطیبوں کے اس عمل کو صحت پر محمول کرنے کی وجہ سے ناچار ہمیں چاہئے کہ "مستا" کے اس سلسلہ کو جو بنی اسرائیل میں تھا اور ہے، اس جگہ لائیں اور کہیں کہ ان لوگوں کی یہ روایات اس گروہ میں دست بدست اور سینہ بہ سینہ ان طبقات تک پہنچی ہیں اور ہمارے زمانے کے قریب کے زمانوں

☆ ۔ مصنف کا یہ حسنِ ظن اس دور کے ذاکرین اور خطیبوں کے حوالہ سے ہوگا ورنہ آج کل کے اکثر ذاکرین اور خطیب حضرات عمداً دروغ کہنے کی کوئی پرواہ ہی نہیں کرتے بلکہ موقع ملتے ہی، جعلی روایت بنانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ انہیں تو عمداً دروغ کہنے کا کوئی خوف نہیں بلکہ ان کا مقصد فضائلِ اہلِ بیت علیہم السلام بیان کرکے مومنین کو خوش کرنا اور ان کے مصائب پر انہیں رلانا ہے۔ چاہے اس مقصد کے لئے انہیں عمداً جھوٹ کا سہارا ہی کیوں نہ لینا پڑے۔

میں اور اس زمانہ میں ان روایات کو تھوڑا تھوڑا جمع کرنے کی بنا پڑی۔

کبھی تو کسی کتاب میں بقول بعض ذاکرین اور خطیب حضرات "والدِ مرحوم کے مجموعہ میں" اور کبھی "استادِ مغفور کی کسی بڑی بیاض میں" اور کبھی "فاضل فلاں کے مقتل" میں اور کبھی اس کا کوئی نیا نام رکھا جاتا ہے اور کبھی اس مجموعہ سے اختلافِ ترتیب کے ساتھ کسی دوسرے مجموعہ میں اور اس طرح تعددِ ماخذ کی وجہ سے خبر قوی ہوجاتی ہے۔ اور جب یہ روایات کسی ایک کتاب میں جمع ہوجائیں گی تو وہ کتاب اس امتِ محمدیہ کا "مسنا" ہوجائے گی۔ البتہ یہود کی "مسنا" ایک معین معہود کتاب ہے جو ان دو تفسیروں کو ملحوظ رکھتے ہوئے زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے لیکن اس امتِ محمدیہ کی "مسنا" کی روایت بیل بوٹیوں کی سی تاثیر رکھنے والی ہے کیونکہ جب ذاکر یا خطیب اس روایت کو ایک مجموعہ سے دوسرے مجموعہ میں نقل کرتے ہیں تو فوراً وہ روایت نمو کرتی ہے، بابرکت ہوتی ہے اور اس میں تازہ شاخ و برگ طراوت اور تازگی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور جب وہ روایت منزل و منابر تک پہنچتی ہے اور اس کے نقل کرنے کا موسم آپہنچتا ہے تو اس روایت میں حیوانی تاثیر ظاہر ہوجاتی ہے اور وہ اپنے اوپر پَر و بال پیدا کرلیتی ہے اور طیرِ خیال کی مانند ہر لحظہ مختلف جہات میں پرواز کرتی ہے۔

اور ہم بطورِ مثال ان روایات میں سے بعض کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔ بایں طور کہ ہم نے ان روایات میں سے مختصر کو ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ ایسی کون کون سی خبریں اور روایتیں ہیں کیونکہ اس قسم کی تمام اخبار و روایات کو نقل کرنا اس کتاب کی وضع کے مناسب نہیں ہے۔

(جھوٹی روایات پڑھنے کے نمونے)

اول: حبیب بن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ وہ امیرالمومنین علیہ السلام کے فرقِ مبارک پر ضربت لگنے کے بعد آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت قبائل کے اشراف و رؤساء اور انتظامی عہدیدار آپؑ کے محضرِ انور میں موجود تھے۔ حبیب کہتا ہے۔

"وما منهم احد الا ودمع عينيه يترقرق على سوادها حزنا على امير المومنين عليه السلام"

"اور ان میں سے ہر ایک کی آنکھیں امیرالمومنین علیہ السلام پر حزن و غم کی وجہ سے آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔"

اور میں نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کے فرزندوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سروں کو نیچے جھکائے ہوئے تھے۔

"وما تنفس منهم متنفس الا و ظننت ان شظايا قلبه تخرج من انفاسه"

"ان میں سے کوئی سانس بھرنے والا نہ تھا۔ مگر یہ کہ گمان ہوتا تھا کہ اس کے دل کے ٹکڑے اس کی سانسوں سے نکل رہے ہیں۔"

حبیب کہتا ہے کہ ان لوگوں نے اطبا کو جمع کیا اور اثیر بن عمرو نے گوسفند کے پھیپھڑے میں ہوا بھری اور اس کو اس زخم میں داخل کیا، پھر باہر نکالا اور دیکھا کہ وہ مغزِ سر کے ساتھ آلودہ ہے۔ حاضرین نے اس سے پوچھا تو "فخرس و تلجلج لسانه" "وہ گنگ ہوگیا اور اس کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی" یہ دیکھ کر لوگ سمجھ گئے اور حضرتؑ کی طرف سے مایوس ہوگئے۔ پس

سروں کو جھکا کر اس خوف سے کہ کہیں مستورات ہماری آوازِ گریہ نہ سن لیں آہستہ آہستہ رونے لگے۔ مگر اصبغ بن نباتہ کو تابِ ضبط نہ رہی اور وہ اپنی چیخ ضبط نہ کر سکے۔ "دون ان شرق بعبرته" جز یہ کہ غم اور آنسوؤں نے ان کے گلے کو بند کر دیا۔

پس جناب امیر علیہ السلام نے آنکھ کھولی۔ اور کچھ کلمات کے بعد حبیب کہتا ہے میں نے عرض کی :

"یا ابا الحسن لا یھولنک ماتریٰ وان جرحک غیر ضائر، فان البرد لا یزیل الجبل الاصم، ونفحة الھجیر لا تجفف البحر الخضم، والصل یقویٰ اذا ارتعش، واللیث یضریٰ اذا خدش"

"اے ابوالحسن ! جو کچھ آپؑ دیکھ رہے ہیں اس سے خوف نہ کھایئے، اس لئے کہ آپؑ کا زخم کاری نہیں ہے کیونکہ ژالہ محکم پہاڑ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا، اور گرم ہوا کی پھونکیں بے کنار سمندر کو خشک نہیں کر سکتیں اور سانپ ہل کر طاقت حاصل کرتا ہے اور زخم خوردہ شیر زیادہ حملہ کرتا ہے۔"

اس کے بعد حضرتؑ نے جواب دیا اور جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا نے سنا اور رونے لگیں۔ حضرتؑ نے ان کو بلوایا۔ بی بی اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور نقلِ روایت کا ظاہر اس طرح ہے کہ اس تمام جماعت کی موجودگی میں بی بی آئیں) اور عرض کیا :

"انت شمس الطالبیین، وقمر الھاشمیین، دساس

کثبھا المترصد، وارقم اجمتھا المتفقد، عزنا اذا شاھت الوجوہ ذلا، وجمعنا اذا الموکب الکثیر قلا۔۔۔۔" (اس مسجع و مقفیٰ خبر کے آخر تک)

اس خبر کے سننے سے نفس محظوظ ہوتا ہے لیکن صد افسوس کہ یہ خبر کوئی بنیاد نہیں رکھتی اور شریف ثقہ جلیل عاصم بن حمید کی اصل میں حبیب بن عمرو اور جراح (اثیر بن عمرو) کے آنے کی خبر موجود ہے اور ان کلمات میں سے اس میں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ (اصلِ عاصم بن حمید، ضمن الاصول الستہ عشر۔ ص ۳۸) اور اسی طرح ابوالفرج نے کتاب مقاتل الطالبیین میں اثیر بن عمرو کے معالجہ کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں یہ شرح اور حواشی نہیں ہیں۔

(مقاتل الطالبیین۔ ص ۳۸)

دوم : طولانی خبر جو حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے مدینہ طیبہ سے نکلنے کی کیفیت میں ہے اور جو اس گروہ (ذاکرین اور خطیبوں) میں رائج ہے۔ اور فاضل دربندی نے اس کو اپنی کتاب "اسرار الشھادة" میں اپنے بعض شاگردوں سے روایت کیا ہے کہ اس نے اس روایت کو کسی مجموعہ میں دیکھا ہے جس کو لوگ بعض ذاکرین کی طرف نسبت دیتے ہیں، کہ عبداللہ بن سنان کوفی نے روایت کی ہے اور اس نے اپنے پدر سے اور اس نے اپنے جد سے کہ جو اہلِ کوفہ کا قاصد تھا اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لے کر گیا تھا اور اس خط کا جواب چاہتا تھا، تو حضرتؑ نے تین روز کی مہلت مانگی اور تیسرے دن عازمِ سفر ہوئے۔

اس (اہلِ کوفہ کے قاصد) نے دل میں کہا کہ جا کر بادشاہِ حجاز کی جلالتِ شان

تو دیکھوں کہ وہ کس طرح سوار ہوتے ہیں۔ وہ وہاں پہنچا' تو دیکھا کہ حضرت سیدالشہداء کرسی پر تشریف فرما ہیں' بنی ہاشم آپؑ کے گرد گھیرا ڈالے ہیں اور لوگ بھی کھڑے ہیں۔ گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہیں اور چالیس محمل جو کہ سب کے سب حریر و دیباج کے ساتھ ڈھانپے ہوئے ہیں تیار ہیں۔ اس کے بعد اس (قاصد) نے سواری کی کیفیت کو عجیب تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جس کی ہر سطر کئی دروغ پر مشتمل ہے۔ اور یہ شخص (قاصد) گیارہ محرم کی عصر تک اہلِ بیت علیہم السلام کے ہمراہ تھا کہ جب ابنِ سعد کے حکم پر اشقیاء نے اسیروں کے سوار ہونے کے لئے شترانِ بے کجاوہ کو حاضر کیا۔ اور اس مقام پر بھی اس نے ایک نئی چیز بیان کی ہے۔ پس اس وقت اس کو اہلِ بیت علیہم السلام کا اس روز مدینہ طیبہ سے اس جلالت و عظمت کے ساتھ سوار ہونا یاد آگیا۔ پس وہ قاصد رونے لگے---- اور تا آخرِ خبر کہ انسان اس روایت کے جعل کرنے کی کیفیت سے متعجب ہوتا ہے۔

اور اس سے زیادہ عجیب یہ بات ہے کہ آقا دربندی جیسے فاضل نے اس روایت کو اپنی کتاب میں ضبط کیا۔ حالانکہ انہوں نے دیکھا ہے کہ ارشادِ مفید علیہ الرحمہ میں مروی ہے کہ جب حضرت سیدالشہداء علیہ السلام نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو آپؑ نے اس آیت کو پڑھا۔

"فخرج منها خائفا يترقب قال رب نجني من القوم الظالمين" (سورہ قصص ۲۸۔ آیت ۲۱)

اور جب آپؑ مکہ معظمہ میں وارد ہوئے تو اس آیہ کو تلاوت فرمایا :

"ولما توجه تلقاء مدين قال عسىٰ ربي ان يهديني

سواء السبيل" (سورہ قصص ۲۸۔ آیت ۲۲)

اس بے اصل خبر میں جو سیرت اور وضع قطع مذکور ہے وہ جابروں اور بادشاہوں کی وضع قطع ہے جو کہ سیرتِ امامت کے ساتھ کسی طور مطابقت نہیں رکھتی۔

سوم : اس جماعت (ذاکرین اور خطیبوں) کی مسنا میں ایک طولانی خبر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شبِ عاشور جناب زینب سلام اللہ علیہا ہم و غم اور عدو سے خوف کی وجہ سے اپنے اقربا اور انصار کا حال معلوم کرنے کے لئے خیام کے درمیان پھر رہی تھیں' کیا دیکھتی ہیں کہ حبیب ابنِ مظاہر نے اصحاب کو اپنے خیمہ میں جمع کیا ہوا ہے اور ان سے عہد لے رہے ہیں کہ کل اپنے سے پہلے بنی ہاشم میں سے کسی کو میدان میں نہ جانے دینا---- پس وہ مخدرہ مسرور ہو کر خیمۂ ابی الفضل علیہ السلام کی پشت کے پاس آئیں کیا دیکھتی ہیں کہ ابی الفضل علیہ السلام نے بھی بنی ہاشم کو جمع کیا ہوا ہے اور ان سے اسی قسم کا عہد لے رہے ہیں کہ اپنے سے پہلے انصار میں سے کسی کو میدان میں نہ جانے دینا۔ پس وہ مخدرہ مسرور ہو کر حضرت سیدالشہداء علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں اور تبسم فرمایا۔ حضرتؑ نے تبسم پر تعجب کیا اور سبب پوچھا' مخدرہ نے جو کچھ دیکھا تھا عرض کیا---- تا آخرِ خبر کہ اس خبر کے بنانے والے کو اس فن میں پوری مہارت تھی۔

چہارم : سوز و گداز کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ روزِ عاشورہ اہلِ بیتؑ اور اصحاب کی شہادت کے بعد حضرت سیدالشہداء علیہ السلام امام زین العابدینؑ کے سرہانے تشریف لائے۔ پس امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے

پدرِ بزرگوار سے جناب کے اعداء کے ساتھ معاملہ کا حال پوچھا تو حضرتؑ نے انہیں خبر دی کہ نوبت جنگ تک پہنچ چکی ہے۔ پس جناب سید سجاد علیہ السلام نے بعض اصحاب کے نام لئے اور ان کا حال پوچھا تو حضرتؑ نے جواب میں کہا "قتل۔ قتل" یہاں تک کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے بنی ہاشم کا حال دریافت کیا اور جناب علی اکبرؑ اور ابی الفضلؑ کا حال پوچھا تو سیدا لشہداء علیہ السلام نے وہی جواب (قتل) دیا اور فرمایا : جان لو کہ خیام میں میرے اور تمہارے سوا کوئی مرد باقی نہیں رہا۔

یہ اس قصہ کا خلاصہ ہے اور اس کے بہت سے حواشی ہیں اور یہ واقعہ صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو جنگ کی ابتدا سے لے کر اپنے پدرِ بزرگوار کے مبارزہ کے وقت تک اقرباء و انصار اور میدانِ جنگ کے حالات کی بالکل کوئی خبر نہ تھی۔

پنجم : ایک عجیب و غریب خبر جو کہ حضرت سیدا لشہداء کے میدان میں جانے کے عزم کے وقت سواری کا گھوڑا طلب کرنے کے بارے میں ہے۔ اور اس وقت کوئی آدمی نہ تھا جو گھوڑے کو حاضر کرتا' پس مخدرہ زینب سلام اللہ علیہا گئیں اور گھوڑے کو لائیں اور حضرت سیدا لشہداء علیہ السلام کو سوار کیا ــــــ اور "جتنے منبر اتنی باتیں" بھائی اور بہن کے درمیان بہت سے مکالمات ذکر کئے جاتے ہیں اور اس روایت کے مضامین' عربی اور فارسی کے اشعار کے ضمن میں بھی آئے ہیں اور (ذاکرین اور خطیب حضرات) مجالس کو اس روایت کے ذریعے بارونق بناتے اور حاضرین سے آہ و فغاں بلند کراتے ہیں۔ واقعی یہ رونے کا مقام ہے۔ لیکن اس مصیبت پر نہیں (جو اس روایت میں

مذکور ہے) جس کی کوئی اصل ہی نہیں بلکہ اس قسم کے واضح دروغ کے جعل کرنے اور امام علیہ السلام پر افتراء باندھنے پر رونا چاہئے اور جن لوگوں کے لئے اس روایت کے پڑھنے سے منع کرنا ممکن ہے ان کے منع نہ کرنے پر رونا چاہئے۔ یا تو منع نہ کرنے کی وجہ ان کی لاعلمی ہے یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بعض حالات میں اس روایت کے پڑھنے سے کوئی نقص نہیں ہے۔ اور ضعیف الحال آدمی کے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس روایت کے بیان کرنے والے بے انصاف کذاب سے کہے کہ اے خداوندِ جبار پر جرات و جسارت کرنے والے یہ روایت تو قابلِ اعتماد مقاتل میں موجود ہی نہیں ہے' صبح عاشور کے آغاز میں لشکر کی صفوں کے آراستہ ہونے کے بعد حضرت سیدا لشہداء علیہ السلام ایک اونٹ پر سوار ہوئے اور آپؑ نے اتمامِ حجت کے لئے ایک بلیغ خطاب ارشاد فرمایا' اس کے بعد اونٹ سے اترے اور ایک خاص گھوڑے کو طلب کیا اور اس پر سوار ہوئے جس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اور اپنے اوصیاء کی سواری کے لئے خریدا تھا اور اس کو "مرتجز" کہتے تھے جو عوام میں ذوالجناح کے نام سے مشہور ہوا۔ اور آپؑ آخر وقت تک اسی پر سوار تھے۔ البتہ بعض حوائج کے لئے اس گھوڑے سے اترتے تھے۔ جیسے کسی شہید کے سرہانے بیٹھنے' یا کسی شہید کی لاش کو اٹھانے یا نماز ادا کرنے یا لباس کی تبدیلی یا کسی کو وداع کرنے اور پھر دوبارہ اسی گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے؟ لیکن وہ جو جواب میں کہتے ہیں (اور مضائقہ نہیں رکھتے) کہ وہ گھوڑا حضرت سیدا لشہداء علیہ السلام کی آخرِ وداع میں فرار کر گیا اور اس وقت کوئی شخص نہ تھا جو اس کو لاتا۔ اس بات کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ ایک معتبر روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام جناب ابی الفضلؑ کے ساتھ

اکھٹے میدان میں گئے۔

اور شیخ مفید نے کتابِ "ارشاد" میں مقاتلہ سید الشہداء علیہ السلام کے بیان میں "قضیۂ ہائلہ، مالک بن النسر اور شہادت عبداللہ بن الحسنؑ اور آپ کے بدنِ مبارک پر بہت سے زخموں کے لگنے کے بعد روایت کی ہے کہ جنابؑ کے ساتھ آپؑ کے اہل میں سے تین یا چار آدمی تھے جو دشمنوں کو آپؑ سے دور کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوگئے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آپؑ کے غلاموں یا محبوں میں سے تھے۔" (کتاب الارشاد۔ ص ۲۴۱)

ششم : (اور یہ ذاکرین اور خطیب حضرات) اظہارِ رنج و غم کے ساتھ حزن و اندوہ سے پُر عبارت میں نقل کرتے ہیں کہ جناب زینب علیہا السلام قتل گاہ میں حضرت سید الشہداءؑ کے سرہانے آئیں۔

"وراته يجود بنفسه، و رمت بنفسها عليه وهى تقول : ءانت اخى، ءانت رجانا، ءانت كهفنا، ءانت حمانا-----(تا آخر)"

"بی بی نے دیکھا کہ حضورؑ کا آخری وقت ہے اور بی بی نے اپنے آپ کو حضورؑ پر گرا دیا اور اس حال میں کہتی تھیں۔ ہائے میرے بھائی، ہائے ہماری امید کے سہارے، ہائے ہمارے ملجا، ہائے ہماری حفاظت کا مقام۔"

اور اسی روایت کے آخری حصہ کی کچھ مقدار اقسام دروغ میں گزری ہے۔

ہفتم : ایسے مقدمات کے ساتھ جو دروغ کے احتمال کو سامعین کے ذہن

سے محو کردیتے ہیں ایک لطیف اور رلانے والی خبر ہے جس کی سند کو اہلِ منبر بے چارے ابو حمزہ ثمالی تک منتہی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک دن امام زین العابدین علیہ السلام کے گھر آئے اور دروازے پر دستک دی۔ ایک کنیز باہر آئی، جب اسے پتہ چلا کہ ابو حمزہ ہیں تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کو بھیجا تاکہ وہ حضرتؑ کو تسلی دیں کیونکہ آپؑ دو مرتبہ بے ہوش ہوچکے ہیں۔ پس ابو حمزہ داخل ہوئے اور انہوں نے حضرتؑ کو ان الفاظ سے تسلی دی کہ "شہادت تو آپؑ کے گھرانے میں معمول اور موروثی ہے، آپؑ کے جد اور عم، پدر اور عمِ پدر تمام شہید ہوئے۔" تو آپؑ نے جواب میں ان کی تصدیق فرمائی اور فرمایا لیکن اسیری تو اس گھرانے میں نہ تھی۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کی اسیری کے کچھ حالات بیان فرمائے۔

اگر اس خبر کی کوئی اصل ہوتی تو یہ خبر مجالسِ مصیبت کے لئے بہت مفید تھی۔

ہشتم : ایک ایسی خبر ہے جو اس پہلی خبر سے بھی زیادہ سوزناک تر ہے اور جسے استادِ فن کے سوا کوئی اس ترتیب کے ساتھ بنانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ذاکرین اور خطیب حضرات اس روایت کی سند ہشام بن الحکم مظلوم تک پہنچاتے ہیں۔ اور اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہشام نے کہا کہ جس زمانے میں حضرت صادق علیہ السلام بغداد میں تھے تو میں حسب الحکم ہر روز آپؑ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر رہتا۔ ایک روز حضورؑ کے کسی شیعہ نے مجھے مجلسِ عزا میں شرکت کی دعوت دی۔ میں نے عذر پیش کیا کیونکہ مجھے حضورؑ کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہنا ہے (اس لئے مجلس میں شرکت نہ کرسکوں گا۔) اس نے کہا امام علیہ السلام

سے اجازت طلب کرلو۔ میں نے کہا میں آپؑ کے حضور میں ایسی بات نہیں کرسکتا۔ کیونکہ حضور ضبط نہ کرسکیں گے۔ اس نے کہا بغیر اجازت کے آیئے۔ میں نے کہا دوسرے دن جب میں آپؑ کی زیارت سے مشرف ہوں گا تو آپؑ مجھ سے پوچھیں گے (کل کہاں گئے تھے) تو میں کیا جواب دوں گا۔ ہشام کہتے ہیں کہ آخرکار وہ مجھے لے گیا۔

اس کے بعد (دوسرے دن) میں حضرتؑ کی زیارت سے مشرف ہوا تو آپؑ نے مجھ سے پوچھا۔ حضرتؑ کے تقاضے کے بعد میں نے عرض کردیا۔ (یعنی میں مجلسِ عزا میں گیا تھا) تو آپؑ نے فرمایا : کیا تیرا گمان ہے کہ میں وہاں نہیں تھا۔ (یا میں ایسی مجالس میں حاضر نہیں ہوتا ہوں؟) تو میں نے عرض کی میں نے آپؑ کو وہاں نہیں دیکھا' فرمایا جس وقت تو حجرہ سے نکلا تھا تو تونے جوتے اتارنے کی جگہ کے نزدیک کوئی چیز دیکھی تھی؟ ہشام نے عرض کی ایک کپڑا وہاں پڑا تھا' فرمایا۔ وہ میں تھا' میں نے عبا کو اپنے سر پر ڈالا ہوا تھا اور اپنا منہ زمین کی طرف جھکایا ہوا تھا۔

چونکہ مجھے (صاحبِ کتاب) یہ روایت اچھی طرح یاد نہیں' اس لئے ہوسکتا ہے کہ میں نے اس میں کچھ ردّوبدل کردیا ہو۔ یہ خبر مفصل ہے اور بہت ہی گریہ لانے والی ہے' کاش اس کی کوئی اصلیت ہوتی اور اس میں صدق کا احتمال ہوتا۔

بہتر یہ ہے کہ ہم اسی مقدار پر اکتفا کریں اور اس تنبیہ کو ایک عجیب خواب کے ذکر پر ختم کریں جو ذاکرین حضرات کے لئے ایک بہترین موعظہ اور نافع نصیحت ہے۔

(دروغ گو ذاکر کے خواب کی حکایت)

اسے ہم نے کتاب "دارالسلام" میں اس طرح نقل کیا ہے :

"ایک فاضل سید نے جن کا شمار معتبر ذاکرین میں ہوتا تھا ایک شب کو خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت برپا ہوگئی ہے اور مخلوقِ خدا نہایت وحشت و حیرت میں ہے اور ہر شخص اپنی فکر میں ہے اور فرشتے ان کو حساب کی طرف لے جارہے ہیں۔ ہر آدمی کے ساتھ دو دو موکل فرشتے ہیں۔ جب میں نے اس پریشان کن حالت کو دیکھا تو اپنی عاقبت کی فکر میں پڑ گیا کہ اس امرِ عظیم کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اسی اثناء میں اس جماعت (موکل فرشتے) میں سے دو نے مجھے محضرِ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ چونکہ انجامِ کار کے خطرناک ہونے کا خوف تھا اس لئے میں نے اس حکم کی بجا آوری میں سستی سے کام لیا تو وہ مجھے قہراً و جبراً کھینچنے لگے۔ ایک فرشتہ میرے سامنے تھا اور دوسرا میرے پیچھے اور میں ان دونوں کے درمیان خائف اور ہراساں چلا جارہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑی عماری میرے دائیں جانب جارہی ہے جسے لوگوں کا ایک گروہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے' مجھے الہامِ الٰہی سے پتہ چلا کہ اس عماری میں سیدۂ زنانِ عالم صلوات اللہ علیہا ہیں۔ جب میں اس عماری کے نزدیک پہنچا تو میں موقع غنیمت جان کر موکلوں کے چنگل سے بھاگ کر اس عماری کے نیچے آپہنچا۔ پس میں نے اس عماری کو ایک محکم قلعہ اور محفوظ مقام پایا۔ یہاں مجھ سے پہلے گناہگاروں کی ایک جماعت نے پناہ لی ہوئی تھی اور

میں نے موکلین کو دیکھا کہ وہ عماری سے دور دور تھے' اور عماری کے نزدیک آنے کی ان میں طاقت نہ تھی' اور اسی فاصلے سے وہ عماری سے دور ہمارے ساتھ ساتھ چلے آرہے تھے اور اشارہ کے ذریعے ہم سے التماس کررہے تھے کہ ہم واپس آجائیں لیکن ہم نے ان کی بات کو قبول نہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اشارہ سے ہمیں دھمکایا۔ چونکہ ہم نے اپنی پناہ گاہ کو مضبوط پایا تھا اس لئے ہم نے بھی انہیں دھمکایا۔

اسی مضبوط دل کے ساتھ ہم چلے جارہے تھے کہ اچانک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ایک قاصد پہنچا اور اس نے ان معظمہ سے جناب رسالت مآبؐ کی طرف سے کہا کہ امت کے گنہگاروں کی ایک جماعت نے آپ کی پناہ لی ہوئی ہے' آپ انہیں روانہ کریں کہ ہم ان کا حساب لیں۔ پس ان مخدرہ نے اشارہ فرمایا اور موکل ہر طرف سے پہنچ گئے اور ہمیں حساب کے لئے کھینچ کرلے گئے۔

ہم نے وہاں ایک بہت بلند منبر دیکھا جس کے بہت سے زینے تھے اور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس منبر پر تشریف فرما تھے۔ امیرالمومنین علیہ السلام اس منبر کے پہلے زینہ پر کھڑے خلائق کا حساب لینے میں مشغول تھے اور خلائق نے آنحضرتؐ کے سامنے صف باندھی ہوئی تھی۔ جب میری باری آئی تو آپؐ نے مجھے مخاطب کیا اور بطور سرزنش و توبیخ مجھ سے فرمایا : تو نے میرے فرزند حسینؑ کی توہین و ذلت میں مضامین کیوں پڑھے؟ اور تو نے حسینؑ کی طرف ذلت اور توہین کو کیوں منسوب کیا؟ پس میں اپنے جواب میں متحیر ہوا اور اس کے

انکار کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ میں نے انکار کیا کہ میں نے ایسے مضامین نہیں پڑھے۔ یکایک میرے بازو میں ایسی تکلیف ہوئی گویا لوہے کی ایک میخ اس میں گڑ گئی ہے۔ تو میں متوجہ ہوا' کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرد ہے جس کے ہاتھ میں نامۂ اعمال ہے' وہ اس نے مجھے دے دیا میں نے اس کو کھولا تو دیکھا کہ میری مجالس کی صورت اس نامۂ اعمال میں تھی اور جس جگہ' جس وقت' جو کچھ میں نے پڑھا تھا وہ سب کچھ وہاں لکھا تھا اور اس میں وہ فقرہ بھی تھا جس کے متعلق مجھ سے جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے سوال کیا۔

پس اس وقت ایک اور حیلہ میرے دل میں آیا وہ یہ کہ میں نے کہا کہ اسے مجلسی نے بحار کی دسویں جلد میں ذکر کیا ہے۔ امیرالمومنینؑ نے حاضرین خدام میں سے ایک سے فرمایا جاؤ اور مجلسی سے وہ کتاب لے آؤ۔ پس میں متوجہ ہوا تو دیکھا کہ منبر کی دائیں جانب بہت سی صفیں ہیں جن میں سے پہلی صف پہلوئے منبر کے ساتھ ہے اور آخری صف کو خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کہاں ختم ہوتی ہے۔ اور ہر عالم نے اپنے سامنے اپنی مؤلفات کو رکھا ہوا ہے۔ پہلی صف میں پہلے شخص مجلسی مرحوم ہیں جب امیرالمومنین علیہ السلام کے قاصد نے انہیں پیغام پہنچایا تو مجلسی نے دوسری کتب کے درمیان سے اس کتاب کو اٹھایا اور اس کو دی۔ اس قاصد نے وہ لی اور اس کو لایا تو حضرتؑ نے اشارہ فرمایا' اس نے وہ کتاب مجھے دے دی۔ جب میں نے وہ کتاب لی تو میں بحرِ تحیر میں غرق ہو گیا کیونکہ اس حیلہ اور بہانہ سے میری غرض تو اس مشکل سے چھٹکارا

حاصل کرتا تھا۔

پس میں فضول میں اس کتاب کے اوراق کو الٹنے پلٹنے لگا۔ اس وقت میرے دل میں ایک اور حیلہ آیا' میں نے کہا میں نے ان مضامین کو حاجی ملا صالح برغانی کے مقتل میں دیکھا ہے ☆ پھر آپؑ نے ایک خادم سے کہا کہ جاؤ اور اس (ملا صالح) سے کہو کہ وہ کتاب لے آئے۔ خادم گیا اور اس نے اس سے کہا اور چھٹی یا ساتویں صف میں چھٹا یا ساتواں شخص حاجی مذکورالذکر تھا۔ اس نے کتاب کو اٹھایا اور امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں لایا۔ پس حضرتؑ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کتاب سے وہ توہین آمیز فقرہ تلاش کروں۔ میں دوبارہ خائف اور مضطرب ہوا اور میرے لئے کوئی چارہ کار نہ رہا۔ پس میں خوفزدہ دل کے ساتھ کتاب کے اوراق کو فضول الٹنے پلٹنے میں مشغول ہوگیا---- یہاں تک کہ وہ سیدّ فاضل کہتے ہیں کہ میں خواب سے بیدار ہوا تو میں نے اپنی صنف (ذاکرین) کے ایک گروہ کو جمع کیا اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ سب کچھ انہیں کہہ سنایا۔ اور کہا : پس میں خود میں ذاکری کی شرائط پر عمل کی طاقت نہیں پاتا لہٰذا میں اس (ذاکری) کو ترک کرتا ہوں اور جو شخص میری تصدیق کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی اسے چھوڑدے۔ باوجودیکہ اس سیدِّ فاضل کو اس (ذاکری) کے ذریعہ سالانہ بہت سی رقوم حاصل ہوتی تھیں

☆ - ان کے تین مقتل ہیں جن کے نام ہیں معدن البکاء' مخزن البکاء اور منبع البکاء۔

لیکن پھر بھی اس نے ان رقوم سے صرف نظر کیا اور ذاکری کو چھوڑ دیا۔" (دارالسلام- ج ۳- ص ۲۳۴-۲۳۶)

تنبیہ چہارم

یہاں ہم اس توہم کا جواب دیں گے اور ان چند شبہات کا ذکر کریں گے جو اس جماعت (ذاکرین اور خطیبوں) بلکہ بعض مؤلفین کی بھی اس جرات کا موجب ہوئے ہیں کہ وہ بے بنیاد اخبار و حکایات اور ایسے اخبار و ماخذ کو نقل کرتے ہیں جن کے صدق کا امکان بھی نہیں ہوتا' یا یہ امکان انتہائی ضعیف ہوتا ہے۔ نیز یہ محض لوگوں کو رلانے اور اپنی مجلس کو رونق بخشنے کی خاطر بعض جھوٹے مصائب کو جعل کرنے اور اخبار و حکایات کے سلسلے میں دروغ بافی سے کام لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو باتیں اہم ہیں۔

(مستحب اور حرام میں ٹکراؤ کا مسئلہ)

اول : وہ جو بعض دروغ پردازوں سے نقل ہوا ہے کہ جو اخبار و احادیث ابکاء (مومنین کو رلانا) کی مدح اور شیعوں کو رلانے کی ترغیب میں وارد ہوئی ہیں ان میں یہ بات ذکر نہیں کی گئی کہ ذاکر کس قسم کی حکایات و روایات سے مومنین کو رلائیں اور کیا کچھ بیان کریں اور کیا پڑھیں۔ اور ان چیزوں کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز بھی رلانے کا سبب اور دلوں کو تڑپانے کا موجب اور آنکھوں سے اشک لانے کا وسیلہ بنے وہ ممدوح اور مستحسن ہے' خواہ وہ دروغ ہی کیوں نہ ہو۔

پس ان اخبار کے معنی کے مطابق یہ کہنا چاہئے کہ وہ بہت سی اخبار و

احادیث جو دروغ کہنے کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، ہرچند وہ نہایت معتبر ہوں لیکن ان میں دروغ کہنے کی جو مذمت کی گئی ہے اس سے مراد تعزیہ داری اور ذکرِ مصیبت کے مقام کے علاوہ دوسرے مقامات پر دروغ ہے۔ جس طرح کہ بعض لوگوں نے غنا کے بارے میں کہا ہے اور اسی بیان کی بنیاد پر انہوں نے غنا کے ساتھ پڑھنے اور سُر لگانے کو سیدالشہداءؑ کے مراثی میں بلکہ قرآنِ مجید کی تلاوت میں جائز کیا ہے۔

اس بیان کے ذریعے بہت سے گناہانِ کبیرہ کو مباح بلکہ مستحب کہا جاسکتا ہے اور فاسق و فاجر لوگوں کے لئے ان گناہوں اور معاصیٔ کبیرہ کی طرف ایک وسیع راستہ کھولا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جو اخبار و احادیث قلبِ مومن کو خوش کرنے اور اس کی حوائج کو پورا کرنے کے سلسلے میں سعی و کوشش کرنے کی فضیلت و مدح میں وارد ہوئی ہیں، وہ احادیث و اخبارِ ابکاء کی اخبار و احادیث سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ پس اگر کوئی فاسق کسی عورت کو دیکھے اور اس کے رخسار پر بوسہ لینے کی خواہش کرے، یا اس عورت کے سینہ پر ہاتھ لگانا چاہے یا معاملے کو نازک مقام تک پہنچانے کا خواہشمند ہو تو عورت کے لئے روا ہے کہ وہ ان اخبار کی بناء پر جن میں مومن کا دل خوش کرنے اور اس کی حوائج کو پورا کرنے کے مستحب ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اس کی خواہش کا مثبت جواب دے، اس کے سامنے تسلیم ہوجائے اور اس کا ثواب اپنے والدین کی ارواح کو بخش دے۔

اور اسی طرح لواط اور اس کے مقدمات اور معاصیٔ شہوانی میں سے اس قسم کی دوسری چیزوں میں ہوجائے گا۔ اور کسی ذی شعور آدمی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ اس قسم کا سلسلۂ سخن، ضروریاتِ دین و مذہب کے خلاف ہے اور آدمی کو

آئینِ اسلام سے خارج کردینے کا سبب ہے۔

اور اس اصل شبہ کا جواب فقہ کے اندر کتابِ "مکاسب" میں مفصل ذکر کیا گیا ہے اور اس کا اجمالی جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ مستحب چاہے جتنا بھی بڑا ہو حرام کے ساتھ موازنہ نہیں کرسکتا۔ چاہے وہ حرام کام لوگوں کی نظروں میں بہت ہی حقیر کیوں نہ ہو۔ اور اطاعتِ الٰہی کو ایسے عمل کے ذریعے نہیں بجالایا جاسکتا جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخط کا سبب ہو۔ اور نہ آدمی اس کے ذریعے خداوندِ تبارک و تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔ بلکہ تمام مستحبات کا مورد و محل وہ فعل ہے جو بالذات جائز اور مباح ہو۔ پس اگر وہ فعل حرام ہو اور کسی بڑی خرابی کا حامل ہو، جس خرابی کی وجہ سے معصومین علیہم السلام نے خصوصی طور پر اس کام کے کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اگر وہ کام کسی ایسے مستحب عمل کے مقدمات میں سے ہو جس کی بجا آوری اس حرام فعل کے انجام دیئے بغیر نہیں ہوسکتی تو اس مستحب امر کے بجالانے کا کوئی محل و مقام نہیں رہتا۔ اور یہ مطلب تمام اہلِ شرع کے اذہان میں مرکوز ہونے سے بعید نہیں۔

کیا کوئی متدیّن عام آدمی بھی یہ احتمال کرسکتا ہے کہ اگر حضرت ابی عبداللہ علیہ السلام کی زیارت کے لئے کربلا معلیٰ جانا غصبی گھوڑے پر سوار ہونے یا غصبی کشتی میں بیٹھنے یا غیر کے گھر یا باغ سے گزرنے (جب کہ مالک نے ان میں سے گزرنے سے منع کیا ہو) یا اس قسم کے دیگر محرمات میں منحصر ہوجائے تو کیا وہ جانا ان اخبار کی وجہ سے جائز بلکہ مستحب ہوسکے گا جو حضرت کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں آئی ہیں۔ جب کہ وہ اخبارِ ابکاء سے سو گنا زیادہ ہیں۔ ہرگز نہیں، کہ کوئی متدیّن شخص اس قسم کا غلط خیال کرسکے اور ان گناہانِ کبیرہ کے

ارتکاب کو اس مستحب کے پانے کے احتمال کی وجہ سے جائز قرار دے سکے۔

اور حاصلِ مقصود یہ ہے کہ مومن کو رلانا باجماع علماء ایسے ہی ہے جس طرح نیکی پر مومن کی اعانت کرنا یا اس کی کسی حاجت کو پورا کرنا۔ چنانچہ استادِ اعظم شیخ مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے نقل فرمایا ہے کہ چاہئے کہ آدمی اولاً اس وسیلہ اور سبب کے جواز اور اباحت کو معلوم کرلے جن کے ذریعہ مومن کو رلانا' اس کی اعانت اور قضاء حاجت ہوتی ہے۔ تاکہ اس مستحب عمل کو ان تینوں کاموں کی اخبارِ استحباب میں داخل کرسکے۔ اور اس طرح نہیں ہوسکتا کہ ان اخبار کے ذریعہ وسیلہ کو اگرچہ وہ حرام ہو مباح کرلے۔ جیسے کہ ظلم یا چوری اس وجہ سے حلال ہوجائے کہ اس کے ذریعہ مومن کی اعانت ہوتی ہے' یا چوری یا ظلم کا مال اس کے قرضہ کی ادائیگی یا اس کی شادی کے لئے صرف ہوتا ہے۔

اور اس دروغ پرداز کے اس رشتہ سخن (جس کو اس نے بنایا ہے) پر جو قبیح مضرات مترتب ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ لامحالہ ہروہ حرام فعل جو مومنین کو رلانے کا وسیلہ بنے وہ دروغ کی مانند جائز ہوجائے گا۔ کیونکہ اس باب میں دروغ کہنے اور باقی تمام محرمات میں کوئی فرق نہیں ہے اور جو دروغ اس مقام میں بنایا گیا ہے وہ اس جگہ آئے گا۔

اور یہ شبہ اگرچہ قابلِ ذکر نہ تھا لیکن ممکن ہے کہ یہ بعض بیچارے عوام کے ذہن میں داخل ہوجائے۔ لہٰذا لازم تھا کہ اس شبہ کی خرابیوں کو لوگ جان لیں اور یہ بھی جان لیں کہ مراثی اور تلاوتِ قرآن اور ان جیسی دیگر چیزیں جو قربات و طاعات میں سے ہیں میں غنا اور جھوٹ سے کام لینے کا گناہ بہت بڑا اور اس کا عقاب بہت سخت ہے۔

(زبردستی رلانے کے بارے میں ایک ظریف حکایت)

اس مقام کے مناسب ایک حکایت یہ ہے کہ : یزد سے تعلق رکھنے والے ایک موثق اہلِ علم نے مجھ سے نقل کیا کہ :

"جب میں اس کٹھن راستے سے یزد سے پاپیادہ مشہد گیا تو راستے میں خراسان کے ایک دیہات میں پہنچا جو نیشاپور سے قریب تھا۔ کیونکہ میں وہاں اجنبی تھا اس لئے وہاں کی مسجد میں چلا گیا۔ مغرب کے وقت دیہات کے رہنے والے جمع ہوگئے' خادم نے ایک چراغ روشن کردیا' اسی اثناء میں ایک پیش نماز آیا اور مغرب اور عشاء کی نمازیں باجماعت پڑھی گئیں۔ پھر پیش نماز بالائے منبر جاکے بیٹھ گیا۔

پھر خادمِ مسجد نے اپنے دامن کو پتھروں سے بھرا اور بالائے منبر مولوی صاحب کے نزدیک رکھ دیئے۔ میں حیران تھا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ پھر مولانا صاحب نے تقریر کا آغاز کیا۔ ابھی انہوں نے چند کلمات ہی پڑھے ہوں گے کہ خادم نے اٹھ کر چراغ گل کردیا۔ میرا تعجب اور بڑھ گیا۔ اس حال میں میں نے دیکھا کہ منبر سے سامعین پر پتھروں کی برسات شروع ہوگئی اور لوگوں کی چیخ وپکار کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ ایک کہتا اے وائے میرا سر' دوسرا اپنے بازو کو پکارتا' تیسرا اپنے سینے کو اور اسی طرح گریہ وشیون بلند ہوا۔ کچھ دیر بعد پتھر ختم ہوگئے اور مولانا نے دعا کرائی اور چراغ روشن کیا گیا اور لوگ خون بہتے سر اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ چلے گئے۔

آخر کار میں اس پیش نماز کے پاس گیا اور ان کے اس قبیح عمل کی حقیقت دریافت کی' بولے : میں مجلس پڑھتا ہوں اور یہ لوگ اس عمل کے بغیر گریہ نہیں کرتے' للذا لامحالہ مجھے انہیں اس عمل کے ذریعہ رلانا پڑتا ہے۔

(ادلّہ سنن میں تسامح کا مسئلہ)

دوم : اپنی تالیفات میں ضعیف اخبار کو نقل کرنا' فضائل' قصص اور مصائب کے ابواب میں غیر صحیح روایات کو ضبطِ تحریر میں لانا اور ان مقامات خصوصاً آخرالذکر مقام میں تسامح سے کام لینا علماء میں جاری سیرت ہے' جسے دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ شیخ مفید طاب ثراہ کتاب "ارشاد" میں مقتلِ امام حسینؑ کے سوا حالاتِ ائمہؑ سے متعلق تمام ابواب میں تمام صاحبانِ کتاب کی مانند اخبار کو سند اور اصل راوی کے ساتھ نقل کرتے ہیں لیکن مقتل کے باب میں اس کے تمام واقعات کو ایک رشتہ میں منسلک کرکے انہیں کلبی و مدائنی اور ان دو کے علاوہ اصحابِ سیر سے نقل کیا ہے؟ ابوالحسن مدائنی اہلِ سنت کے مشہور علماء میں سے ہیں اور بخاری کے شیخ معروف ہیں اور کلبی بھی اسی طرح ہیں۔ اگرچہ بعض لوگ انہیں شیعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں اربابِ سیر و تاریخ کی سلک میں منسلک ہیں اور اسی طرح شیخ مفید کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی کیا ہے۔

اور اس مقام میں علماء کی سیرت کی تائید احادیث کا وہ مجموعہ کرتا ہے جسے لوگ اخبارِ تسامح کہتے ہیں اور اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ فرماتے ہیں :

"جو کوئی کسی عمل کو سنے یا اس تک یہ بات پہنچے کہ اس کے لئے کوئی ثواب مقرر ہے اور اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ پس اسے چاہئے کہ اس ثواب تک پہنچنے کی امید سے وہ عمل بجا لائے' وہ ثواب اسے دے دیا جائے گا ہرچند اسے پیغمبرؐ نے نہ فرمایا ہو۔ (یعنی بنیادی طور پر وہ خبر ہی جھوٹی ہو)" (بحارالانوار۔ ج۲۔ ص۲۵۶۔۲۵۷)

اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی شخص اس قسم کی چیز کو کسی آدمی کے لئے نقل کرے اور اسے ان بزرگ ہستیوں کی طرف منسوب کرے' یا وہ آدمی ایسے عمل کو کسی کتاب میں دیکھے تو وہ اس اخبار میں شامل ہو جائے گا اور یہ کہہ سکے گا کہ یہ بات اس تک پہنچی ہے یا اس نے سنی ہے۔ پس اگر اس نے اس پر عمل کیا تو اسے اس کا ثواب ملے گا۔

اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ خبر پر عمل ہر جگہ اس جگہ اور اس چیز سے مناسب ہو گا۔ مثلاً کسی ایسی ضعیف خبر پر عمل کرنا جو کسی مخصوص نماز سے متعلق ہو اس نماز کا بجا لانا ہے اور اگر مخصوص روزہ سے متعلق ہو تو اس روزہ کا رکھنا ہے اور اگر معین صدقہ سے متعلق ہو تو اس صدقہ کا دینا ہے اور اگر کسی مومن کو افطاری دینے سے متعلق ہو تو افطاری کھلانا ہے اور اگر کسی خبر پر عمل بعض ماکولات کی فضیلت ہو تو اس ماکول کا کھانا ہے۔ علی ہذا القیاس۔

اور ابوابِ فضائل و قصص اور مصائب میں ضعیف اخبار پر عمل کرنا' ان کی طرف توجہ دینا' انہیں یاد کرنا' ان کا ضبط کرنا اور انہیں لکھنا اور نقل کرنا ہے۔ پس اس مقام میں خواہ کوئی خبر کتنی ہی ضعیف ہو' علماء کی سیرتِ معلومہ اور اس معتبر اخبار کے مقتضا کے مطابق اس کی نقل میں تسامح جائز ہے۔ اور اس

کے کہنے والے' پڑھنے والے اور لکھنے والے پر کوئی حرج اور اعتراض نہیں۔ بلکہ اگر وہ خبر درست اور واقعیت پر مبنی ہوئی تو اس کے ذریعہ اسے ذخیرہ شدہ ثوابوں میں سے ثواب ملے گا۔

یہ کلام جو بعض بزرگوں کے فرمودات میں دکھائی دیتا ہے اگر کچھ مقامات پر صحیح ہو تو وہیں خاص کر سیرۂ علماء کے موارد میں اسے درست ماننا اور اس کی تصدیق کرنی چاہئے نہ کہ کلی طور پر اور ہر جگہ صحیح مانا جائے۔ یہاں تک کہ ذاکرین کی جماعت کے بارے میں بھی کہ جن کے لئے یہ ایک مفید حربہ ہے اور ان کے لئے صحیح تمسک بن جاتا ہے۔ یہ کلام اس بیان کے ساتھ جس میں ذکر ہوا ہے مغالطہ پر مبنی ہے کہ جب یہ کھلے گا تو اس جماعت (ذاکرین اور خطیبوں) کے کسی درد کی دوا نہ ہوگا۔ ☆

اور اس بات کی توضیح ایک مقدمہ کے ذکر پر موقوف ہے اور وہ یہ کہ :

(احادیث کی اقسام)

وہ علمائے عظام جو عصرِ ائمہؑ اور ان کے قریب کے راویوں اور محدثین کے زمانے سے فاصلے پر تھے' جب انہوں نے دیکھا کہ کتب میں موجود اخبار و احادیث بہت زیادہ ہیں' اور صحیح اور غلط حدیث اور راست گو اور دروغ گو

☆ ۔ بعض بزرگوں کا نظریہ یہ ہے کہ ان احادیث سے مراد عمل کے ثواب کی مقدار میں تسامح ہے نہ خود عمل میں۔ ان معنوں میں کہ عمل کا مستحب ہونا جانے پہچانے ذرائع سے ثابت ہونا چاہیئے' لیکن اگر اس کے ثواب کی نقل میں کمی یا زیادتی ہوجائے تو خداوندِ عالم عمل کرنے والے کے متوقع ثواب سے اسے نوازے گا اور اگر اس کے علاوہ ہو تو اس طرح بدعت گزاری کی راہ کھل جائے گی۔

راویوں میں تمیز کرنے کے ذرائع ختم ہوچکے ہیں' اور ان تک رسائی بھی ممکن نہیں' تو انہوں نے مجبور ہوکر اپنی قوت اور سہولت کے مطابق ان اسباب کے ذریعے جو اس کام کے لئے باقی رہ گئے تھے میزان بنائے اور ان میزانوں کی رو سے احادیث و اخبار کو چند انواع میں ذکر کیا۔

اول : صحیح' اور اس سے مراد وہ خبر ہے جس کے راویوں کا پورا سلسلہ شیعہ اثنا عشری عادل راویوں پر مشتمل ہو۔

دوم : حسن' اور اس سے مراد وہ خبر ہے جس کا پورا سلسلہ اثنا عشری' ممدوح راویوں پر مشتمل ہو۔

یعنی لوگوں نے ان کی مدح اور تعریف کی ہو لیکن وہ راوی حدِ عدالت تک نہ پہنچے ہوں۔ مثلاً یہ کہ فلاں آدمی اچھا ہے یا صادق ہے یا زاہد یا عابد ہے اور اسی قسم کے دیگر اوصاف۔ یا اس سلسلہ کے کچھ راوی ایسے ہوں بشرطیکہ باقی ماندہ راوی صنفِ اول سے تعلق رکھتے ہوں۔

سوم : موثق' اور اس سے مراد وہ خبر ہے جس کے راویوں کا سلسلہ عادل ہو۔ لیکن مذہب میں غیر امامی ہوں۔ جیسے سنی' زیدی' کیسانی' واقفی' فطحی اور ناووسی یا بعض راوی تو ایسے ہوں لیکن تتمہ عادل امامی ہو۔ یا ایک احتمال کی بنا پر ممدوح امامی ہو۔

چہارم یہ کہ : اس کے تمام راوی یا ان میں سے بعض خواہ ایک فرد ہی ہو فاسق ہو۔ یا اس کا حال معلوم نہ ہو یا کتبِ رجال میں اس راوی کا نام ہی ذکر نہ کیا گیا ہو۔ یا خبر کے لئے سلسلۂ سند کا یکسر ذکر ہی نہ کیا گیا ہو۔ یا راویوں کے سلسلہ سے ایک یا متعدد راوی اول سند میں' یا اس کے وسط میں' یا اس کے آخر

میں مفقود ہوں اور معلوم نہ ہو سکے کہ وہ شخص کون ہے۔ یہ پوری قسم اصطلاحاً ضعیف ہے۔

تمام روایات ان چار اقسام سے باہر نہیں ہیں' اگرچہ بعض نے پانچویں قسم کا بھی ذکر کیا ہے اور اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کے راویوں کا پورا سلسلہ غیر امامی ممدوح روات پر مشتمل ہو یا ان میں سے بعض شرطِ سابق کے ساتھ ہوں اور انہوں نے اس خبر کا نام قوی رکھا ہے۔

بہرحال علماء کے درمیان اس بات میں اختلافِ نظر پایا جاتا ہے کہ فقہ میں سنّت (جو ادلّہ میں سے ایک ہے) کی طرف سے ان چار اقسام میں سے کس قسم کو دلیل کے لئے پیش کیا جانا چاہئے۔ بعض علماء نے تو صرف صحیح حدیث کو درست سمجھا ہے' بعض نے حسن کو اور بعض نے موثق کو اور بعض نے ان ہر دو کو اس کے ساتھ ملحق کیا ہے اور بعض علماء نے قسمِ چہارم کا اس میں اضافہ کیا ہے۔ اس ضعیف خبر کو بھی اس پر بڑھایا ہے بشرطیکہ علماء نے اس ضعیف خبر کے مورد میں اس پر عمل کیا ہو۔

پس علماء کے عمل کی وجہ سے اس ضعیف خبر کا ضعف قوت حاصل کرلے گا اور جماعتِ علماء کی موافقت کی وجہ سے اس خبر کی کمزوری قوی ہو جائے گی لیکن غیر واجب اور حرام میں۔ پس مشہور یہ ہے کہ صنفِ ضعیف کے ساتھ عمل کرنے میں علماء شریک ہیں۔ اگرچہ اس خبر کے مورد میں کوئی عامل اور جابر (اس خبر کے ضعف کا اپنے عمل سے ازالہ کرنے والا) نہ پایا جائے اور علماء ابوابِ مستحبات بلکہ مکروہات میں اس وتیرہ پر عمل کرتے ہیں اور اسی طرح فضائل و مصائب اور قصص میں۔

اور جب ہم نے علماء کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے عمل کے مواقع پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس مقام میں جس چیز کی ان کی طرف نسبت دی گئی ہے وہ راست ہے۔ بلکہ علماء کی ایک جماعت نے اس کے متعلق تصریح کی۔ لیکن مطلقاً اور عموماً نہیں کہ جس طرح بادی النظر میں علماء کے کلمات سے توہم ہوا ہے اور بعض اذہان میں بلا واسطہ طور پر اس طرح یہ بات داخل ہوئی ہے کہ ابوابِ مذکورہ (فضائل و مصائب اور قصص) میں جو خبر بھی جس سے سنی جائے' چاہے سننے والا کہنے والے کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ اور اس کو جاننے کے بعد چاہے وہ کہنے والا بے پرواہ فاسق ہو یا نہ ہو' علماء اس پر اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح کہ سابقاً ذکر ہوا ہے۔ نیز جو کتاب بھی ان علماء کے ہاتھ میں آجائے' چاہے اس کے مؤلف کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں' اس کا مؤلف سوائے حقیقت کے کہنے اور لکھنے والا ہو یا نہ ہو' بعض واضح جھوٹ اس میں دیکھے ہوں یا نہ دیکھے ہوں' اس حال میں اس کتاب سے نقل کرلیتے ہیں اور ابوابِ مذکورہ میں اس کتاب کی اخبار پر عمل کرتے ہیں۔ بلکہ ان اخبار کو بھی دستاویز بناتے ہیں جو کتابوں کی پشت اور مساجد اور روضوں کی دیواروں پر ثبت ہوتی ہیں۔

حاشا و کلا کہ اس قسم کا اطلاق اور عمومیت ان کے کلمات میں پائی جاتی ہو' یا ان کی سیرت اور ان کے مرسوم طریقہ سے ظاہر ہو۔ بلکہ علماء کی بنا اور رفتار اسی قانون اور دستور العمل پر ہے جو انہیں شرع کی جانب سے پہنچا ہے اور جس کی طرف ہم پہلے اپنی گفتگو میں اشارہ کرچکے ہیں کہ لازم ہے کہ ناقل روایات کو صرف ثقہ سے نقل کرے چاہے یہ نقل' نقلِ لسانی اور تلقّیٔ زبانی کے مقام میں ہو یا کسی کتاب سے اخذ کے مقام میں۔ اور یہ بات بھی ہو چکی ہے کہ اس مقام

(مقامِ نقل) میں ثقہ سے مراد (چاہے وہ ناقل ہو یا مؤلف) وہ شخص ہے جو کذب
سے بچنے والا ہو بلکہ راست گوئی کا ملکہ رکھتا ہو' یعنی خلط ملط نہ کرتا ہو' کثرت
سے بھولنے والا اور یاد نہ رکھنے والا نہ ہو۔ اور جب علماء کسی خبر کو اس قسم کے
شخص سے سنیں گے یا اس کی کتاب میں دیکھیں تو اگر اس خبر کے آخری راوی
تک گزشتہ ذکر شدہ اوصاف سے متصف ہوں تو وہ خبر حجتِ شرعی اور دلیلِ فقہی
ہوگی اور ہر شخص تمام موارد میں اپنے طریقہ کے مطابق اس پر عمل کرے اور
اگر خبر کے تمام راوی یا ان میں سے بعض ان علماء کو معلوم نہ ہوں یا اس سننے
والے شخص اور کسی کتاب سے اس خبر کے لینے والے کے نزدیک اس خبر کا
راوی ان اوصاف سے متصف نہ ہو اگرچہ اس ثقہ شخص کے نزدیک احتمال ہو
کہ ناقل یا مؤلف ثقہ ہے یا وہ شخص اس ناقل یا مؤلف کو جانتا ہی نہ ہو' اگرچہ
جائز ہے کہ مؤلفِ کتاب اس ناقل کو جس سے خود نقل کر رہا ہے جانتا ہو اور
اسے ثقہ سمجھتا ہو۔ یہ تمام اقسام مشہور علماء متاخرین کے نزدیک "ضعیف"
ہیں۔ اور یہی فضائل و مصائب کے باب میں عمل پر ان (ذاکرین) کی اجازت کا
موضوع ہے۔

پس معلوم ہوا کہ علماء کا بغیر کسی کے صدق پر اطمینان کئے ہوئے اس سے
خبر نقل نہ کرنا اور ایسے شخص کی کتاب سے خبر نہ لینا' اس عالم کے نزدیک جو خبر کو
نقل کرنا چاہتا ہے اس خبر کے اس اصطلاح میں ضعیف ہونے سے منافات نہیں
رکھتا۔

اور حاصلِ کلام یہ ہے کہ علماء راویٔ اول سے (یعنی جس سے وہ خبر کو سنتے
ہیں اگرچہ یہ بات اس زمانے میں بہت کم ہے یا اس کتاب کے مؤلف سے کہ

جس کی کتاب سے کسی خبر کے نقل کرنے کا قصد کریں۔) یہ بات نہ ہوئی اور نہ
ہی ہوگی کہ علماء اس راویٔ اول یا مؤلف کتاب سے کسی خبر کو لیں اور بیان کریں
اور اپنی کتاب میں لکھیں جب تک کہ اس کی وثاقت سے مطمئن نہ ہو جائیں۔
اور اس کی طرف سے خبر میں کوئی عیب نہیں سوائے عیب مذہبی کے اور اگر خبر
میں کوئی ضعف اور خرابی ہے تو اس کے بعد کے سلسلہ سے ہے اور یہی وجہ ہے
کہ درست کار علماء جو امامیہ کے معیار کی راہ پر چلتے ہیں وہ اس کتاب سے
روایات و اخبار نقل نہیں کرتے جس کے مؤلف کو نہ جانتے ہوں۔ نیز اس
کتاب سے بھی نقل نہیں کرتے جس کا مؤلف بے پرواہ ہو' ضعیف اور غیر
ضعیف خبر میں فرق نہ رکھتا ہو اور نہ ہی اخبار کو نقل کرتے ہوئے کوئی تمیز رکھتا
ہو۔

اور ہمارے اس دعویٰ کے محسوس شواہد میں سے یہ بات ہے کہ عالمِ جلیل
متبحر شیخ حرِ عاملی اخباریہ کے مزاج کی بناء پر اس جدید اصطلاح کو درخورد اعتناء
نہیں سمجھتے تھے اور اکثر اخبارِ موجود کو معتبر بلکہ قطعی جانتے تھے۔ اور بعض کتبِ
اخبار مرحوم (شیخ حرِ عاملی) کے پیشِ نظر تھیں کہ جن میں سے بعض کے مؤلفین کو
آپ نہ جانتے تھے اور جن بعض کو جانتے تھے اخباریہ مزاج رکھنے کے باوجود ان
کتب کو بے اعتبار اور ضعیف سمجھتے تھے اور انہوں نے کتاب "ہدایہ" کے آخر
اور کتاب "امل الامل" میں ان تمام کے اسامی کو لکھا ہے اور اپنی اکثر مؤلفات
میں بالکل ان کتب سے نقل نہیں کیا ہے۔ اور کسی مکروہ یا مستحب امر کے اثبات
کے لئے چاہے وہ امرِ حقیر ہو ان کتب کی روایات سے استشہاد نہیں کیا۔ مگر مرحوم
نے ان میں سے بعض کو اواخرِ عمر میں پہچانا (کہ یہ کتب قابلِ اطمینان ہیں) اور

ان پر بنائے نقل رکھی۔ مرحومِ مذکور اخباریہ مزاج رکھنے کے باوجود اس قسم کا طریقہ اختیار کرتے تھے تو مجتہدین کا طریقہ اور سلوک بہت زیادہ سخت ہونا چاہئے۔

ہاں کبھی یہ ہوتا ہے کہ کوئی تصحیح شدہ قدیم کتاب جو کہ علماء کی نظر سے گزری ہوتی ہے دستیاب ہو جاتی ہے۔ جس کے مطالعہ سے اس کے مؤلف کی وثاقت کا اطمینان بلکہ اس کی جلالت ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا اکثر ہوتا ہے کہ علماء اس سے اخبار کو نقل کرتے ہیں لیکن نہ ہمیشہ اور نہ ہی سب علماء۔

(ضعیفِ اصطلاحی اور بے وزن میں فرق)

اسی طرح متاخرین علماء کی اصطلاح میں ضعیف اور موہون (بے وزن اور بے بنیاد خبر) میں بھی ظاہراً فرق ہے۔ کیونکہ بہت سی ایسی اخبار جو اس اصطلاحِ جدید میں ضعیف ہیں لیکن بے وزن نہیں ہوتیں بلکہ بعض قرائن کے لحاظ سے نہایت معتبر ہوتی ہیں۔ جیسے کتابِ شریف "کافی" کی تقریباً نصف اخبار اور کتاب "من لا یحضره الفقیه" کی بہت سی اخبار اور کتاب "نہایہ" شیخ طوسی کی اخبار جو کہ بے سند ہیں اور اصطلاح میں انہیں مرسل کہتے ہیں اور خبر ضعیف کی گنتی میں مندرج ہیں۔

اور اسی طرح بہت سی ان کتب کی اخبار جو معتمد مؤلفین کی ہیں۔ جیسے ابنِ شہر آشوب، قطب راوندی اور ابنِ طاؤس اور اس قسم کے اور مؤلفین جن کی منقولہ اخبار، اخبارِ ضعاف کی قسم میں سے ہیں لیکن بے وزن نہیں۔ ان مذکورہ کتب سے اخبار و روایات کو ابوابِ گزشتہ (فضائل و مصائب اور قصص) میں

نقل کرنا جائز ہے اور علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور اخبار کی اس قسم میں کوئی بحث نہیں ہے۔ بلکہ بحث ان بے وزن اخبار اور کتبِ غیر معتمدہ کے بارے میں ہے جو سابقاً علماء کے درمیان تھیں اور بزرگ علماء کی نظر سے گزری تھیں اور علماء نے ان کی کوئی اعتناء نہیں کی تھی اور نہ ہی رجوع کیا تھا۔ یہاں تک کہ علامہ مجلسی اور ان کے عصر سے پہلے اور ان کے عصر کے بعد کے محدثین علماء۔ یہ ایسے علماء نہیں جنہوں نے ان کتب اور اخبار کو نہ دیکھا ہو اور ان کتب سے واقف نہ ہوئے ہوں۔ زعفرجن کے آنے اور حضرت قاسمؑ کی شادی کا قصہ علماء کی نظر سے مخفی نہیں رہا۔ یہ ہر دو واقعات روضہ کاشفی (روضۃ الشہداء۔ ص۳۲۲) میں ہیں اور ان میں سے دوسرا واقعہ (حضرت قاسمؑ کی شادی) شیخ طریحی کی کتاب المنتخب۔ صفحہ۳۶۵ میں ہے اور یہ کتاب بے وزن اخبار پر مشتمل ہے مثلاً دشمنوں کا جناب "عبدالعظیم حسنی" کو ملک رے میں زندہ دفن کرنا (المنتخب۔ص۱۰) اور غیر موہون کہ علامہ مجلسی قدس سرہ اس قسم کے اخبار کو اس عبارت کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ "میں نے اپنے اصحاب میں سے بعض کی مؤلفات میں دیکھا ہے۔" اور علامہ مجلسی نے اس قسم کی بے وزن اخبار سے اعراض فرمایا ہے کہ جن میں سے حضرت قاسمؑ کی شادی کا قصہ بھی ہے۔ جس کو کتاب "روضۃ الشہداء" سے پہلے شیخ مفیدؒ کے عصر سے علامہ مجلسیؒ کے عصر تک کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا کہ بحمد اللہ اب ان کی مؤلفات ہر طبقہ میں موجود ہیں اور بالکل اس شادی کا نام بھی ان کتب میں نہیں لیا گیا۔

یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس قدر عظیم قضیہ اور اس طرح آشکارا اور واضح قصہ ہوا ہو۔ اور علماء کی اس پوری جماعت کی نظر سے نہ گزرا ہو۔ یہاں

تک کہ ابنِ شہر آشوب جیسے کو بھی پتہ نہ ہو جنھوں نے تصریح کی ہے کہ کتاب مناقب کی ہزار جلدیں ان کے پاس موجود تھیں؟

اور اس کے علاوہ فنِ حدیث و انساب اور سیر کے بارے میں تالیف کی گئی کوئی بھی کتاب حضرت سید الشہداءؑ کی شادی کے قابل غیر شادی شدہ دختر کا وجود نہیں بتاتی (اس خبر کی صحت یا سقیم سے قطع نظر) کہ اس نقل کی نسبت سے اس واقعہ کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہو۔ البتہ زبیدہ، شہربانو اور قاسمِ ثانی کے قصہ جو رے کی سرزمین اور اس کے اطراف کے لوگوں کے زبانِ زدِ عام تھے وہ فضول قصہ گویاں ہیں جنہیں "رموزِ حمزہ" ☆ جیسی کتابوں میں درج کرنا چاہئے۔ ان کے جھوٹے ہونے کے بہت سے شواہد ہیں اور تمام علمائے انساب اس بات پر متفق ہیں کہ قاسم ابن الحسنؑ کے کوئی اولاد نہ تھی۔

بہرحال ان دو بے بنیاد واقعات جیسے بہت سے واقعات ہیں اور اسی طرح بزرگانِ فنِ حدیث سے ان کے اعراض کی بھی بکثرت مثالیں ہیں اور اس طرح ان کی بے بنیادی میں اضافہ ہوگیا ہے۔ علاوہ ازایں اگر علمائے اخیار کی نقل اس کے برخلاف ہو تو تب بھی اس کی بے بنیادی بڑھے گی۔ اس کے علاوہ اس بے بنیاد خبر کا مضمون بھی غیر معمولی ہو اور عام حالات میں اسے قبول نہ کیا جا سکے۔ (جیسے کہ یزید کا لشکر پانچ لاکھ افراد پر مشتمل تھا، بلکہ چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں پر مشتمل تھا اور ایک معتبر خبر کے مطابق ان میں کوئی بھی شامی یا حجازی نہ تھا اور سب کا تعلق کوفہ سے تھا۔ حالانکہ ایسے لشکر کی تیاری تو ایک طویل مدت

☆ - شاہنامہ کی مانند داستانوں کی ایک کتاب ہے، اس کی چند جلدیں ہیں، عہدِ صفوی کے قصہ خواں اسے پڑھا کرتے تھے۔ (رجوع کیجئے۔ الذریعہ۔ ج ۱۱۔ ص ۲۵۲)

میں شداد اور نمرود کے لئے بھی ممکن نہ تھی، کیونکہ وہ پسرِ مرجانہ کے لئے ممکن ہوتی جس کے قدم بھی ابھی وہاں نہ جمے تھے۔ اسی طرح لشکر کے اخراجات، کھانا پینا وغیرہ بھی حسبِ عادات محال ہے) اور یوں اس خبر کی بے پائیگی اور ضعف اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔

جب بعض غلط مقاصد جیسے تحقیق اور معلومات کی کثرت کے اظہار، نئی باتیں لانے اور گزشتہ لکھے گئے مقاتل پر برتری کی وجہ سے اس قدر کثیر تعداد میں ضعیف، بے بنیاد، بے ماخذ اخبار و روایات کتابوں میں جمع ہو جائیں گی تو اس مذہب کی "مسنا" کا روپ دھار لیں گی۔ جس کا واضح نتیجہ اور ظاہر پھل مذہب اور ملتِ جعفریہ کی سبکی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اور اس طرح ہمارا مذاق اڑانے اور ہماری تمام احادیث اور منقولات کے ان ضعیف روایات اور جھوٹے قصوں سے قیاس کرنے کا ایک وسیلہ مخالفین کے ہاتھ آجائے گا۔ اور اس عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اپنی کتب میں لکھا ہے کہ "شیعیت جھوٹ کی پوٹلی ہے" اور اگر کوئی منکر ہو تو اس بات کے ثبوت کے لئے کسی اور چیز کے بغیر ان کا صرف کتاب "اسرار الشہادۃ" سامنے رکھ دینا ہی کافی ہے۔

مثلاً اگر ہمارے بزرگانِ دین سے کوئی پوچھے کہ شیخ جلیل علی بن الحسین مسعودی جو کہ آپ میں سے ہیں اور جن کا تعلق کلینی کے زمانے سے ہے انہوں نے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد میں نہایت مبالغہ کیا ہے۔ کتاب "اثبات الوصیہ" میں ہے کہ انہوں نے کہا ہے۔

"وروی انہ قتل بیدہ ذالک الیوم الفاً و ثمانمائۃ"

"اور روایت کی گئی ہے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام نے (روزِ

عاشور) اپنے ہاتھ سے ایک ہزار آٹھ سو افراد کو قتل کیا۔"

(اثبات الوصیہ۔ ص ۱۶۴)

پس ان کی اس نص کے مطابق (امامؑ نے) ایک ہزار آٹھ سو آدمی قتل کئے اور ابنِ شہر آشوب نے تالیفات کی اس کثرت اور اپنے تبحرو معلومات کے باوجود اور محمد بن ابوطالب نے جیسا کہ "بحار" میں نقل کیا گیا ہے تعداد کو ایک ہزار نو سو پچاس تک پہنچایا ہے۔ (بحار الانوار۔ ج ۴۵۔ ص ۵۰) اور اس کتاب (اسرار الشہادۃ) میں جو مسعودی سے تقریباً ایک ہزار سال بعد میں تالیف کی گئی ہے حضرت سیدا لشہداءؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد تیس لاکھ اور ابی الفضل کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد پچیّس ہزار اور باقی تمام اقرباء و انصار کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد پچیّس ہزار تک پہنچائی ہے۔

بتایئے اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ کذبِ صریح کا اعتراف کیا جائے' کوئی دوسری صورت نہیں رہتی۔

سبحان اللہ ! اس مبالغہ آرائی اور کذب بیانی کا کیا مقصد ہے؟ اگر اس سے سیدا لشہداء علیہ السلام کی شجاعتِ بشری کا بیان مقصود ہے تو اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے اس قسم کے باطل سہاروں کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر سیدا لشہداء علیہ السلام نے اس دن سو آدمی قتل کئے تب بھی آپؑ اشجع الناس تھے۔ وہ سراجِ منیر اور چراغِ عالم افروز جس کو خداوندِ منان نے بندوں کے لئے مہیا فرمایا ہے اس کی بتی کا تیل اور اس کے نور کی مدد' عالمِ غیب اور اس شجرۂ مبارکہ سے ہوتی ہے جس کی صفت "لا شرقیہ ولا غربیہ" ہے۔ وہ سراجِ منیر اس بات کا محتاج نہیں کہ اس کی امداد گندیدہ سیاہ الفاظ کے ساتھ کی

جائے۔ ہمیں اس بت پرست نکتہ گو کافر سے سیکھنا چاہئے۔

ہندوستان کے "جیمز کارگرن" نے چین کی تاریخ کے بارے میں ایک کتاب اردو زبان میں تحریر کی ہے اور اردو اس وقت اہلِ ہند میں رائج زبان ہے۔ اس طبع شدہ کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۱۱ پر شجاعت کے ذکر کی مناسبت سے یہ کلام مذکور ہے جس کی عبارت کا عین ترجمہ یہ ہے۔

"چونکہ رستم کی بہادری اور شجاعت مشہورِ زمانہ ہے لیکن چند ایسے مرد گزرے ہیں کہ جن کے مقابلہ میں رستم کا نام قابلِ بیان نہیں۔ جیسے کہ حسین بن علی (علیہما السلام) کہ جن کی شجاعت تمام بہادروں پر رتبۂ تقدم لے گئی۔ کیونکہ وہ شخص جس نے میدانِ کربلا کی ریگِ گرم پر بھوک و پیاس کی حالت میں اس مردانگی کا مظاہرہ کیا ہو اس کے مقابلہ میں وہی شخص رستم کا نام لے گا جو تاریخ سے واقفیت نہ رکھتا ہو۔ کس کے قلم میں طاقت ہے کہ حسین (علیہ السلام) کا حال لکھ سکے اور کس کی زبان میں طاقت ہے کہ بہتّر نفوس کی تیس ہزار خونخوار شامی فوج کے مقابلہ میں ثابت قدمی کی تعریف کرے اور ہر ایک کی شہادت کو بیان کرسکے۔ نازک خیالی میں کہاں اس قدر تاب کہ ان بہتّر آدمیوں کے دلوں کی حالت کا تصور کرسکے کہ ان پر اس وقت کیا گزری جب عمرِ سعد نے ان کو دس ہزار فوجی سواروں ☆ کے گھیرے میں لے رکھا تھا یہاں تک کہ شمرِ ملعون نے سرِاقدس کو تن سے جدا کیا۔

☆ ۔ یہاں تعداد کے اختلاف کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس کی پہلی مراد (تیس ہزار) تمام لشکر ہو اور دوسری مراد (دس ہزار) وہ ہوں جو باری باری جنگ میں مشغول ہوئے ہوں۔

مثل مشہور ہے کہ ایک کا علاج دو ہوتے ہیں۔ یعنی ایک آدمی سے اس وقت تک کام نہیں بنتا جب تک کہ دوسرا اس کا مددگار نہ ہوجائے۔ اس سے زیادہ مبالغہ نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص کے حق میں یہ کہا جائے کہ "فلاں شخص کو دشمن نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے" مگر حسین (علیہ السلام) اور بہتّر جانثاروں کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تکلیفِ شدید پہنچائی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ان لوگوں نے ثابت قدمی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے یزید کی دس ہزار فوج تھی کہ جن کے نیزہ و تیر کی بارش نے سیاہ طوفان اٹھایا ہوا تھا۔

پانچواں دشمن آفتابِ عرب کی وہ گرمی اور حرارت تھی کہ جس کی نظیر زیرِ فلک امکانی صورت پیدا نہیں کرسکتی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرب جیسی گرمی اور تمازت غیرعرب میں نہیں پائی جاسکتی۔ چھٹا دشمن میدانِ کربلا کی تپتی ہوئی ریت تھی جو تمازتِ آفتاب میں شعلہ زن اور گرم تنور کی راکھ کی طرح جلانے والی اور آتش فگن تھی۔ بلکہ اسے دریائے قہار کہا جاسکتا ہے جس کے بلبلے اولادِ فاطمہ کے پیروں کے آبلے تھے۔

واقعی دو اور دشمن جو ان تمام دشمنوں سے زیادہ ظالم تھے۔ ایک پیاس اور دوسری بھوک جو حیلہ گر ہمراہی کی مانند ایک لحمہ کے لئے بھی جدا نہ ہوتے تھے اور ان دو دشمنوں کی آرزو اس وقت کم ہوتی جب زبانیں تشنگی کی وجہ سے چاک چاک ہوجاتیں۔ پس جن لوگوں نے اس طرح کے معرکہ میں ہزاروں کفار کا مقابلہ کیا ہو۔ ان پر بہادری اور شجاعت ختم ہے۔"

اس ہندو بت پرست کا محلِ حاجت کلامِ متین ختم ہوا کہ جو دلربا سفید کاغذ کے رخسار پر سیاہ تل کی مانند ہے۔ اور اس کی ستائش میں یہ کہنا سزاوار ہے۔

"بخالِ ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را"

مصنفِ مذکور نے معلوم و محسوس ہونے والے امور کے ذریعہ حضرت سیدالشہداء علیہ السلام بلکہ آپؑ کے تمام انصار کے زمانہ کے تمام بہادروں سے زیادہ شجاع ہونے کو بغیر ان امور کو دستاویز قرار دیئے ہوئے ثابت کردیا جو کمزوری میں تارِ عنکبوت سے زیادہ کمزور اور بے ثباتی میں پانی کے بلبلے کی مانند ہوتے ہیں۔

شجاعت میدانِ کارزار میں قوتِ قلب اور ثباتِ قدم کا نام ہے اور صفاتِ نفسانیہ میں سے ہے، جس کی معرفت ان ہی آثار و علامات کے ذریعہ ہوتی ہے جو بیان کئے گئے ہیں نہ کہ ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی زیادتی کے ذریعے جو پرانی کتابوں اور بے اصل و بے پایہ اوراق کی طرف مراجعت کی محتاج ہو کہ یہ دیکھا جائے کہ کس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد کتنی ہے؟

(جھوٹی روایات کی روک تھام کے سلسلے میں علماء کا فریضہ)

اور یوں مذکورہ مطلب اور اس جیسی دوسری باتیں جن کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا کہ کذب کے اعتراف کے بعد مناسب یہ تھا کہ فقہائے عظام، پاسدارانِ شہرِ دینِ مبین، ملتِ احمد مرسلؐ اور مسلکِ علوی کے قلعہءِ متین کی حفاظت کرتے اور اس ننگ و عار کو اس سے جدا کرتے اور مذہبِ جعفری کے پاک و پاکیزہ دامن کو ان گندگیوں اور کثافتوں سے صاف کرتے۔ اس قسم کی کتابوں کی نشرو اشاعت اور انہیں نقل کرنے سے منع کرتے اور اس بات کی اجازت نہ دیتے کہ

ایسے ذاکر اور خطیب حضرات جو صحیح و سقیم اور اصل اور بے بنیاد میں فرق نہیں کرسکتے وہ ان کتابوں سے رجوع کریں اور اگر وہ قبول نہ کرتے تو انہیں مجالس اور ماتم کدوں میں دعوت نہ کرتے۔ اور اگر وہ دوسروں کی مجلس پڑھتے تو اس میں شرکت نہ کرتے۔ اور اگر نادانستگی میں وہاں جا پہنچیں تو جوں ہی وہ پڑھنے لگے تو محض اعلائے کلمۂ حق اور فعلِ منکر کی نہی کی غرض سے بلا لحاظ اپنی جگہ سے کھڑے ہو جائیں کیونکہ اس عمل میں اس جماعت (ذاکرین اور خطیب حضرات) کی تنبیہ ہے۔ اس کے برخلاف ایسا نہ ہو کہ وہاں بیٹھیں، اس کو سنیں اور فراغت کے بعد بجائے یہ کہنے کے کہ "فض اللہ فاک" (یعنی خدا تیرا منہ توڑے) دعائیہ لہجہ میں توصیف کرتے ہوئے یہ کہیں کہ "احسنت و طیب اللہ فاک" (آفرین، خدا تمہارے دہان کو خوشبو کرے۔)

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اسے دعوت دیں اور جو کچھ اس نے ان کے حضور کہا ہو اگرچہ وہ اس نے بالائے منبر ہی کیوں نہ گھڑا ہو، اپنے سکوت و تقریر اور اس پر اعتراض نہ کرنے کے ذریعہ اس پر مہرِ تصدیق ثبت کریں۔

اس صورت میں (اس ذاکر یا خطیب کی یہ من گھڑت روایت) اس جماعت (ذاکرین اور خطیبوں) کی صحیح روایات میں شامل ہو جاتی ہے اور پھر اگر کسی دوسرے مقام پر کسی مجلس میں اس نے وہ جعلی حدیث اور بے بنیاد روایت پڑھی اور کسی بد قسمت صاحبِ بصیرت اور باخبر عالم کی شامتِ اعمال آئی اور اس نے اس پر اعتراض کردیا تو اس پر ایسے برستے ہیں کہ وہ بے چارہ جو کچھ جانتا ہے وہ بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ اور نہایت حیرت و قوت کے ساتھ اس سے کہتے ہیں کہ تم بہتر جانتے ہو یا وہ فلاں جو آج اس قدر بلند و بالا مقام پر فائز ہیں، میں نے (یہی

روایت) ان کے حضور میں پڑھی تو انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا؟ کوئی اعتراض نہیں کیا؟ اور تم جو مثلاً صرف صَرفِ میر پڑھ رہے ہو، دخل در معقولات کرتے ہو---! یوں ایسی ہی باتوں سے اس جگر سوختہ کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔

یہ تمام کی تمام ان دو کلموں کی شرح ہے جس کی طرف اس رسالہ کے خطبہ میں اشارہ ہوا ہے کہ تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے۔ کتنا اچھا ہوتا اگر اس مذہب کے علماء جن کا قول سنا جاتا اور حکم کی اطاعت کی جاتی ہے علماء سلف کا طریقہ نہ چھوڑتے اور اس مرحلہ میں نہایت شد و مد اور سخت کوشش کے ساتھ اہلِ علم و طالبانِ احادیث اور ان احادیث کو جمع کرنے والوں، حفظ کرنے والوں اور نقل کرنے والوں کو کھلا نہ چھوڑتے اور دین کے اس شعبہ کے استحکام کو اپنے بڑے مقاصد میں سے قرار دیتے اور جھوٹوں، جعل سازوں، بے بنیاد روایات بیان کرنے والوں اور اخبارِ منکرہ کے نقل کرنے والوں کو علماء سلف کی مانند اپنی زبانوں اور رسائلِ عملیہ میں لکھ کر منع کرتے اور اگر وہ ان کی اطاعت نہ کرتے تو ان کو پھٹکار دیتے اور دوسروں کو ان کی مصاحبت اور ان کی تقاریر سننے سے منع کردیتے۔

(علماء کے انحراف سے مقابلہ کا ایک نمونہ)

شیخ نجاشی نے اپنی رجال میں عبداللہ بن زید (عبیداللہ بن ابی زید) جو کہ ابوطالب انباری کے نام سے مشہور ہے کے حالات میں کہا ہے کہ :

"وہ ہمارے اصحاب میں سے شیخ تھے اور نقلِ حدیث میں ثقہ اور عالمِ حدیث تھے۔ وہ پہلے زمانہ میں واقفیوں (ایسے لوگ جو حضرت امام موسیٰ

بن جعفرؑ کی امامت پر توقف کرتے تھے اور حضرت امام رضاؑ کی امامت کو تسلیم نہیں کرتے تھے) میں سے تھے۔ (اس کے بعد نجاشی نے اپنے شیخ ابوعبداللہ حسین بن عبیداللہ غضائری سے نقل کیا ہے کہ) ابو غالب زراری (جو کہ بزرگ علماء اور ثقۃ الاسلام کلینی کے راویوں میں سے ہیں) نے کہا کہ میں ابوطالب کو جانتا ہوں‘ وہ اپنی زیادہ تر عمر میں واقفی رہے اور واقفیوں سے ملے جلے رہے۔ اس کے بعد وہ واقفی مذہب سے پلٹ کر امامی (شیعہ) ہوگئے۔ ہمارے اصحاب نے اس پر ظلم کیا ہے۔ اس کی عبادت اور خشوع بہت اچھا تھا۔ ابوالقاسم بن سہل واسطی نے انصاف کی بات کی ہے کہ میں نے کسی ایسے آدمی کو نہیں دیکھا جس کی عبادت خوب تر‘ اس کا زہد بہت محکم تر‘ اس کا لباس صاف تر اور وہ آراستہ تر ہو ابوطالب سے زیادہ۔ اور ابوطالب واسط (عراق کا ایک شہر) کے عامہ لوگوں سے خائف تھا کہ کہیں وہ اس کی نماز کو نہ دیکھ لیں اور اس کے عمل کا انہیں پتہ نہ چل جائے۔ لہٰذا ابوطالب اپنے آپ کو کنائس‘ گرجوں اور غیر آباد مکانوں میں تنہا رکھتا تھا۔ پس اگر مقاماتِ مذکورہ میں اسے کوئی شخص دیکھ لیتا تو اس کو نماز اور دعا کی بہترین حالت میں پاتا۔ اور اہلِ بغداد میں سے ہمارے علماء اس کی طرف غلو کی نسبت دیتے ہیں۔ حسین بن عبیداللہ غضائری نے فرمایا : جب ابوطالب بغداد میں داخل ہوا تو میں نے جس قدر بھی سعی کی کہ ہمارے اصحاب مجھے اجازت دیں کہ میں اس سے ملاقات کروں اور اس سے حدیث سنوں‘ مگر ہمارے اصحاب (علماء) نے مجھے

اجازت نہ دی۔" (رجال نجاشی۔ ص ۲۳۲-۲۳۳)

اس قسم کی بہت سی حکایات ہیں اور علماء اس طرح مذہب کی حفاظت و حراست کرتے تھے اور کبھی ان سے یہ سخت روی بے محل بھی ہوتی تھی۔ البتہ یہ بھی علمی اختلافات کی بناء پر تھی۔ مثلاً جیسے کہ بعض کے نزدیک غلو کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حتیٰ نبی یا امامؑ سے سہو و نسیان کی نفی کرنے کو بھی یہ لوگ غلو کہتے تھے۔ یا موضوع میں ابہام تھا۔ مثلاً یہ کہ کسی کی جانب ایسی بات کی نسبت دی جائے جو اس کے کفر یا فسق کا سبب ہو اور یہ نسبت بعض کے نزدیک اصل ہو اور دوسروں کے نزدیک بے اصل۔ اور یہ ہر دو ماجور و مثاب ہیں اور دونوں ہی نے دین کی خدمت کی ہے۔ ذاتی اغراض کی وجہ سے سخت روی نہیں برتتے۔ ہماری گفتگو ان باتوں کے متعلق نہیں جو قابلِ اختلاف اور مشتبہ ہوں۔ اور ہمیشہ ہی ان کے بارے میں علماء میں نزاع و اختلاف رہا ہو۔ بلکہ ہماری گفتگو ان چیزوں کے بارے میں ہے جو تمام علماء کے درمیان مشترک ہیں اور کسی ایک کو بھی ان سے اختلاف نہیں۔ جیسے جھوٹ بولنا اور جھوٹ باندھنا اور جو چیزیں اس حکم میں آتی ہیں۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں اس بارے میں اشارہ کر چکے ہیں اور اس بات کا متنِ حدیث کی فہم یا موضوع میں ابہام سے ربط نہیں۔ اور ہمارا مقصد اس باب (جھوٹ بولنا اور جھوٹ باندھنا) کو بند کرنا ہے‘ جو سب ہی چاہتے ہیں کہ تمام موارد خصوصاً اس مقام (ذاکرین اور خطیبوں) میں بند ہو جائے جو حرام ہونے کے علاوہ مذہب کی سبکی اور قوم کی رسوائی کا بھی موجب ہے۔ اور جو اس جماعت (ذاکرین) کو ان کے اپنے حال پر کھلا چھوڑ دینے کی وجہ سے روز بروز بڑھ رہا ہے اور جھوٹ کا قبیح ہونا بھی ختم ہو چکا ہے۔

وہ شعر جو سن ۴۱۶ھ میں وفات پانے والے شاعر ابوالحسن تہامی نے ایک طویل قصیدے کے ضمن میں اپنے فرزند کے مرثیہ میں وضع کیے۔

یاکوکبا ما کان اقصر عمر
وکذاک عمر کواکب الاسحار

"اے ستارۂ سحری تیری عمر کس قدر کوتاہ تھی، ہاں ! سحر کے ستاروں کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔"

ذاکرین اس شعر کو صریحاً حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپؑ نے اسے جناب علی اکبرؑ کے سرہانے پڑھا۔ اور اسے خود میں نے بعض نئی گھڑی ہوئی کتب میں دیکھا ہے کہ جناب علی اکبرؑ کی شہادت کے واقعہ میں اس شعر کو قصیدہ کے دیگر چند بیت کے ساتھ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

اور وہ (ذاکرین اور خطیب حضرات) جناب ابی الفضلؑ کے لئے جنگِ صفین اور نہروان میں ایسے عجیب واقعات کا ذکر کرتے ہیں جن کا ایک لفظ بھی سچ نہیں ہے۔ حالانکہ ان غزوات میں جناب ابی الفضلؑ کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ملتا، سوائے "خوارزمی" کی کتاب "مناقب" کے چند کلمات کے کہ ایک روز حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے لباس کو بدلا اور ان کے لباس کو زیب تن کیا۔ (مناقبِ خوارزمی۔ ص ۱۵۴) اور عجیب بات یہ ہے کہ (یہ لوگ) اس واقعہ کے ساتھ ایک ایسا دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ انسان کی فکر جس قدر بھی عمیق اور گہری ہو ان دونوں واقعات کو جمع کرنے سے عاجز رہی ہے اور اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ :

"ایک روز امیرالمومنین علیہ السلام بالائے منبر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو پیاس لگی۔ آپؑ نے پانی مانگا۔ حضرت نے قنبر کو پانی لانے کا حکم دیا۔ حضرت عباسؑ اس وقت بچے تھے جب انہوں نے بھائی کی پیاس کو سنا تو دوڑ کر اپنی مادرِ گرامی کے پاس آئے اور ایک پیالے میں بھائی کے لئے پانی لیا اور اسے اپنے سر پر رکھا۔ اس پیالے سے پانی گر رہا تھا۔ اسی حال میں آپ مسجد میں داخل ہوئے۔ جب پدرِ بزرگوار جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی نظر ان پر پڑی تو آپؑ رو پڑے اور فرمایا : آج اس طرح ہے اور روزِ عاشورا ایسے ہوگا اور قدرے مصائب کا ذکر کیا---- (تا آخر)"

اس قصہ کو البتہ کوفہ سے نسبت دی جاتی ہے اگر یہ قصہ مدینہ میں ہوتا تو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت کے ابتدائی ایام میں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے تو حضرتؑ کے لئے مسجد اور منبر میسّر نہ تھے۔ اس زمانہ میں حضرت ابی عبداللہؑ کی عمرِ مبارک تیس سال سے زیادہ تھی۔ اس مجلسِ عام میں آپؑ کا اظہارِ تشنگی کرنا اور اثناء خطبہ میں تکلم کرنا جو کہ مکروہ ہے، یا مقامِ امامت کے ساتھ حرام ہے، امامت تو بڑی بات ہے اثناء خطبہ میں تکلم کرنا عدالت کے ابتدائی درجہ کے بھی منافی ہے، بلکہ انسانیت کی رائج رسوم سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ نیز جنگِ صفین اس کے دو تین سال بعد ہوئی تھی۔ اگر جناب ابوالفضلؑ اس روز بچے تھے تو جنگِ صفین میں ان کے یہ تمام واقعات کس طرح وقوع پذیر ہوئے؟؟

ایک بچے کا اسّی آدمیوں کو ہوا میں پھینکنا کہ جن اسّی آدمیوں کو پھینکا تھا ابھی

ان میں سے پہلا واپس نہیں آیا تھا اور ان میں سے جو بھی گرتا اسے شمشیر کے ذریعہ دو ٹکڑے کردیتے' ایک ایسا خارقِ عادت عمل ہے کہ جو آپؑ کے پدرِ بزرگوار امیرالمومنین علیہ السلام سے بھی کبھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔

جیساکہ بعض گزشتہ اخبار میں ذکر ہوا دروغ گو حافظہ نہیں رکھتا اور اب معلوم ہوتا ہے کہ زر و سیم جمع کرنے کی حرص نے اس سے قوتِ ادراک بھی چھین لی ہے۔ اور اس حرص نے اس سے شرم وحیا کا پردہ بھی یکسر اٹھالیا ہے۔

ان لوگوں نے سرے سے علمِ انساب ہی کو خراب کردیا ہے اور انسابِ ہاشمی کے علماء کو جنھوں نے گزشتہ دور میں اس معاملے میں سخت محنت اور عرق ریزی کی تھی اور اپنی عمر صرف کی تھی کھوکھلا کردیا ہے اور اس ذرّیۂ طاہرہ خاص کر حضرت ابی عبداللہ الحسینؑ کے ساتھ ایسی ہستیوں کو شریک کردیا جن میں سے کچھ کو آپؑ مدینہ میں چھوڑتے ہیں' بعض کی کربلا میں آکر شادی کرتے ہیں اور بعض کو جبرئیل کے قول "صغیر هم یمیتهم العطش" (تمہارے بچوں کو تشنگی مار دے گی) کی صداقت کے لئے کربلا میں پیاس سے مارتے ہیں اور بعض کو قتل گاہ میں عبداللہ بن الحسن کی مانند شہید کرتے ہیں اور اسی طرح خدا جانتا ہے کہ ان کے حساب سے ان کی تعداد کہاں تک پہنچتی ہے۔ بہرحال یہ رشتہ سخن ناقابلِ اختتام ہے۔ بالفرض اگر یہ جعلی قصے کئی جلدوں میں لکھ بھی دیئے جائیں تو چنداں فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ان میں کئی گنا زیادہ نئے قصوں کا اضافہ ہوجائے گا اور اگر ان اوراق میں مطالعہ اور تدبر کے ذریعے کہ جن کے متعلق امید ہے کہ سوائے حقائق کے کوئی اور چیز نہیں ہوگی کوئی اثر ظاہر ہوگا' اور نصیحت حاصل کی گئی ہوگی یا علماء میں سے کسی عالم میں روکنے اور منع کا شوق پیدا

ہوگیا ہوگا تو خداوندِ منان کا شکریہ بجالانا چاہئے۔ ورنہ ہر شخص جو دردِ دین رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ تنہائی میں اسلام کی مظلومی اور غربت پر روئے اور حقِ تعالیٰ سے قلب کی گہرائیوں کے ساتھ حضرتِ حجت کے ظہور میں تعجیل کی دعا کرے۔

اور ہم اس فصل کو چند فرع کے ذکر کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

(کسی دوسرے سے دروغ نقل کرنے کا حکم)

اول : کسی دوسرے آدمی سے دروغ نقل کرنے کے جواز کے بارے میں ہرچند وہ شخص ثقہ ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) - یہ کہ اسے بغیر یہ بیان کئے ہوئے نقل کرے کہ یہ خبر دروغ ہے۔ جیساکہ بعض افراد کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر کی حفاظت بھی چاہتے ہیں لیکن اس جھوٹی خبر کو بھی اس بناء پر نقل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ سوزناک ہے اور مجلس میں شور و غوغہ بپا کرسکتی ہے۔ لہٰذا وہ اسے کسی ناقل کی طرف نسبت دے کر نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ : فلاں نے یوں پڑھا ہے' یا فلاں کتاب میں یوں لکھا ہے۔

یہ لوگ اس طرح نسبت دینے میں سچے ہوتے ہیں۔ لیکن دروغ کو اس لباس میں پیش کرتے ہیں اور اسے پھیلاتے ہیں اور اس سے نتیجہ گیری کرتے ہیں۔

ظاہراً دروغ کی یہ قسم حرام کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ کذب کی قباحت میں کوئی فرق نہیں ہوتا خواہ وہ اس طرح ہو یا کوئی از خود دروغ بولے۔ شیخِ اعظم استاد الاساتید شیخ مرتضیٰ طاب ثراہ نے رسالہ "تسامح" میں فرمایا ہے۔

"ولا یبعد عدم الجواز الا مع بیان کونها کاذبة"

"جھوٹی اخبار کے نقل کا ناجائز ہونا بعید نہیں' سوائے اس صورت کے کہ یہ بیان کیا جائے کہ وہ دروغ ہیں۔"

(یعنی جھوٹی اخبار کو یہ کہہ کر نقل کرنا کہ یہ جھوٹ ہے' جائز ہے۔)

شیخ طوسی قدس سرہ کے پسر ابو علی کی کتاب "امالی" میں خبر مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"جو شخص مجھ سے (یعنی میری طرف نسبت دے کر) کسی حدیث کی روایت کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ حدیث دروغ ہے تو پس وہ روایت کرنے والا بھی دروغ گو لوگوں میں سے ایک ہے۔"

(امالی طوسی۔ج ۲۔ص ۱۶)

اور مجلسی قدس سرہ نے "بحار" میں کہا ہے کہ یہ خبر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس چیز کا نقل کرنا جائز نہیں ہے جس کے متعلق آدمی جانتا ہو کہ یہ دروغ ہے' چاہے وہ اس خبر کی نسبت اس آدمی کی طرف بھی دے جس نے اس خبر کو روایت کیا ہے۔(بحار الانوار۔ج ۲۔ص ۱۵۸)

(۲) - یہ کہ ناقل بیان کرے کہ یہ (جسے میں بیان کر رہا ہوں) دروغ ہے یا اس کا دروغ ہونا سننے والوں کو معلوم ہو۔ اور ظاہراً شیخ معظم متقدم نے اس رسالہ (یعنی رسالہ تسامح) میں اس کے جواز کا حکم دیا ہے۔ لیکن علامہ مجلسی رحمہ اللہ نے کتاب "عین الحیات صفحہ ۵۴" میں فرمایا ہے :

"جاننا چاہئے کہ مذموم چیزوں میں سے' بلکہ ان میں سے جن میں حرمت کا شبہ ہوتا ہے دروغ کا نقل کرنا ہے۔ جیسے حمزہ کا قصہ اور باقی جھوٹے قصے۔ جیسا کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے منقول ہے

کہ روایتوں میں سے بدترین روایت' روایتِ دروغ ہے۔۔۔(تا آخر)"

اور ان کے کلام کی موید وہ آیات و اخبار ہیں جن کا تذکرہ انشاء اللہ جھوٹے اخبار اور قصوں کو سننے کی مذمت میں آئے گا۔ واللہ العالم۔

(ذاکرین کے حوالہ سے اوقاف کے متوکلوں کا فریضہ)

دوم : ایسے وقف جن کی آمدنی حضرت سید الشہداءؑ کی عزاداری کے لئے معین کی گئی ہو ان کے متولیوں کو چاہئے کہ اپنے فریضہ کا لحاظ رکھیں اور اس کی طرف متوجہ رہیں اور موقوفہ املاک کی آمدنی کو قانونِ شرع انور کے مطابق اور وقف کرنے والوں کی ہدایت کی روشنی میں مذکورہ محل میں صرف کریں اور بجائے مجلسِ عزاء و مصیبت کے محفلِ عیش و معصیت برپا نہ کریں۔ کیونکہ اس صورت میں وہ خیانت اور مالِ حلال کے راہِ معصیت میں صرف کرنے کے گناہ میں آلودہ ہونے کے علاوہ اس تمام آمدنی یا اس کے کسی حصہ کے بے جا خرچ کرنے میں بھی مبتلا ہو جائیں گے' اور جب حساب کا موقع آئے گا تو انہیں پتہ چلے گا کہ ان کا نامہء عمل سیاہ ہے اور جو کچھ ان کے ذمہ پر ہے اس نے ان کے پاس جمع شدہ کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور آخرت کے روز اپنے حسنات اور نیکیوں کو وقف کرنے والوں کے نامہء عمل میں دیکھیں گے اور اگر اُن کے ہاتھ نیکیوں سے خالی ہوئے تو وقف کرنے والوں کے گناہوں کا بوجھ ان کے کاندھوں پر ہوگا۔

اور پوشیدہ نہ رہے کہ اس آمدنی کو بے جا صرف کرنے کے بعض واضح اور معلوم موارد ہیں کہ جن میں شک و شبہ کے اظہار اور عذر خواہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایسے ذاکر اور خطیب کو دعوت دینا جو غنا پڑھتا ہو اور

اسی غنا پڑھنے پر اسے اجرت دینا۔ نیز مجلسِ عزاء کو چھوڑ کر اس غنا خوانی پر اکتفا کرنا اور مصیبت پر سوزِ قلب سے گریہ کے بجائے وجد و طرب کی بنا پر رو کر اسے وقف کرنے والے کی روح کو ہدیہ کرنا۔ یا ایسے دروغ گو ذاکر کو دعوت دینا جو دیندار افراد اور اس فن سے باخبر لوگوں کے نزدیک دروغ گو معروف ہو اور مجلس کو اس کی دروغ کے ذریعہ قائم کرنا۔ اور اس کے علاوہ دوسرے معاصی جو وہاں اس مجلس کے انعقاد کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور طاعت کو نافرمانی اور ثواب کو عذاب میں تبدیل کرتے ہیں۔ کیونکہ اس موضوع کی وضاحت مذکورہ رسالہ کی وضع کے مناسب نہیں اس لئے ہم اس سے اعراض کرتے ہیں۔

اور اس سلسلہ کی بعض چیزیں مشتبہ ہیں جن کے لئے کوئی میزان بیان نہیں کیا جاسکتا۔ جس شخص میں دردِ دین ہے وہ ضرورت کے وقت بادیانت اور بابصیرت اہلِ علم سے دریافت کرے اور اپنا فریضہ پہچانے۔

اور مجلسِ عزائے حسینؑ کے لئے وقف کا متولی ایسا ہی ہے جیسے "وصی"۔ اسے چاہئے کہ وہ حسبِ وصیت میت کے ایک تہائی سے مجلسِ عزاء کا انعقاد کرے۔ اور اسی طرح وہ آدمی بھی ہے جو نذر کرے کہ اپنی حاجت کے پورا ہونے کی ابتداء یا بعد میں چند مجالسِ عزاء کا انعقاد کرے گا۔ اور وہ لوگ بھی اسی طرح ہیں جن کے پاس لوگ بیرونِ ملک سے مجالسِ عزاء کے انعقاد کے لئے کچھ مال بھیجتے ہیں۔ چنانچہ ان تمام لوگوں کو مجالسِ عزاء میں اس متولی کی مانند ان چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ بصورتِ دیگر ان سب کو بھی اسی مشکل میں مبتلا ہونا پڑے گا جس کا متولی کو سامنا ہوگا۔ خداوندِ تبارک و تعالیٰ چشمِ دل کو بینا کرے اور سب کو اپنی غیبی عنایات سے سرفراز فرمائے۔

(دروغ پر مشتمل کتب کا حکم)

سوم: وہ کتابیں جو جھوٹے قصوں اور اس کے علاوہ جعلی باتوں کے ذکر میں تالیف کی گئی ہیں وہ سب کی سب دو قسم پر مشتمل ہیں۔

(۱) - وہ جو تمثیل اور بعض علمی مسائل کی توضیح اور صفاتِ نفسانیہ کی تکمیل کے لئے تالیف کی گئی ہیں جیسے کتابِ کلیلہ ودمنہ' رسالۂ مقالاتِ حیوانات' کتاب اخوان الصفاء اور قطب شیرازی کی درۃ التاج اور انہی جیسی اور کتب۔ پس ان کے بیان کرنے اور لکھنے کے جواز کا حکم پہلے گزرا ہے اور جب ان کا لکھنا جائز ہوا تو ان کے ساتھ ہر قسم کا معاملہ بھی جائز ہے۔

(۲) - وہ جن کی تالیف کا مقصد کسی اچھی بات کے سلسلے میں استفادہ نہ تھا۔ پس وہ کتب اکثر احکام میں جیسے تالیف کا حرام ہونا' ان کا نشر کرنا' طبع کرانا' اس کے علاوہ ان کی کتابت' ان کو خریدنا اور بیچنا وغیرہ میں کتبِ ضلال کے ساتھ شریک ہوں گی۔ بلکہ ہر عنوان سے ان کے ساتھ معاملہ حرام ہوگا اور جو کچھ ان کے مقابلے میں دیا جائے' وہ دینے والے اور لینے والے دونوں پر حرام ہوگا۔ الا یہ کہ ان کی جلد میں کوئی قابلِ قدر نفع ہو' یا بعض صورتوں میں ان کا کاغذ بہت نادر ہو۔

اب رہی ان کی حفاظت اور اپنے پاس رکھنے کی بات تو اگر ان کے اندر دروغ پائے جانے کے علاوہ کوئی اور خرابی ہو اور ان میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو جس کے پیشِ نظر اس خرابی سے چشم پوشی کی جاسکے۔ جیسے وہ کتاب جو یزید کے پدرِ ظاہری کی فضیلت کے بارے میں اخبار کے ذکر کے لئے تالیف کی گئی ہے۔

البتہ اس صورت میں ایسی کتب کتبِ ضلال میں داخل ہوں گی۔ پس ایسی کتب کو پاس رکھنا جائز نہ ہوگا اور ضروری ہے کہ انہیں تلف کردیا جائے۔ اور اگر ان میں کوئی خرابی نہ ہو' جیسے کتاب رموزِ حمزہ اور الف لیلیٰ اور ان جیسی دیگر کتب' تو ان کے تلف کرنے کا وجوب اور ان کی حفاظت کی حرمت معلوم نہیں ہے۔ بلکہ ظاہراً انہیں پاس رکھنا جائز ہے' اگرچہ جلد کے سوا کسی اور قیمت کی حامل نہ ہو اور ایسی کتب اموال میں شامل نہیں ہیں۔ پس اگر کوئی شخص اس قسم کی کتب کو تلف کرے تو اس کی جلد کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

اور علامہ مجلسیؒ نے "عین الحیاۃ" میں فروعِ اول میں ذکر کئے گئے کلام کے بعد فرمایا ہے :

"بلکہ سچے قصے جو لغو و باطل ہوں جیسے شاہنامہ اور اس کے علاوہ مجوس اور کفار کے قصے' ان کے متعلق بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حرام ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی تائید میں ایک خبر نقل کی ہے جو اس کتاب کے خاتمہ میں آئے گی۔" (عین الحیاۃ۔ ص ۵۴۷)

اور ان کے داماد عالمِ جلیل میر محمد صالح خاتون آبادی نے بھی کتاب "روادع النفوس" میں ان کی پیروی کی ہے۔

خاتمہ

"اخبارِ کاذبہ اور جھوٹی حکایات و قصص سننے کی مذمت میں اور گستاخ اور بے پرواہ ذاکرین کی طرف سے کہی گئی اس قسم کی باتوں کے حوالہ سے سامعین کی ذمہ داری کے بارے میں۔"

خداوندِ عالم یہود بلکہ منافقین کی مذمت اور ان کی صفاتِ خبیثہ اور افعالِ قبیحہ کے بیان میں فرماتا ہے۔

"سماعون للکذب سماعون لقوم آخرین"

"ایسے ہیں جو جھوٹی باتیں سنتے ہیں۔" (سورہ مائدہ۵۔ آیت۴۱)

اسی سورہ میں ایک آیت کے فاصلہ کے ساتھ پھر فرمایا۔

"سماعون للکذب اکالون للسحت"

"یہ جھوٹ کے سننے والے اور حرام کے کھانے والے ہیں۔"

(سورہ مائدہ۵۔ آیت۴۲)

یا تو دروغ نشر کرنے کے لئے دروغ سنتے ہیں یا جھوٹ کو قبول کرنے یا تصدیق کرنے کے لئے جھوٹ سنتے ہیں۔ بہرحال ان دو آیہ کریمہ میں سخنِ دروغ کی طرف توجہ دینے پر سخت سرزنش کی گئی ہے' چاہے یہ توجہ اس دروغ کو نقل

کرنے کے لئے ہو یا نہ ہو اور چاہے مقصود اس دروغ کا قبول کرنا ہو یا نہ ہو۔

اور نیز خداوندِ عالم ان نعمتوں کی تعداد کے بارے میں جو اس نے بہشت میں متقی لوگوں کو بخشی ہیں فرماتا ہے۔

"لا یسمعون فیھا لغوا ولا کذابا"

"وہاں نہ کوئی فضول بات سنیں گے نہ دروغ۔"

(سورہ نباء ۷۸۔ آیت ۳۵)

بعض مفسرین کی تفسیر کے مطابق "کذاب" سے مراد وہی کذب ہے۔ پس جنّتی لوگ بہشتِ جاوداں میں فضول اور بے فائدہ سخن اور کلامِ دروغ نہ سنیں گے۔ پس جب سخنِ دروغ کا نہ سننا بہشت کی ان نعمتوں میں سے ہوا جن کے ذریعہ خدائے منان اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے' تو دروغ کا سننا نقمت ہوا اور قانونِ مقابلہ اور ضد کے مطابق دروغ کا سننا اہلِ دوزخ کا خاصہ ہوگا۔ جیسا کہ وہ دنیا میں دروغ گوئی کے عادی تھے وہ آخرت اور مقامِ قیامت میں بھی اس دروغ کو ترک نہیں کریں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

"و یوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون مالبثوا غیر ساعۃ کذالک کانوا یوفکون"

"اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو مجرمین قسم کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے درحقیقت یہ اسی طرح دنیا میں بھی افتراپردازیاں کرتے تھے۔" (سورہ روم ۳۰۔ آیت ۵۵)

اور نیز خداوندِ عالم بعض ان منافقین کے ذکر کے بعد جنہوں نے دنیا میں محضرِ نبوی میں جھوٹی قسم کھائی تھی اور اس عذاب کے ذکر کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے ان

کے لئے مہیا فرمایا ہے فرماتا ہے :

"یوم یبعثھم اللہ جمیعاً فیحلفون لہ کما یحلفون لکم و یحسبون انھم علی شئی الا انھم ھم الکاذبون"

"جس دن خدا ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا تو یہ لوگ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اسی طرح اس (خدا) کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور خیال کرتے ہیں کہ وہ راہِ صواب پر ہیں (یعنی حق پر ہیں اور مشرک اور منافق ہیں۔) آگاہ ہو یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں (ان باتوں میں جنہیں یہ کہتے اور جن کی قسم کھاتے ہیں۔)"

(سورہ مجادلہ ۵۸۔ آیت ۱۸)

نیز اہلِ دوزخ کی ان باتوں کے متعلق فرماتا ہے جو وہ روزِ قیامت کریں گے۔

"ثم لم تکن فتنتھم الا ان قالوا واللہ ربنا ماکنا مشرکین' انظر کیف کذبوا علیٰ انفسھم وضل عنھم ماکانوا یفترون"

"اس کے بعد ان کا کوئی فتنہ نہ ہوگا سوائے اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔ دیکھئے انہوں نے کس طرح اپنے آپ کو جھٹلایا اور کس طرح ان کا افتراء حقیقت سے دور نکلا۔"

(سورہ انعام ۶۔ آیت ۲۳۔ ۲۴)

اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کا اس وقت کا کلام نقل فرمایا ہے کہ جب عذاب کے فرشتے ان پر آگ کو پیش کریں گے تو وہ کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں واپس جاتے اور اپنے پروردگار کی آیات کی تکذیب نہ کرتے اور اہلِ ایمان

میں سے ہوتے۔ خدا فرماتا ہے۔

"ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه وانهم لكاذبون"

"اگر یہ لوگ دنیا میں لوٹا بھی دیئے جائیں تو بھی جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس کو کریں گے اور یہ سب جھوٹے ہیں۔"

(سورہ انعام ۶۔ آیت ۲۸)

نیز دروغ سننے کی مذمت اور قبح پر آیہ شریفہ "واجتنبوا قول الزّور" (سورہ حج ۲۲۔ آیت ۳۰) دلالت کرتی ہے۔

جیساکہ مقامِ دوم میں گزرا ہے کہ قولِ زور سے مراد دروغ ہے اور بعض اہلِ لغات نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اور اگر اس سے مراد مطلق کلامِ باطل ہو جس میں فحش و غنا اور غیبت و بہتان شامل ہو تو دروغ بھی ان ہی میں سے ہو گا۔ اور اس سے اجتناب اس وقت تک نہ کہا جائے گا جب تک کہ دروغ کی تمام اقسام سے دوری نہ کی جائے' چاہے دروغ کا بولنا ہو یا لکھنا یا سننا۔ اور اگر کوئی شخص دروغ نہ بولتا ہو لیکن اسے سنتا ہو تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے دروغ سے اجتناب کیا ہے' اور یہی وجہ ہے کہ بزرگ فقہا نے اس آیت کے ذریعہ کتبِ ضلال اپنے پاس رکھنے کی حرمت پر استدلال کیا ہے کیونکہ اکثر ان کی برگشت دروغ کی طرف ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کتب کا رکھنے والا' ان کا کہنے والا اور ان کا مؤلف نہ ہو۔

اور اگر زور کے معنی دروغ ہوں تو اس پر آیہ شریفہ "والذین لا یشهدون الزّور" (سورہ فرقان ۲۵۔ آیت ۷۲) کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جو لوگ مجالسِ دروغ میں حاضر ہوتے ہیں ان کی دو صنفیں

ہوتی ہیں۔ ایک صنف وہ جو دروغ کہتی ہے اور دوسری صنف وہ جو دروغ سنتی ہے۔ اور اس آیہ کی دلالت صنفِ دوم (یعنی جو لوگ دروغ سننے کے لئے حاضر ہوتے ہیں) پر زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ زور جس معنی میں بھی ہو دروغ کو شامل ہے۔

شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب "اعتقادات" میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت صادقؑ سے قصہ خوانوں کے متعلق پوچھا :

"کیا ان کی بات سننا حلال ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا : حلال نہیں ہے۔ اور فرمایا کہ جس کسی نے کسی کہنے والے کے کلام کو سنا پس بہ تحقیق اس نے اس کی پرستش کی۔ پس اگر کہنے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات کرتا ہے (یعنی راست اور حق کہتا ہے) تو سننے والے نے خدا کی پرستش کی ہے اور اگر وہ ابلیس کی طرف سے بات کرتا ہے (یعنی جھوٹی اور باطل باتیں کرتا ہے) تو پس اس سننے والے نے ابلیس کی پرستش کی ہے۔" (رسالہ اعتقادات صدوق۔ ص ۱۰۵۔ باب الاعتقاد فی التقیہ)

اور شیخ عیاشی نے اپنی تفسیر میں حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے خدا تعالیٰ کے قول "واذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا" (سورہ انعام ۶۔ آیت ۶۸) کی تفسیر میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے بارے میں گفتگو کرنا اور قرآن میں مخاصمہ کرنا ہے۔ یعنی آیات میں خوض سے مراد یہ ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے پڑھا :

"فاعرض عنهم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیره"

"پس تم ان کی طرف سے منہ پھیر لو یہاں تک کہ وہ لوگ اس کے سوا

کوئی اور بات کرنے لگیں۔" (سورہ انعام ٦- آیت ٦٨)

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا : ان میں قصہ خواں بھی شامل ہیں۔

(تفسیرِ عیاشی۔ج ١۔ص ٣٦٢)

یعنی ان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی مجالست سے پرہیز کرنا چاہئے اور ان کی باتیں نہیں سنی چاہئیں۔ اور اگر ذاکر یا خطیب خدا، رسولؐ اور ائمہؑ پر دروغ باندھے تو وہ صنفِ اول میں سے ہے اور اگر جھوٹی حکایات بیان کرے تو صنفِ ثانی میں۔

اور شیخ صدوقؒ نے کتاب "صفات الشیعۃ" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک طولانی خبر روایت کی ہے کہ جنابؑ نے "احنف بن قیس" کے لئے اپنے خاص اصحاب کی صفات کو ذکر فرمایا ہے اور انہیں گنواتے ہوئے کہا :

"وسجموا اسماعھم ان یلجھا خوض خائض"

"حاصل ترجمہ یہ ہے کہ : انہوں نے (اصحابِ خاص نے) اپنے کانوں کو بند کیا ہوا ہے اور انہیں اس بات سے روکا ہوا ہے کہ ان میں یا وہ لوگوں کا دروغ اور ان کی باطل باتیں داخل ہوں۔"

اور مجلسی رحمہ اللہ علیہ نے "عین الحیاۃ" میں سچے بے ہودہ قصوں کو سننے کی مذمت کرتے ہوئے انہیں دروغ قصوں کے ساتھ ملحق کیا ہے اور بعض علماء سے ان (سچے بے ہودہ قصوں) کی حرمت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

"جیساکہ بعض کتبِ امامیہ میں تحریر ہے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا۔

"ذکر علی ابن ابی طالب علیہ السلام عبادۃ، ومن علامات المنافق ان یتنفر عن ذکرہ و یختار استماع القصص الکاذبۃ واساطیر المجوس علی استماع فضائلہ۔

ثم قرا علیہ السلام : واذا ذکر اللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لا یومنون بالاخرۃ و اذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون۔" (سورہ زمر ٣٩- آیت ٤٥)

"فسئل (صلوات اللہ علیہ) عن تفسیرھا قال : اماتدرون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کان یقول : اذکروا علی ابن ابی طالب علیہ السلام فی مجالسکم فان ذکرہ ذکری، و ذکری ذکر اللہ، فالذین اشمازت قلوبھم عن ذکرہ واستبشروا عن ذکر غیرہ اولئک الذین لا یومنون بالاخرۃ ولھم عذاب مھین"

"علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کا ذکر عبادت ہے اور یہ بات منافق کی علامتوں میں سے ہے کہ وہ ذکرِ علیؑ سے نفرت کرتا ہے اور فضائلِ علیؑ سننے کے مقابل جھوٹے قصے اور مجوس کے افسانے سننے کو اختیار کرتا ہے۔

پھر امامؑ نے یہ آیت پڑھی "واذا ذکر اللہ وحدہ (تا آخر)"۔

پس امامؑ سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا : کیا تم نہیں جانتے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنی مجالس میں علی ابنِ ابی طالبؑ کا ذکر کیا کرو۔ پس بہ تحقیق علیؑ کا ذکر میرا ذکر ہے اور میرا ذکر اللہ کا ذکر ہے۔ پس وہ لوگ جن کے دل علیؑ کے ذکر سے تنگ اور ان کے غیر کے ذکر سے شادمان ہوتے ہیں وہ' وہ لوگ ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ہے۔" (عین الحیاۃ۔ ص۵۴۸)

نیز عقایدِ شیخ صدوقؒ میں مروی ہے کہ لوگوں نے حضرت صادق علیہ السلام سے خداوندِ عزوجل کے قول "والشعراء یتبعھم الغاون" (سورہ شعراء۲۶۔ آیت۲۲۴) کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا : "ھم القصاص" یعنی وہ قصے پڑھنے والے ہیں۔

(رسالہ اعتقادات صدوق۔ ص۱۰۵)

مخفی نہ رہے کہ اگر سائل نے اس آیہ شریفہ میں شعراء کا معنی پوچھا تھا (جیسا کہ ظاہر ہے اور بعض دیگر اخبار میں معصومینؑ نے تصریح فرمائی ہے کہ شعراء سے مراد مشہور نہیں ہے۔) پس اس حالت میں "ھم" (یعنی وہ) کی ضمیر سے مراد "شعراء" ہوں گے۔ یعنی "شعراء" سے مراد قصہ خوان ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ شاعر کی طرح دروغ بناتے ہیں۔ پس غاوون جو کہ ان کی متابعت کرتے ہیں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے دروغوں اور قصوں کو سنتے ہیں۔

نیز دروغ سننے کی مذمت اور قبح پر وہ آیات واخبار دلالت کرتی ہیں جن میں

اثم وعدوان اور گناہ وعصیان میں اعانت کرنے سے نہی فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ اگر سننے والا نہ ہو تو دروغ گو کمتر دروغ کہے۔ پس سننے والا معصیتِ دروغ کے ارتکاب میں دروغ گو کی اعانت کر رہا ہے' خصوصاً اگر وہ ان باتوں کی وجہ سے اس کی مدح کرے۔

اور شیخ صدوقؒ نے کتاب "معانی الاخبار" میں حماد بن عثمان سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا :

"میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے قول زور (یعنی آیہ شریفہ "واجتنبوا قول الزّور" (سورہ حج۲۲۔ آیت۳۰) کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ کسی کا کسی گانے والے کو "احسنت" کہنا بھی اسی (یعنی قول زور) میں شامل ہے۔"

(معانی الاخبار۔ ص۳۴۹)

اور ظاہر ہے کہ آنحضرتؑ کی غرض مثال پیش کرنا ہے۔ پس دروغ گو ذاکر کی اس طرح مدح کرنا (جیسا کہ عام رائج ہے کہ لوگ مجلس سے فراغت کے بعد اسے کہتے ہیں "احسنت یا طیب اللہ فاک") یہ بھی قولِ زور میں شامل ہے۔

نیز اس کی مذمت اور قبح پر زبان کے اکثر گناہوں جیسے غیبت' غنا' سب' بہتان' استہزاء اور اس قسم کے دیگر گناہوں کا استقرا دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ جیسے شرع میں غیبت حرام ہے اسی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے اور جیسے گانا گانا حرام ہے اسی طرح اس کا سننا بھی حرام ہے' جیسے خداوندِ عالم کے اولیاء یا کسی مومن کو سب وشتم کرنا کفر یا معصیت ہے اسی طرح اس کا سننا بھی حرام

ہے۔ خداوندِ عالم فرماتا ہے :

"و قد نزل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزء بھا فلا تقعدوا معھم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم"

"اور اس نے کتاب میں یہ بات نازل کردی ہے کہ جب آیاتِ الٰہی کے بارے میں یہ سنو کہ ان کا انکار اور استہزا ہو رہا ہے تو خبردار ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں مصروف نہ ہوجائیں ورنہ تم ان ہی کی طرح ہوجاؤ گے۔"

(سورہ نساء ۴۔ آیت ۱۴۰)

اور اس آیہ مبارکہ کے لئے ایک ایسا وافی بیان ہے جس سے تمام معاصی کا اس میں داخل ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جو شخص بھی کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو گویا اس نے آیاتِ الٰہیہ میں سے کسی آیت کے ساتھ استہزا کیا۔ چونکہ یہ بیان اس قدر مفصل ہے کہ اس کا نقل کرنا اس رسالہ کے مناسب نہیں اس لئے اسے یوں ہی چھوڑتے ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہوا کہ آیاتِ الٰہیہ کے بارے میں استہزاء کا سننا اور غناء، غیبت، تہمت اور مومن کو سب و شتم حرام ہیں۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کذب خصوصاً اگر خدا، اس کے رسولؐ اور ان کے خلفاءؑ پر ہو گناہانِ کبیرہ میں محسوب ہو، اس کا کہنا حرام ہو اور اس کا سننا جائز ہو۔

کتاب "جعفریات" کے باب حسنِ معاشرت میں حضرت علیؑ سے روایت کی گئی ہے کہ :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور میں جب کوئی شخص جھوٹا بولتا تو آپؐ مسکرا دیتے اور فرماتے کہ وہ بات جاری رکھے۔"

(جعفریات۔ ص ۱۶۹)

پس اس روایت کو ظاہر پر نہیں چھوڑا جاسکتا، کیونکہ آنحضرتؐ کی جانب یہ نسبت نہیں دی جاسکتی کہ کوئی آپؐ کے حضور میں مرتکبِ گناہ ہو اور آپؐ اسے منع نہ فرمائیں۔

پس ممکن ہے یہاں "دروغ" سے مراد عام اور بے ضرر امور کے بارے میں دروغ ہو کہ جو بے جانے بوجھے بولا جائے۔ مثال کے طور پر اس نے کوئی خبر سنی ہو اور درست طریقے سے نہ سمجھا ہو، یا خبر کے بعض اجزاء کو بھول گیا ہو یا غلط سمجھا ہو اور ایسے ہی دوسرے مواقع کہ جب اصل خبر تو دروغ ہے لیکن بولنے والا گناہ گار نہیں۔ اور کیونکہ یہ محلِ حاجت نہ تھی اور اس پر کوئی تکلیف عائد نہ ہوتی تھی اور اسے کوئی ضرر بھی نہیں پہنچتا تھا اس لئے اسے روکنا ضروری نہ تھا۔

جیسے شہیدِ ثانیؒ اور دیگر علماء نے ابی موسیٰ محمد ابن مثنّٰی عَنَزی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا : ہم ایسی قوم ہیں کہ ہمارے لئے ایک شرف ہے ہم عنزہ سے ہیں (یعنی عنزہ قبیلہ سے ہیں) شاید یہ وہی قبیلہ ہو جو اب عنیزہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے مزید کہا :

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہماری طرف منہ کرکے نماز ادا کی۔"

یہ ادعا دروغ ہے کیونکہ حضرتؐ نے ان کے قبیلہ کی طرف منہ کرکے نماز

ادا نہیں کی۔ لیکن اس نے دروغِ حرام نہیں کہا بلکہ اشتباہ کیا ہے' کیونکہ عنزہ کے ایک اور معنی بھی ہیں اور وہ دستی عصا ہے جس کے نیچے لوہا ہو۔ حضرتؑ کے پاس ایسی لاٹھی تھی۔ اور جب کبھی آپؑ کسی صحرا میں نماز بجالاتے تو نمازی کے سامنے کسی چیز کے بطورِ رکاوٹ ہونے کے مستحب ہونے کی وجہ سے اس عصا کو اپنے سامنے نصب فرماتے اور ابوموسیٰ نے کسی خبر میں دیکھا کہ : "صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیٰ عنزۃ" یعنی رسول اللہؐ نے عنزہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کی۔ یعنی آنحضرتؐ نے اس لاٹھی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی اور ابوموسیٰ نے عنزہ کو قبیلہ سمجھا اور اسی کو نقل کردیا۔ اس نے سمجھا نہیں اور اس بات پر افتخار کیا۔ (الدرایہ۔ ص ۳۵۔ مصحف کے معنی کے ذیل میں)

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ ہم نے اس خاتمہ میں کہا ہے وہ عام افراد کے لئے دروغ سننے کے حکم کے بیان میں تھا کہ ان کے لئے اس دروغ کے سننے میں خود اپنی ذات کو ضرر پہنچانے کے سوا کوئی اور نقصان نہیں ہوتا اور کوئی دوسرا نقصان پیدا نہیں ہوسکتا۔ لیکن وہ لوگ جو بندگانِ خدا کے پیشوا (مجتہدین) اور مخلوق کی خداوندِ سبحانہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں اور لوگوں کے لئے بھی ضروری ہے کہ گفتار و رفتار اور سیرت و کردار میں ان کی پیروی کریں اور ان سے حلال و حرام اور طاعت و عصیان کو سیکھیں۔ پس ان پیشواؤں کے مجالسِ عزاء میں ذاکرین سے بے اندازہ ضرر رساں باتوں کو سننے سے مزید کئی خرابیاں مترتب ہوتی ہیں' خصوصاً ایسے دروغوں کو سننے میں جو ائمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت اور کردار و گفتار سے متعلق ہوں۔

ان خرابیوں میں سے اس دروغ سننے والے پیشوائے دانا کا دروغ گو لوگوں کے زمرہ میں داخل ہوجانا ہے۔ پس وہ پیشوا ہر دو مصیبتوں میں مبتلا ہوگیا۔ دروغ گو بھی ہوا اور دروغ سننے والا بھی۔ کیونکہ ہم نے دروغ کی اقسام میں وضاحت کی ہے کہ کذب لغت میں اگرچہ لفظ اور سخن کی صفات میں سے ہے لیکن شرع میں اس کا حکم ان افعال میں بھی جاری ہے جو زبان کے علاوہ دیگر اعضاو جوارح سے صادر ہوتے ہیں' جیسے ہاتھ و آنکھ اور سر و پیر اور اسی طرح کذب کا حکم سکوت اور تقریر میں بھی جاری ہے جیسا کہ اس کی مثال گزر چکی ہے۔

اور یہ مقام بھی اسی قسم سے ہوگا۔ کیونکہ جب کوئی ایسا عالم جس کی لوگ بات سنتے ہوں اور جس کی پیروی کرتے ہوں وہ سنے کہ کسی ذاکر یا خطیب نے دروغ خبر کہی ہے اور اسے بے بنیاد طور پر امامؑ سے نسبت دی ہے اور اسے نہی عن المنکر کرنے میں ضرر کا بھی خوف نہ ہو لیکن اس کے باوجود وہ خاموش رہے اور اسے منع نہ کرے بلکہ اس کا حال بھی منقلب نہ ہو اور لامحالہ اس ذاکر سے اختیار کرنے والے طرزِ عمل میں بھی کوئی تبدیلی نہ کرے جو نہی از منکر کا پست ترین درجہ ہے' تو یہ معلوم ہوگا کہ اس نے اس خبر کو دروغ نہیں سمجھا' بلکہ اپنے سکوت سے اس کی تصدیق کی ہے۔ پس یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے خود کہا ہے۔ لہٰذا ذاکر اس کے سکوت سے تمسک کرتا ہے اور اسے ان لوگوں کے مقابل اپنی اس خبر کی صحت کے ثبوت کے طور پر استعمال کرتا ہے' جو اسے غلط ٹھہراتے ہیں اور اس منع کرنے والے کو شرمندہ کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے نقصانات جن کا ذکر کرنے میں مزید نقصانات ہیں۔

مختصر یہ کہ امکان اور توانائی رکھنے والوں کا سکوت اس بے انصاف گروہ کی

گستاخی اور بے پروائی کا موجب ہوا ہے۔ حد یہ ہے کہ یہ لوگ حرمہائی شریف اور روضاتِ متبرکہ، خصوصاً سید الشہداء علیہ السلام کے حرم کو اکثر اوقات بالخصوص سحر کے اوقات میں جو نالہ و فغاں، گریہ و بکا اور استغفار کا موسم ہوتا ہے، عجیب عجیب طرح کے دروغ اور کبھی مطرب آوازوں کے ذریعہ اس محضرِ انور کو تاریک کرتے ہیں۔ اور (جیساکہ گزشتہ اخبار سے واضح ہے) وہاں سے رحمت کے فرشتوں کی افواج کو باہر نکالتے ہیں اور بندگانِ خدا کو عبادت، انابہ و تضرع کی حالت سے خارج کرتے ہیں اور یوں راہِ خدا سے روکنے والوں کے زمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اور اس حال میں کوئی انہیں روکنے والا نہیں ہوتا۔ پھر لوگ اس قبہ عالی کے زیرِ سایہ دعائیں قبول نہ ہونے پر تعجب کرتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اب یہ قبہ نہیں رہا ہے، حرم نہیں رہا ہے، اب نہ وہاں کوئی ملک رہا ہے اور نہ کوئی فیض بلکہ بعض لوگوں کے لئے کھیل کھیلنے کا مقام، بعض کے لئے خوش گزرانی کا ٹھکانا، بعض کے لئے کبھی سرمایہ مالِ دنیا سے اور کبھی سرمایہ امورِ دینی سے کسب کا مقام بن گیا ہے۔

اور اس جماعت (ذاکرین اور خطیبوں) کی یہ خرابی دوسروں پر بھی اثر انداز ہورہی ہے اور ایک عرصہ ہوا ہے کہ صحنِ مقدس (حرم سید الشہداءؑ) میں طویل جھوٹے قصے بیان کرنے والے نقال دو دو، تین تین گھنٹے تک واضح اور معلوم جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور اوباش و رذیل لوگوں کا ایک گروہ ان کے گرد جمع رہتا ہے۔ اگر یہ کثیف محفل جو خدائے جبار و منتقم کی لعنت کا مورد ہے، آبادی سے دور کسی بیابان میں منعقد ہورہی ہوتی تب بھی مسلمانوں پر لازم تھا کہ اسے درہم برہم کرتے اور انہیں اس قبیح عمل سے باز رکھتے۔ چہ جائیکہ صحنِ مقدس میں

جہاں زیرِ پا ہزارہا مومنین و اخیار کی قبور ہیں، جو پند و عبرت حاصل کرنے، ان کے لئے دعا کرنے، قرآن پڑھنے کا مقام ہے، جس کی منزلت فرشتوں کی معراج سے بلند ہے، ان کی آمد و رفت کا مقام ہے، اپنے مجاورین اور ذاکرین کے لئے گریہ و نالہ اور نماز و استغفار کا محل ہے، البتہ وہ زوار نہیں جو خود اس قبیح منکر میں مشغول ہے یا ان کا ساتھی و مددگار ہے، یا اس قسم کے قبیح عمل کو اس بزمِ الٰہی میں دیکھنے کے باوجود بے پروائی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے اور اس کی جانب سرے سے توجہ ہی نہ دے۔ چہ جائیکہ اس پر متاثر و غمگین ہو، چہ جائیکہ اس پر انہیں منع کرے۔

پس اب ضروری ہے کہ اربابِ دانش و بصیرت حضرت ابی عبداللہ علیہ السلام کی مجالسِ عزاء کو جدید طریقہ سے منعقد کریں اور آپؑ کے وجودِ مبارک پر زائر، مجاور، خادم آپؑ کے علوم کے حاملین، متعبدین، ناسکین، مامومین اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں سے جو انواع و اقسام کے صدمات شب و روز پہنچ رہے ہیں، انہیں جمع کرکے ایک دیندار دلسوز کے ہاتھ میں دیں تاکہ وہ اہلِ تقویٰ و دیانت اور غیرت و عصبیت کی مجالس میں انہیں پڑھیں، انہیں رلائیں، تڑپائیں اور خداوندِ تعالیٰ سے سلطانِ ناشرِ عدل و امان، باسطِ فضل و احسان اور قامع کفر و نفاق و عدوان کے ظہور میں تعجیل کی دعا کریں۔

اللھم عجل فرجہ، وسھل مخرجہ، وصل علیہ وعلی آبائہ الغر البررۃ۔

❋

یہ رسالہ شریفہ روز دحول الارض، پچیس ذیقعدہ، ایام مبارکہ میں سے

ایک مبارک دن کہ جس میں ظہور کا وعدہ دیا گیا ہے، سن ۱۳۱۹ھ کہ جس میں روز جمعہ، عید قربان اور نوروز جمع ہو گئے ہیں تمام ہوا۔

"حرر العبد المذنب المسیء حسین بن محمد التقی النوری الطبرسی، حامداً مصلیاً"